بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر

جواہر القرآن

از افادات حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ

مرتبہ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ

کتب خانہ رشیدیہ
مدینہ مارکیٹ راولپنڈی

القرآن الحکیم

مع تفسیر

جواہر القرآن

از افادات شیخ التفسیر حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

ترمیم، اضافہ

مرتبہ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب

فوائد موضح قرآن۔ مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح

فوائد فتح الرحمن از مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کاشف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفاتحۃ

خلاصہ سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے "اُمُّ الْقُرْاٰن" سب سے زیادہ جامع اور مشہور ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُم کے معنی یہاں مغز اور خلاصہ کے ہیں۔ یہ سورت چونکہ ان تمام مضامین کا خلاصہ ہے جو سارے قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں اس لئے یہ سورۂ مبارکہ ام القرآن کے نام سے موسوم کی گئی۔ اس کی دو تقریریں ہیں۔

پہلی تقریر مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس کی تقریر یہ فرمائی کہ قرآن مجید میں چھ مضامین بیان کئے گئے ہیں (۱) توحید (۲) رسالت (۳) احکام (۴) قیامت، (۵) ماننے والوں کے احوال اور (۶) نہ ماننے والوں کے احوال۔ اور سورۃ فاتحہ میں یہ تمام مضامین بالاجمال موجود ہیں۔ الحمد للہ سے الرحمٰن الرحیم تک توحید۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں قیامت، اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں احکام کا بیان ہے کیونکہ نعبد میں عبادت کے تمام طریق اور احکام کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح الصراط المستقیم سے شریعت کے تمام احکام مراد ہیں صراط الذین انعمت علیہم میں ایک طرف رسالت کا بیان ہے کیوں کہ منعم علیہم چار جماعتیں ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے اولٰئك الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصّٰلحین وحسن اولٰئك رفیقا (نساء ع۹) اور دوسری طرف ماننے والوں کے احوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ماننے والوں کو ہر قسم کے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ اور غیر المغضوب علیہم ولا الضَّآلِّيْنَ میں نہ ماننے والوں کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ سورت قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے اور اسی بنا پر اس کا نام ام القرآن ہے۔

دوسری تقریر دوسری تقریر ہمارے شیخ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام ربانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ نیز تفسیر مواہب الرحمان ج ا صـ۲ میں ہے کہ سارے آسمانی علوم اور قرآن مجید کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے۔ آہ کیوں کہ مضامین کے اعتبار سے قرآن مجید کے چار حصے ہیں اور ہر حصہ الحمد للہ سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا حصہ سورۂ فاتحہ سے سورۂ مائدہ کے آخر تک ہے اس حصہ میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے یعنی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ دوسرا حصہ سورہ انعام سے سورہ بنی اسرائیل کے آخر تک ہے اس حصہ کا مرکزی مضمون ربوبیت ہے یعنی اس میں زیادہ تر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کو حد کمال تک پہنچانے والا اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا صرف اللہ تعالے ہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ تیسرا حصہ۔ سورہ کہف سے سورہ احزاب کے آخر تک ہے اس میں زیادہ تر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ تخت بادشاہی پر وہ خود متمکن ہے وہی مالک و متصرف اور مختار و کارساز ہے اور وہی برکات دہندہ ہے اور وہ اپنی بادشاہی میں اپنے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔ چوتھا حصہ۔ سورہ سبا سے قرآن مجید کے آخر تک ہے۔ اس حصے کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن مالک و مختار صرف اللہ ہی ہوگا۔ اور اس کے سامنے کوئی شفیع غالب نہیں ہوگا۔ یہ چاروں مضامین جو پورے قرآن میں تفصیل سے مذکور ہیں ان کا خلاصہ اور اجمالی خاکہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے چنانچہ الحمد للہ میں حصہ اول کی طرف اشارہ ہے کیونکہ لفظ اللہ سے وصف مشہور مراد ہے یعنی خالق بمطابق قاعدہ مشہورہ لکل فرعون موسٰی ای لکل مبطل محق مشرکین عرب بھی اللہ تعالٰی کی صفت خالقیت کا اقرار کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (زخرف ع۷) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ (ان کو) اللہ تعالے نے (پیدا کیا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان ع۳) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالٰے نے

دوسرا حصہ رب العٰلمین میں مذکور ہے اور تیسرے حصہ کی طرف الرحمٰن الرحیم میں اشارہ ہے یعنی مالک و مختار اور تخت حکومت پر وہی متمکن ہے کیونکہ انتہائی رحمت اور غایت شفقت بادشاہوں ہی کی صفتیں ہیں۔

اور چوتھا حصہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں مذکور ہے۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے لکل شئ لباب ولباب القرآن الحوامیم (خازن صـ۳ ج ۶) یعنی ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے۔ اور قرآن کا خلاصہ حوامیم ہیں۔ اور تمام حوامیم کا مبدا سورۂ زمر ہے۔ اور سورہ زمر کا دعویٰ یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر ع ۱) سو آپ خالص اعتقاد کرکے اس کی بندگی کرتے رہیے۔ یاد رکھو عبادت جو کہ شرک سے خالص ہو اللہ کی

کے لیے سزاوار ہے اس آیت میں بقرینہ فاعبد = الدین کے معنی عبادت کے ہیں اور عبادت سے مراد غائبانہ دعا و پکار ہے جیسا کہ حم مومن میں اس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (حم مومن ع ۷) سو تم سب خالص اعتقاد کرکے اس کو پکارا کرو یہاں اعبدوا کے بجائے ادعوا فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ عبادت سے مراد دعا و پکار ہے اور پکار عبادت کا جزو اعظم ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ الدعاء ھو العبادة اور الدعاء مخ العبادة ۔ اسی طرح حم مومن رکوع ۶ میں ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (حم مومن ع ۶) اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے، آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے آپ نے فرمایا عن عبادتی قال عن دعائی (ابن جریر ج ۲۴ ص ۴۹) یعنی عن عبادتی میں عبادت سے مراد دعا اور پکار ہے۔ اور حوامیم سبعہ کا دعویٰ یہی ہے کہ حاجات و مشکلات میں غائبانہ صرف اللہ ہی کو پکارو اور صرف اسی سے استمداد اور استعانت کرو۔ سورہ زمر کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں آگیا اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ سورہ فاتحہ کے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں آگیا۔ اس طرح سارے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں آگیا۔ سورہ فاتحہ کے خلاصہ اور دعویٰ کو سورہ جن رکوع ۲ میں اس طرح بیان فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو (غائبانہ حاجات میں) پکارتا ہوں اور (اس کی پکار میں) کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوں۔ بعینہٖ اس مفہوم کو علامہ ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمایا ہے الفاتحة سر القرآن وسرھا هذه الكلمة (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) یعنی سورہ فاتحہ تمام قرآن کا مغز ہے اور سورہ فاتحہ کا مغز اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے

سوال یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا چوتھا حصہ جو سورہ سبا سے شروع ہوتا ہے اس کی ابتدا الحمد للہ سے ہوتی ہے۔ اور اس حصہ کی دوسری سورت یعنی سورۂ فاطر وہ بھی الحمد للہ سے شروع کی گئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوتھے حصہ میں دو مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت کے دن کوئی شفیع قہری نہیں ہوگا اور دوسرا یہ کہ عبادت اور پکار صرف اللہ ہی کی چاہیئے اور کسی کی نہیں۔ اس طرح یہ دونوں سورتیں آپس میں بھی مرتبط ہو گئیں۔ یعنی جب خدا کے یہاں کوئی شفیع قہری نہیں تو عبادت اور پکار بھی اس کے سوا کسی کی نہیں چاہیئے۔ چنانچہ سورہ سبا میں شفاعت قہری کی نفی کی گئی ہے اور پھر سورہ یاسین، صافات، اور صٓ تینوں اس پر متفرع ہیں۔ سورہ یٰس میں فرمایا کہ ہم نے بدکردار قوموں کو پکڑا مگر کسی نے ان کو نہ چھڑایا۔ صافات میں بیان فرمایا کہ چھڑانا تو دُور جن کے بارے میں چھڑانے کا زعم ہے یعنی انبیاء علیہم السلام وہ تو خود خدا کے سامنے زاری اور عجز و نیاز کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور صٓ میں بیان کیا نہ صرف زاری کر رہے ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بعض جسمانی مصائب میں خود گرفتار ہیں۔ اس طرح سورہ فاطر میں عبادت اور پکار کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر زمر اور حوامیم سبعہ میں اس کی توضیح کیگئی ہے۔ اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ سورہ سبا چونکہ یٰس صافات اور صٓ مبدأ نفی اور سورہ فاطر، زمر اور حوامیم سبعہ کا مبدأ اثبات اس لیے دونوں سورتوں کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا۔

جس طرح سارے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے اسی طرح سورہ فاتحہ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں موجود ہے۔ پہلا حصہ لفظ اللہ میں مذکور ہے کیوں کہ اس سے صفت مشہور یعنی خالق مراد ہے۔ تیسرا حصہ حسب بیان سابق الرحمٰن الرحیم میں مذکور ہے۔ جب خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی تو ظاہر ہے کہ مربی اور روزی رساں بھی وہی ہوگا اس طرح دو حصے صراحۃً اور ایک حصہ اشارۃً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں آگیا جن تینوں حصوں کا تعلق دنیا سے تھا وہ بسم اللہ میں آگئے۔ جب دنیا میں سب کا خالق اور پھر سب کا مربی اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے تو آخرت کا مالک اور وہاں کا متصرف و مختار بھی وہی ہوگا۔ اور پھر ساری بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ کی ب میں موجود ہے۔ گویا سارے قرآن کا اصل مقصد بار استعانت سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ب کا متعلق محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم استعینوا متعلق آخر میں اسلیے نکالا گیا ہے تاکہ حصر کا فائدہ دے ای بسم اللہ استعینوا خاصة لا بما اشرك به المشركون بل عمهم وادعوه خاصة لا غیره۔ یعنی صرف اللہ ہی کے نام سے استعانت کرو۔ اور اللہ ہی کو غائبانہ حاجات میں پکارو۔ اور مشرکین اور نہ ہی ان کو پکارو۔

تعلیم المسئلہ سورہ فاتحہ کا ایک نام تعلیم المسئلہ بھی ہے جس کے معنی ہیں "سوال کی تعلیم" سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سوال کی تعلیم دی ہے کہ تم مجھ سے یوں سوال کیا کرو اس لیے اس سورت کو تعلیم المسئلہ بھی کہا گیا چنانچہ پوری سورہ فاتحہ میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ ساری کی ساری ایک عاجزانہ درخواست ہے جو بندہ اپنے مولا کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ پہلے اس کی حمد و ثنا بجا لاتا ہے۔ اس کے لائق ہر خوبی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے خالق و مالک اور ساری کائنات کا پروردگار اور رحمان و رحیم اور مالک روز جزا ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اور پھر اپنی بندگی اور بے چارگی کا اعتراف کرکے اس سے سیدھی راہ پر قائم رہنے کی توفیق مانگتا ہے۔ یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی انتہائی شفقت اور مہربانی ہے۔ کہ بندوں کو سوال کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔

چونکہ سورہ فاتحہ میں بندوں کو سوال کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیے اس سے پہلے لفظ قُوْلُوْا (یوں کہو) محذوف ہے اور پھر تعریفی اور دعائیہ جملوں کی ابتدا میں بھی قُوْلُوْا محذوف ہے۔ مثلاً قولوا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نستعین قولوا الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملك یوم الدین ۔ قولوا ایاك نعبد ۔ قولوا وایاك نستعین ۔ قولوا اھدنا الصراط المستقیم الخ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سورہ فاتحہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

قال تعالیٰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ای قولوا بسم اللہ الخ ومعناه باللہ استعین خاصة وادعوه خاصة لاغیره واتلبس بذکر اسمه ۔ نسمی ھذه الطریق فی اصطلاحنا ادماجا ای استعین باللہ الرحمٰن الرحیم لانه ھو الخالق المالك وفهم المعنی الوصفی من العلم لشهرته بهذا الوصف قال تعالیٰ وھو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض فقال تعالیٰ وھو الذی فی السماء اله وفی الارض اله فهو الخالق الملك الرحمٰن الرحیم ۔ اعلم یا اخی ان جمیع القرآن منقسم الی اربعة ابحاث کل بحث یبتدأ بالحمد للہ الاول من فاتحة الکتاب الی اٰخر سورة النساء والثانی من الانعام الی اٰخر سورة بنی اسرائیل والثالث من الکهف الی اٰخر الاحزاب والرابع من السبا الی اٰخر القراٰن ۔ فاجتمعت المضامین الاربعة فی الفاتحة والفاتحة فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبلفظ اٰخر تمام القراٰن فی الفاتحة فان لباب القراٰن الحوامیم وخلاصة الحوامیم فی حم المؤمن ای اُدْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کما نبینه فی تفسیر الحوامیم وذکر فی السورة السابقة انه تعالیٰ ھو الخالق لا غیره فاعبدوا اللہ مخلصین له الدین وھذا المذکور ثابت فی الفاتحة والفاتحة فی بسم اللہ وبسم اللہ فی الباء کان لفظة اللہ جمعت فیه الالوهیة والربوبیة والمقصود من الحصر فی الحمد له ھو حصر العبادة التی اعظم شعبها الاستعانة فاذا قرأ القاری بسم اللہ استعین بتقدیم الجار فهو حصر الاستعانة ای باللہ

استعین لابما اشرك به المشرکون۔ فالفاتحة جامعة وام للقرآن وهی فی البسملة والبسملة فی الباء نقل عن علی رضی الله عنه ان الجامع فی بسم الله جامعة کذا فی المکتوبات للامام الربانی قدس سره والله اعلم بالصواب فشروع القرآن بجمع الاستعانة والختم علی قل هو الله احد وقل اعوذ برب الناس فالشروع بالاستعانة منه والختم علیها کذا اسئلة رب العلمین فی الاشجار الاتری الی حبة تنبت فالمبدأ والمنتهی الثمرة التی هی الحبة وهذا یشعران المبدأ منه والیه المرجع والمصیر۔

۵۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تفسیروں اور فنون کی کتابوں میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور رہی ہے الحمد میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔ پھر اس پر اعتراضات اور ان کے جوابات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ختم ہونے پر نہیں آتا۔ مثلاً اس پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اگر الف لام استغراق کے لیے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا تمام صفتوں اور خوبیوں کا مالک اللہ تعالےٰ ہے لہٰذا اللہ کے سوا اس کی مخلوق میں سے کسی میں بھی کوئی صفت اور خوبی موجود نہیں ہوگی۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق میں بھی ہزاروں صفتیں موجود ہیں اور خود قرآن میں مخلوق کی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کئی صفتیں مثلاً۔ رؤف ورحیم، سراج منیر، بشیر ونذیر وغیرہ قرآن میں موجود ہیں۔ آپ کے سوا انبیاء علیہم السلام کی کئی صفات مومنین صالحین اور حضرت جبریل علیہ السلام کے بعض اوصاف کا بھی خود قرآن مجید میں ذکر موجود ہے۔ علاوہ ازیں کافروں میں بھی بعض قابل تعریف خوبیاں موجود ہوتی ہیں

تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مخلوق میں جو صفات ہیں ان کا خالق اللہ تعالےٰ ہی ہے نیز یہ صفات عارضی ہوتی ہیں یعنی مخلوق کی موت وفنا پر وہ صفتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ دائمی اور مستقل نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالےٰ کی صفات دائمی اور مستقل ہیں۔ ان کو فنا نہیں وہ ازلی اور ابدی ہیں۔ مخلوق کی صفات کا سرچشمہ اور ان کا خالق اور معطی اللہ تعالےٰ ہے۔ اور مخلوق کی تمام صفات کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس لیے تمام صفتوں اور خوبیوں کا مالک اور سزاوار درحقیقت اللہ تعالےٰ ہی ہے

لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخصوص طرز کے مطابق کہ "ہر لفظ اور آیت کی ایسی مراد بیان کی جائے کہ جس پر کوئی اعتراض وارد ہی نہ ہو سکے" فرماتے ہیں کہ الحمد میں الف لام استغراق کے لیے نہیں بلکہ جنس اور عہد خارجی کے لیے ہے۔ اور قاعدہ نحو کے مطابق الف لام کا حقیقی معنی ہے ہی جنس اور عہد خارجی استغراق کو محققین نے الف لام کا مجازی محمل قرار دیا ہے۔ اور اس سے صرف وہی صفات مراد ہیں جو ذات باری تعالےٰ کے ساتھ مختص ہیں اور مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہیں یعنی صفات کارسازی یا بالفاظ دیگر صفات فاعلیہ یا صفات مافوق الاسباب مثلاً مالک ومختار، متصرف وکارساز حاجت روا، مشکلکشا اور دور ونزدیک سے یکساں طور پر سمیع وبصیر ہونا وغیرہ مطلب یہ ہے کہ تمام صفات الوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس صورت میں نہ کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے اور نہ ہی جواب دینے کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جا بجا اپنی صفات الوہیت بیان فرمائی ہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے ؛۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل ع ۵) کہہ دیجئے اللہ کے سوا نہ آسمان والے غیب جانتے ہیں نہ زمین والے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب کا ذکر ہے جو صفات الوہیت میں سے ہے۔ ایک جگہ فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس ع ۱۱) اس میں بیان فرمایا کہ نقصان کا مالک صرف اللہ ہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے ایک جگہ ارشاد ہے کہ ساری مخلوق پر صبح وشام مختلف انعامات کی جو بارش ہوتی رہتی ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے چنانچہ فرمایا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (نحل ع ۷) یعنی تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں ایک جگہ فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (فاطر ع ۱) اے لوگو اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو اس نے تم پر کی ہیں۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور پیدا کرنے والا ہے۔ جو زمین وآسمان سے تمہیں روزی مہیا کرتا ہے۔ (یاد رکھو) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے خالق ورزاق اور منعم ومربی ہونے کی صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ اور مذکورہ بالا تمام صفات الوہیت ہیں۔

ان کے علاوہ اور سینکڑوں آیتوں میں اللہ تعالےٰ کی صفات مخصوصہ بیان کی گئی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ کی یہ تمام صفات مافوق الاسباب ہیں اور عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ نظام عالم میں جو کام ہو رہے ہیں وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں وہ یا تو ماتحت الاسباب ہیں یعنی اپنے اسباب عادیہ کے تحت انجام پذیر ہو رہے ہیں مثلاً بینائی وشنوائی رکھنے والا آدمی اپنے ارد گرد کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور قرب وجوار کی آوازیں سن سکتا ہے یا مثلاً ایک آدمی اناج یا پھل اگانا چاہتا ہے تو وہ اس کام کے لئے اسباب استعمال کرتا ہے یعنی زمین میں ہل چلا کر اسے قابل کاشت بناتا ہے۔ پھر اس میں بیج ڈالتا ہے، اسے پانی دیتا ہے اس کی نلائی وغیرہ کرتا ہے۔ یہ تمام اسباب عادیہ ہیں ان کو استعمال میں لائے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ دوسری قسم کے کام وہ ہیں جو مافوق الاسباب ہیں یعنی ان اسباب عادیہ سے بالاتر ہیں۔ مثلاً ساری کائنات کے ذرے ذرے کو ہر وقت دیکھنا زمین وآسمان کی چھپی ہوئی تمام چیزوں کا ہر آن مشاہدہ کرنا اسباب عادیہ سے بالاتر اور ماوراء ہے اسی طرح زمین کے پیٹ میں پڑے بیجوں اور تخموں کو شق کر کے ان سے پودوں کی شاخیں نکالنا انسانی دسترس سے باہر اور اسباب عادیہ سے بالاتر ہے تو معلوم ہوا کہ انسانی دسترس میں صرف وہی کام ہیں جو ماتحت الاسباب ہیں اور مافوق الاسباب سارے امور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کے تحت داخل ہیں لہٰذا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے مراد وہ تمام صفات ہیں جو مافوق الاسباب ہیں یعنی مافوق الاسباب تمام صفتیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور ان میں سے ایک صفت اور ایک خوبی بھی اللہ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ مشرکین مکہ چونکہ انہی صفات الوہیت یا مافوق الاسباب صفات ہی میں اپنے معبودوں کو خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ اس لئے الحمد میں مشرکین کے اسی خیال باطل کی تردید فرمائی گئی ہے کہ تمام مافوق الاسباب صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ واقع ہوا ہے وہاں سیاق وسباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مشرکین کے اسی خیال کی تردید ہے کہ ان کے مزعومہ معبود مافوق الاسباب صفات کے حامل ہیں۔ چنانچہ سورۂ انعام ع ۵ میں ارشاد ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پھر ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کارسازی کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً مصیبت کے وقت وہی کام آتا ہے، خدا کی گرفت زبردست ہے، ظالموں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ آخر میں فرمایا "الحمد للہ" یعنی یہ تمام صفات کارسازی اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں۔ یہاں اگر الحمد کو صفات کارسازی سے مختص نہ کیا جائے تو ماقبل سے اس آیت کا کوئی ربط باقی نہیں رہتا۔ اور سورۂ نمل ع ۵ میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے) اس آیت سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے کہ اس تکذیب کرنے والی قوم کو کس طرح تباہ کیا گیا اور ایمان والوں کو کس طرح بچایا گیا چنانچہ ارشاد ہے۔ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ (ہم نے ان (نو غنڈوں) اور ان کی ساری قوم کو تباہ کر دیا) اور مومنین کے بارے میں فرمایا وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ؕ (اور ہم نے ان ایمان والوں کو جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے تھے بچا لیا)

اس کے بعد مؤمنین لوط اور منکرین لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (تو ہم نے لوط علیہ السلام اور اس کے اہل کو اس کی بیوی کے سوا بچا لیا) اور فَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا (اور ان کے منکرین پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا) حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام اور ان کی مومن قوم کو نجات دینے اور ان کے منکرین کو تباہ و برباد کرنے کا ذکر کر کے آخر میں فرمایا۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی یعنی نیک بندوں کو سلامتی عطا کرنا اور کافروں کو ہلاک کرنا یہ صفتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں پر اللہ کی طرف سے سلامتی تو نازل ہوتی ہے لیکن وہ کارساز اور متصرف و مختار نہیں ہوتے۔

اور سورہ جاثیہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ (سو تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو مالک ہے آسمانوں کا اور مالک ہے زمین کا مالک تمام جہانوں کا) یہاں بھی صاف فرما دیا کہ زمین و آسمان کا مالک و مختار اور ساری کائنات کا کارساز اللہ ہی ہے اور صفات کارسازی اسی کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں کوئی اسکا شریک نہیں۔

اور سورہ صافات میں انبیاء علیہم السلام کے مختلف واقعات بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور سلامتی ہے تمام پیغمبروں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) مطلب یہ کہ تباہی اور عذاب سے رسولوں کو سلامت رکھنا اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے پیغمبر وں کا نہیں حاصل یہ کہ تمام مافوق الاسباب اور غائبانہ طاقتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تمام صفات الوہیت اسی کی ذات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مشرکین نے اپنے زعم باطل میں اللہ کے جن پیغمبروں اور نیک بندوں کو غائبانہ اور مافوق الاسباب طاقتوں میں خدا کا شریک سمجھ رکھا ہے وہ خود اللہ کے محتاج ہیں۔ اور آڑے وقت ان کے کام نہیں آسکتے۔

۳ہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لفظ اللّٰہ ذات باری تعالیٰ کا اسم عَلَم ہے لیکن یہاں اس سے وصف مشہور مراد ہے یعنی خالق اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مع صفات باقیہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل بھی اس میں موجود ہے یعنی تمام صفات کارسازی اور تمام اوصاف الوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کیونکہ وہ خالق ہے وہ رب العالمین ہے۔ وہ رحمان و رحیم ہے اور وہ مالک روز جزا ہے۔ اور اس کے سوا زمین و آسمان میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو ان تمام صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو۔ سورہ انعام رکوع نمبر ا میں ارشاد ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے زیبا ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اندھیروں اور اجالے کو بنایا) اس میں الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر بمنزلہ علت ہے یعنی جب آسمانوں اور زمین کا خالق اور اندھیروں اور اجالے کو پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ تو صفات کارسازی بھی اسی کی ذات سے مختص ہیں کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اس کے متصل بعد فرمایا۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (پھر کافر لوگ (اپنے باطل معبودوں کو) اپنے پروردگار کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس سے بھی اسی حقیقت کو واضح فرمایا کہ جب ارض و سماء اور لیل و نہار کا خالق اللہ ہے تو صفات کارسازی کا مالک بھی تنہا وہی ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی اور خالق نہیں تو لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ اس کے سوا کارساز اور مافوق الاسباب متصرف اور مختار بھی کوئی نہیں مخفی نہ رہے کہ الحمد للہ ایک دعوے ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ تمام صفات کارسازی کا مستحق صرف اللہ ہے۔ اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یہ سب اس دعویٰ کی دلیلیں ہیں۔ **۴ہ** رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لفظ اللہ سے چونکہ وصفی معنی مراد تھے یعنی خالق اس لئے اس کی مناسبت سے اس کے بعد دوسری صفت رب العالمین لائی گئی کیونکہ ہر مخلوق اپنی وجود کے لئے اپنی خالق کی محتاج ہے اسی طرح بقاء وجود کے لئے رب اور پروردگار کی محتاج ہے۔ رَبّ کے معنی ہیں ہر چیز کو بتدریج اس کی حد کمال تک پہنچانے والا اور موقع کے مطابق اس کی ضرورتیں مہیا کرنے والا اور اسے زوال سے بچانے والا جیسا کہ امام سنفی حنفی نے امام واسطی سے نقل کیا ہے هو الخالق ابتداءً و المربي غذاءً والغافر انتهاءً وهو اسم الله الاعظم (مدارک ج ا ص۶)

اَلْعٰلَمِیْنَ عالم کی جمع ہے اور اسم آلہ کا صیغہ ہے اور یہاں اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کے وجود سے خالق کائنات کے وجود پر استدلال کیا جا سکے خواہ وہ انسان ہو یا دیگر حیوانات، نباتات ہوں یا جمادات۔ چنانچہ امام نسفی فرماتے ہیں والعالم کل ما علم به الخالق من الاجسام والجواهر والاعراض او کل موجود سوی الله تعالیٰ سمی به لانه علم علی وجوده الخ (مدارک ص۶ ج۱) غرضیکہ ہر وہ چیز جو خلعت وجود میں ملبوس ہے اور جس کا انسان آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یا دیگر حواس کے ذریعے ان کا وجود محسوس کر سکتا ہے۔ وہ سب العالمین کے جامع لفظ میں داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نظام ربوبیت مخلوق کی ہر نوع کو شامل ہے اور کائنات عالم کا ایک ذرہ بھی اس کی ربوبیت سے مستغنی نہیں جس طرح ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ہر چیز کا مربی اور محافظ بھی وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نظامِ ربوبیت

تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ نطفہ سے لے کر طفل تک اور طفل سے لے کر بڑھاپے تک تمام منازل سے انسان کو وہی گزارتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ نہایت اختصار سے اس حقیقت کو بیان فرمایا اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (روم ع۶) اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ناتوانی کی حالت میں پھر ناتوانی کی حالت کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا قوت رکھنے والا ہے) زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (تغابن ع۱) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا اور عمدہ نقشہ بنایا) اور ایک جگہ فرمایا وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (فرقان ع۱) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کو الگ الگ اندازہ پر رکھا۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ؗ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ٥ (زمر ع۶) (اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ عالم کے ذرے ذرے کا خالق اللہ ہی ہے اور اللہ کے سوا کوئی اور خالق نہیں اسی طرح اللہ کی ربوبیت بھی عام ہے اور ساری کائنات اسکے نظام ربوبیت کے تحت داخل ہے چنانچہ اللہ نے اپنی ربوبیت عامہ کا اس طرح اعلان فرمایا:۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا (شعراء ع۲) وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو مخلوقات ان کے درمیان ہے اس کا اور ایک جگہ فرمایا۔ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ (انعام ع۲۰)۔ کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کیلئے تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ انسان اور دیگر حیوانات کیلئے اللہ کس طرح روزی بہم پہنچاتا ہے۔ اس کا ذکر اس طرح فرمایا فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (عبس ع۱) سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی

اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ کے لیے)

مندرجہ بالا آیات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ کا نظام ربوبیت ساری کائنات پر حاوی ہے۔ اور انسان سے لے کر تمام حیوانات۔ نباتات۔ جمادات۔ خدا کی ساری نوری ناری اور خاکی مخلوق۔ علویات اور سفلیات سب کا خالق و مربی و محافظ اور پروردگار وہی ہے۔

ف۵ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ دونوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں اور دونوں میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور دونوں رحم سے مشتق ہیں مفسرین کرام نے دونوں لفظوں کے مفہوم میں مختلف طریقوں سے فرق بیان فرمایا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ رحمان دنیا کے اعتبار سے ہے اور رحیم آخرت کے اعتبار سے یعنی دنیا میں اس کی رحمت مومنوں اور کافروں کے لیے عام ہے۔ دنیا میں دنیوی فوائد سے مومن اور کافر یکساں طور پر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ اس کی صفت رحمان کا اثر ہے اور آخرت میں اس کی رحمت مومنوں کے ساتھ مخصوص ہوگی اور کافر اس سے محروم رہیں گے۔ یہ اس کی صفت رحیم کا اثر ہوگا۔ جاء فی الدعاء یا رحمٰن الدنیا لانہ یعم المؤمن والکافر و رحیم الاٰخرۃ لانہ یخص المؤمن (مدارک ص ۴ ج ۱) حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے دونوں صفتوں میں ایک نہایت لطیف فرق بیان فرمایا کہ رحمان اس موصوف کو کہتے ہیں جو بالفعل رحمت کر رہا ہو اور جس کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہو۔ اور رحیم (صیغہ صفت مشبہ) اس ذات کو کہتے ہیں۔ رحم جس کی صفت لازمہ اور خصوصیت ذاتیہ ہو صفت عارضہ نہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو بالفعل ہر آن میں اپنی ساری مخلوق پر رحم فرما رہا ہے۔ یہ رحم اس کی ذات پاک کو لازم ہے اور اس کی صفت ذاتیہ ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے رحمان کے بعد رحیم کو بھی ذکر کیا گیا۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے بعد الرحمٰن الرحیم کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ نظام ربوبیت کے بعد تمام نظام عالم اللہ تعالےٰ کی صفت رحم کا ظہور ہے گویا یہ تمام کارگاہ عالم اور یہ ساری کائنات صرف اس لیے بنی ہے تاکہ اس سے ہمیں فائدہ پہنچے اور ہماری ضرورتیں پوری ہوں اس مضمون کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (جاثیہ ع ۲) (اور تابع کیا اس نے تمہارے (فائدے) کے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں سارا اپنے حکم سے یقیناً اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)

نہ صرف زمین و آسمان کے درمیانی خلا میں بلکہ زمین کے پیٹ میں بھی اس نے اپنی رحمت و نعمت کے بے شمار خزانے اپنی مخلوق کے لیے مخفی کر رکھے ہیں۔ جو محض اس کی شفقت سے اور مہربانی سے زمین کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں۔ اور اس کی ساری مخلوق ان سے فائدہ اٹھاتی ہے زمین کی سطح پھلوں پھولوں، غلہ، ترکاریوں اور میوؤں سے مالا مال ہے اور پانی کے شفاف اور شیریں چشمے اس کے پیٹ سے ابل کر اس کی سطح پر بہ رہے ہیں۔ اور زمین کی گہرائیاں سونے چاندی اور دیگر قیمتی معدنیات سے پُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔ (سورہ رعد ع ۱) (اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کیے۔ شب کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ بیشک ان (مذکورہ بالا امور) میں سوچنے والوں کے لیے (توحید کے) دلائل موجود ہیں اور زمین میں پاس پاس مختلف خطے اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جن میں سے بعضی تو اوپر جا کر دو تنے ہو جاتی ہیں۔ اور بعضی میں دو تنے نہیں ہوتے۔ سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے۔ اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں ان امور میں بھی، سمجھداروں کے لیے (توحید کے) دلائل ہیں)

خشکی کے علاوہ تری میں بھی اس کی رحمت عامہ کے آثار نمایاں اور ہویدا ہیں مثال کے طور پر سمندروں کی سطح جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے نقل و حرکت اور آمد و رفت کے لیے ایک اعلیٰ شاہراہ کا کام دیتی ہے۔ اور اس کی گہرائی موتیوں اور دیگر مفید اور قیمتی اشیاء سے مالا مال ہے۔ نیز دریاؤں اور سمندروں سے مچھلی کا تازہ بتازہ گوشت حاصل ہوتا ہے۔ جو انسان کے لیے بہترین غذا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (نحل ع ۲) (اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخر بنایا کہ اس میں سے بھی تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے (موتیوں کا) گہنا نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی کو چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں۔ اور تاکہ تم خدا کی (پیدا کی ہوئی) روزی تلاش کرو اور شکر کرو) ان آیتوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے اس جہان کا ذرہ ذرہ پیدا کر کے پورے نظام عالم کو اپنے نظام ربوبیت کے تحت رکھا ہوا ہے اور اس کا نظام ربوبیت اس کے رحم و کرم اور اس کی رحمت و شفقت کے تحت چل رہا ہے۔ پورے نظام عالم کا ایک ذرہ بھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح یہ خشکی اور تری کی ساری نعمتیں عالم جسمانی کی تربیت اور پرورش کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی طرح اس کی رحمت بے پایاں نے عالم روحانی کی ترقی اور نشو و نما کے لیے بھی انتظام فرمایا اور دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے عالم روحانی کی غذا کا بندوبست کیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اپنے آخری پیغام قرآن مجید کی تعلیم کو خصوصیت سے اپنی رحمت کے ساتھ متعلق فرمایا چنانچہ ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء ع ۷) رحمۃً ۔۔ اَرْسَلْنٰکَ کا مفعول لہٗ ہے یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ سارے عالم پر رحم کریں۔ یا رحمۃً مصدر بمعنی صیغہ صفت اَرْسَلْنَا کے فاعل یا کَ ضمیر مفعول یا دونوں سے حال ہے۔ مطلب ظاہر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (الرحمٰن ع ۱) رحمان نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو بولنا سکھایا۔ اس کی ربوبیت اور رحمت کس قدر عام اور حاوی ہے۔ کہ ایک طرف روح اور جسد کا تعلق باقی رکھنے کے لیے بے شمار مادی غذائیں مہیا کیں۔ اور دوسری طرف روح کی نشو و نما کے لیے اعلیٰ درجہ کی روحانی غذائیں مہیا فرمائیں۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۔

ف۶ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ لفظ دین قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات میں پوری شریعت کو دین کہا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (اٰل عمران ع ۹) یعنی جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو پسند کر لیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اکثر جگہوں میں الدین اللہ کی توحید، اس کی خالص عبادت اور پکار کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ سورہ یوسف رکوع ۵ میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ نہیں حکم مگر اللہ کے لیے اس نے حکم دیا ہے کہ مت عبادت کرو اس کے سوا کسی کی یہی ہے دین محکم سورہ زمر رکوع ۱ میں فرمایا اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۔ خبردار اللہ ہی کے لیے ہے خالص عبادت اور پکار۔ اور سورہ حم مومن رکوع ۲ میں فرمایا فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ۔ (سو اللہ کو پکارو خالص کر کے اس کے لیے عبادت کو گو کافروں کے لیے ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جہاں لفظ الدین یوم کا مضاف ہو وہاں اس کے معنی جزا کے ہوتے ہیں جیسا کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

میں ہے۔ یعنی روزِ جزا کا مالک اور اس دن میں تمام تصرفات اور اختیارات کا واحد مختار اور اعمال کی جزا و سزا مقرر کرنے والا اور اعمال پر نیک و بد نتائج مرتب کرنے والا اور اختیار رکھنے والا ہے مذکورہ دعویٰ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی تیسری دلیل ہے۔

روزِ جزا کی اہمیت

اللہ تعالےٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور نظامِ ربوبیت کے تحت ہر چیز کو انسان کی خدمت پر لگا دیا جدھر دیکھو خشکی اور تری پر اس کی رحمت اور نعمت کی چادریں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اس نے روح کی نشوونما کا انتظام بھی فرمایا اور راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم بتلانے کے لیے کتابیں اور رسول بھیجے اور آخر میں اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرما کر نعمتِ اسلام کی تکمیل فرما دی۔ اس سارے نظامِ ربوبیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک ایسا دن ضرور ہونا چاہیئے جس میں اس امر کا فیصلہ ہو سکے کہ کس نے اللہ کی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا اور کس نے ناشکری کی۔ کس نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کیا۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کی اور کس نے اس کی ہدایت کو اور اس کے احکام کو ٹھکرا دیا۔ ایسا دن تو دنیا میں ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ دار العمل ہے اس لیے لامحالہ ایسا دن دنیا کے اختتام پر ہی ہو سکتا ہے اسی دن کا نام یوم الدین ہے اور اسی کو یومِ آخر یا روزِ جزا وغیرہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ دن دنیا کے ختم ہونے پر آئے گا۔ اور اس میں نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس دن میں ہر قسم کے تمام اختیارات صرف اللہ کے قبضہ میں ہوں گے۔ وہاں مجازی طور پر بھی کسی کو کوئی اختیار یا اقتدار حاصل نہیں ہوگا۔

اہلِ کتاب کا تصورِ آخرت

اہلِ کتاب کے علماء سوء، ان کے احبار و رہبان اور ان کے پیروں اور پادریوں کو چونکہ حق چھپانے، غلط بیانی کرنے اور تورات اور انجیل کی آیتوں میں لفظی اور معنوی تحریفیں اور تبدیلیاں کرنے کی عادت پڑ چکی تھی اس لیے انہوں نے اپنے عوام میں بہت سے غلط عقائد پھیلا رکھے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے جا بجا ان کے کرتوتوں کو ظاہر فرمایا ہے۔ تاکہ امتِ محمدیہ اس سے عبرت حاصل کرے چنانچہ ارشاد ہے ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (بقرہ ع ۹) پھر وہ اسے سمجھ لینے کے بعد بدل ڈالتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ پھیر دیتے ہیں وہ کلام کو اس کے مواقع سے۔ اہلِ کتاب کے علماء اور گدی نشینوں کو حق پوشی سے منع فرماتے ہوئے فرمایا يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اٰل عمران ع ۷) کیوں مخلوط کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور کیوں چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔ یہود اور نصاریٰ کے احبار اور رہبان سوء، غیر اللہ کی نذر و نیاز اور کئی دوسرے ذرائع سے حرام مال بھی کھاتے تھے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ع ۶) یہ لوگ غلط باتیں سننے کے عادی ہیں۔ بڑے حرام خور ہیں۔

اہلِ کتاب کے پادریوں اور صوفیوں نے آخرت کے بارے میں ایک نہایت ہی غلط تصور عوام کے ذہن نشین کر رکھا تھا۔ اپنے متعلق تو انہوں نے عوامی ذہن میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اور اللہ کے بیٹے ہیں یعنی جس طرح باپ کی صفات بیٹوں میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کی صفات ہم میں موجود ہیں ۔ پس آخرت میں ہمیں تو کسی قسم کا عذاب ہوگا ہی نہیں وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ع ۳) یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اور عوام کو انہوں نے یقین دلا رکھا تھا کہ جنت ان کے لیے ریزرو ہے ان کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (بقرہ ع ۱۴) انہوں نے کہا کہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہی جو یہودی ہوگا یا نصرانی۔ اور عوام کو انہوں نے یہ بھی باور کرا رکھا تھا کہ اگر ہم کو عذاب ہوا بھی تو صرف چند دنوں کے لیے ہوگا اور ہمیشہ کے لیے ہم عذاب میں نہیں رہیں گے قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۔ (بقرہ ع ۹) انہوں نے کہا کہ ہمیں تو صرف چند دن عذاب آئے گا۔ اہلِ کتاب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام اور ان کے پیر اور پادری حاجت روا، مشکل کشا اور شفیع غالب ہیں اور قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچا لیں گے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (توبہ رکوع ۵) انہوں نے اپنے پادریوں اور پیروں کو اور مسیح بن مریم کو خدا کے سوا رب بنا لیا تھا۔ سورۂ فاتحہ میں جس طرح دوسرے باطل عقیدوں کی تردید کی گئی ہے اسی طرح مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے اہلِ کتاب کے غلط تصورِ آخرت کی تردید فرمائی کہ قیامت کے دن کا مالک تو صرف اللہ تعالےٰ ہے اور اسی کے ہاتھ میں سب کا حساب و کتاب اور عذاب و ثواب ہے۔ اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھ رہے ہو اور ان کو مالک و مختار اور شفیع غالب مان رہے ہو اور جن کے بارے میں تمہارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن وہ خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے قیامت کے دن ان کا کوئی زور نہیں چلے گا اور نہ ہی ان کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا۔ اور نہ ہی وہ کوئی بات منوا سکیں گے۔ کیونکہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے جو مالک و مختار ہو۔ اور قیامت کے دن کا مالک صرف اللہ ہی ہے اور سب کے نیک و بد اعمال کو جاننے والا بھی وہی ہے۔ اس لیے وہی لوگوں کے اعمال کی جزا و سزا کا مالک ہے وہ جس طرح چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی میں قدرت نہیں کہ اعمال کا حساب لے اور ہر ایک کے حسبِ حال اور حسبِ نیت نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا دے۔

یہود و نصاریٰ کے اس غلط تصورِ آخرت کا قرآن مجید میں تفصیلاً بھی رد کیا گیا ہے چنانچہ اہلِ کتاب کے اس باطل عقیدے کے رد میں کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ تبارک تعالےٰ نے فرمایا۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (نساء رکوع ۱۸) یعنی نجات نہ تو تمہاری خواہشات پر موقوف ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر بلکہ مالک الملک کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی بھی برائی کرے گا اسے ضرور اس کا بدلہ ملے گا اور پھر وہاں اللہ کے سوا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائے گا۔ اور ایک جگہ فرمایا بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ جس نے برائی کمائی اور اسے اس کے گناہوں نے گھیر لیا یہ لوگ جہنمی ہیں اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے یہ لوگ جنتی ہیں اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے اس آیت میں لفظ کسب سے اس طرف اشارہ ہے کہ نجات اور عذاب اور ثواب و عقاب کا تعلق عمل سے ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ اعمال تو برے ہوں اور شرک سے ملوث ہوں۔ لیکن کسی پیغمبر، ولی یا بزرگ کی مدد اور سفارش سے نجات مل جائے بلکہ وہاں تو اس اصول پر عمل ہوگا۔ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں لفظ مٰلِكِ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ کا فعل اور اعمال کی جزا و سزا عدل و انصاف کے عین مطابق ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ پھر بھی مجبور نہیں بلکہ وہ مالک ہے اور اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے اس کے سامنے کسی کو چوں چرا کرنے کی جرأت نہیں۔

دنیا و آخرت کا مالک و مختار

دنیا اور آخرت میں مالک و مختار صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (انبیاء ع ۲) ۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے کوئی

باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں اگرچہ اللہ کے سوا کئی مالک مختار ہونے کے مدعی بن گئے اور مشرکین نے بھی اپنے معبودوں کو مالک و مختار سمجھے رکھا۔ مگر آخرت میں مشرکین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ غلطی پر تھے۔ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی مالک و مختار نہیں تھا۔ فرعون اور نمرود جیسے سرکش حکمرانوں کو بھی قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ ان کے سب دعوے غلط تھے اور آج وہ بالکل بے بس اور بے یار و مددگار ہیں۔ ان کے اختیار میں کچھ نہیں اور تمام معاملات صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ (الانفطار ع ۱) اس دن کوئی جان کسی جان کیلئے کوئی اختیار نہیں رکھے گی اور حکم صرف اللہ ہی کا ہوگا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مالک و مختار صرف اللہ ہی ہے۔

۵۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سورۂ فاتحہ میں یہ آیت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں إِيَّاكَ مفعول کو نَعْبُدُ فعل پر مقدم کیا گیا ہے۔ تاکہ حصر کا فائدہ دے اور مطلب یہ ہو کہ عبادت صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ اور اس کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ یا ولی کی عبادت اور پکار نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ وہ سارے خود اللہ کے حکم سے اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں فائدہ حصر کے لیے مفعول کو فعل پر مقدم کیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔ اور اس کے سوا کسی پیر یا پیغمبر سے اور کسی فرشتہ یا ولی سے مافوق الاسباب امور میں مدد نہیں مانگنی چاہیئے۔ امام ابن کثیر بعض بزرگوں سے نقل فرماتے ہیں کہ ساری قرآن کا مرکزی حصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کا مرکزی حصہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ہے وہ کہتے ہیں۔ الفاتحة سر القرآن وسرها هذه الكلمة (اياك نعبد واياك نستعين) (ابن کثیر ص۲۵ ج ۱)

عبادت کا مفہوم

عبادت کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں ایک غایت تذلل یعنی انتہائی عاجزی اور ذلت دوم غایت تعظیم لیکن اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ کہ معبود کو غائبانہ تصرف اور قدرت حاصل ہے۔ جس سے وہ نفع نقصان پر قادر ہے۔ کیونکہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں دو صفتیں موجود ہوں (۱) یہ کہ وہ عالم الغیب ہو کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن، سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو (۲) یہ کہ وہ مالک و مختار، متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لئے استحقاق عبادت و پکار کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنی انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا ہے اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت و پکار کی نفی کی ہے وہاں غیر سے دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے کہیں دونوں صفتوں کی نفی ہے اور کہیں صرف ایک کی۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (قصص ع ۷)

اور تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور پسند کرتا ہے ان لوگوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے اور تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں۔ دنیا و آخرت میں تمام صفات کارسازی کا مستحق وہی ہے۔ اور اسی کی حکومت ہوگی اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

دوسری جگہ فرمایا لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ ۝ وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (طٰہٰ ع ۱) — اسی کی ملک میں ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ھود ع ۱۰) اور آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی غیب کی باتیں ہیں۔ ان سب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اور تمہارا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ ان کے علاوہ آیۃ الکرسی اور دوسری کئی آیتوں میں بھی یہ مضمون وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی ان دونوں صفتوں کا ذکر فرمایا کہ وہ متصرف و مختار ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے تمام معاملات اور سارے کارخانۂ عالم کی تدبیر اور پورا نظام عالم اسی کے زیر اقتدار ہے۔ اور زمین و آسمان کے تمام غیوب کو جاننے والا بھی وہی ہے اور تینوں جگہوں میں دونوں صفتیں بیان کرنے کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ جب عالم الغیب اور متصرف و مختار اللہ ہے تو معبود بننے اور پکارے جانے کے لائق بھی صرف اللہ ہی ہے، تمام صفات کارسازی بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو۔ اسی کو پکارو۔ اسی کے آگے جھکو اور اسی سے مانگو جو کچھ بھی مانگو۔ ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کر کے صاف صاف ان کے رد پر انکار فرمایا کہ تم ایسے بے بس اور بے چارے معبودوں کو پکارتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ تمہارے حالات کو جانتے اور نہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں۔ اور اس خداوند قادر و علام کو چھوڑتے ہو جو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اور تمہارے نفع اور نقصان کا بھی پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (مائدہ ع ۱۰) کہہ دیجئے کیا تم خدا کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہو (ایسوں کو پکارتے ہو) جو نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع پہنچانے کا حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے سننے والا ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر قول اور فعل، دعا اور پکار، ثنا اور تعظیم، رکوع اور سجود، قیام اور قعود وغیرہ۔ جو اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ ہو کہ معبود کو مافوق الاسباب ہمارے تمام معاملات پر غیبی قبضہ اور تسلط حاصل ہے۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے وہ عبادت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے عبادت کی تعریف کو ایک جامع تعبیر سے حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة غيبية يقدر بها على النفع والضر فكل ثناء ودعاء وتعظيم يصاحبه هذا الاعتقاد والشعور فهي عبادة (مدارج السالکین ص۲۵ ج۱) یعنی عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے۔ اس لیے ہر تعریف ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد و شعور کے ساتھ ہو وہ عبادت ہے

ایک شبہ کا جواب

تقریر بالا سے اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا کہ تعظیم و تکریم اور عزت و احترام تو اللہ کے سوا اوروں کا بھی کیا جاتا ہے۔ خدا کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم تو ساری امت پر فرض ہے استاد اور پیر و مرشد کا ادب و احترام بھی لازم ہے۔ اور والدین کی تعظیم و تکریم بھی ضروری اور لابدی امر ہے۔ لہٰذا اگر تعظیم و تکریم اور عجز کا نام عبادت

ہے تو پھر یہ بھی عبادت ہوگی۔ حالانکہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم صرف وہی عبادت ہے جس میں معبود کو مافوق الاسباب غیبی طور پر متصرف اور مختار اور عالم الغیب سمجھا جائے اور اگر معظم و محترم ہستی کو صفات بالا سے متصف نہ مانا جائے تو یہ تعظیم عبادت میں داخل نہیں۔ اس لیے ایسی تعظیم غیر اللہ کی بھی جائز ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تعظیم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ذات باری تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے دوم وہ جو غیر خدا کے لئے بھی جائز ہے۔

تعظیم کی پہلی قسم

پہلے آیات قرآنیہ سے بوضاحت مذکور ہو چکا ہے کہ معبودیت کے لئے دو شرطیں ہیں ایک متصرف و مختار اور قدرت کاملہ کا مالک ہونا دوم زمین و آسمان کی تمام ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں کا عالم ہونا۔ علامہ ابن القیم کی جو عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جسے علم اور تصرف کے اعتبار سے تمام مخلوق پر غیبی تسلّط حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے وہ نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہو۔ لہٰذا تعظیم کا ہر وہ طریقہ خواہ وہ حمد و ثنا ہو یا دعا و پکار، رکوع و سجود ہو یا کچھ اور جو اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ بجالایا جائے کہ معظم و محترم ہستی مافوق الاسباب اختیار و تصرف کی مالک اور عالم الغیب ہے تو ایسی تعظیم عبادت ہوگی اور ذات باری تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہوگی لہٰذا جب یہ عقیدہ ہو کہ فلاں کو مجھ پر ظاہری اسباب کے سوا مافوق الاسباب غیبی تسلّط حاصل ہے۔ اور وہ غائبانہ مجھے نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے اس اعتقاد کے تحت کوئی بھی تعظیم ہاتھ پاؤں سے سرزد ہو یا زبان سے ثنا یا پکار ہو تو وہ اس کی عبادت ہوگی اگر یہ اعتقاد اللہ تعالےٰ کے متعلق ہو تو اس کے تحت کئے گئے تمام افعال تعظیم اللہ تعالےٰ کی عبادت میں داخل ہوں گے اور اگر معاذ اللہ مذکورہ بالا اعتقاد غیر خدا کے لیے ہو مثلاً فرشتہ، جن، پیغمبر، ولی زندہ یا فوت شدہ تو اس اعتقاد کے تحت سجدہ، رکوع، پکار، نذر و نیاز، جھکنا، دو زانو بیٹھنا، قبر پر چادر یا پھول چڑھانا وغیرہ تعظیمی افعال ان کی عبادت ہوگی اور شرک ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے جہاں کہیں خالص عبادت کا حکم دیا ہے اور شرک سے منع فرمایا ہے وہاں یہی مراد ہے کہ مذکورہ بالا اعتقاد و شعور کے ساتھ تمام تعظیمی افعال و اقوال (سجدہ، رکوع، دعا، پکار، نذر، نیاز وغیرہ) صرف اللہ تعالےٰ کے لیے بجالائے جائیں سورہ زمر رکوع اول میں ارشاد ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیبی تسلّط اور مافوق الاسباب اقتدار اعلیٰ کے اعتقاد کے ساتھ ہر قسم کی تعظیم صرف اللہ ہی کی بجالاؤ نہ کہ کسی پیغمبر یا ولی یا فرشتہ کی اور سورہ زمر کے دوسرے رکوع میں فرمایا۔ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ اور ایک آیت کے بعد فرمایا قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۔ مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیں مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں غائبانہ تسلط اور مافوق الاسباب تصرف و قدرت کے تحت تمام تعظیمی افعال و اعمال صرف اللہ ہی کے لیے بجالاؤں اور اے مشرکین تم مذکورہ اعتقاد کے ساتھ یہ تعظیمی افعال اللہ کے سوا جس کیلئے چاہو بجالاؤ۔ ابراہیم و اسماعیل اور ہاہیل (ہبل) علیہم السلام کے لئے یا لات اور دوسرے بزرگوں کے لیے لیکن میں تو ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ جو لوگ مذکورہ بالا تعظیم صرف اللہ کے لیے بجالائیں گے اور غیر اللہ کی ایسی تعظیم سے اجتناب کریں گے جنت اور نعیم آخرت کی خوشخبری بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى (زمر ع ۲) ۔ یعنی جو لوگ طاغوت کی عبادت اور غیبی تسلّط کے اعتقاد کے تحت اس کے لئے تعظیمی افعال و اعمال بجالانے سے اجتناب کریں اور یہ سب کچھ صرف اللہ ہی کے لیے بجالائیں تو خوشخبری ایسے ہی لوگوں کے لئے۔ حاصل یہ ہے کہ غیبی تسلّط اور مافوق الاسباب تصرف و قدرت کے اعتقاد کے تحت جو افعال تعظیمی بجالائے جائیں وہ عبادت میں داخل ہیں اور ایسی تعظیم اللہ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، ولی، پیر و مرشد، استاد اور ماں باپ اور حاکم وقت وغیرہ کے لئے جائز نہیں۔

تعظیم کی دوسری قسم

تعظیم کی دوسری قسم یہ ہے کہ غیبی تسلّط اور مافوق الاسباب قدرت و تصرف کا اعتقاد رکھے بغیر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم، اپنے استاذ، پیر و مرشد اور دوسروں کی تعظیم و تکریم بجالانا، ان کی اطاعت کرنا، ان کے سامنے دو زانو بیٹھنا۔ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا، ان کی خدمت میں تحفے تحائف اور ہدیے پیش کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تعظیم چونکہ عبادت میں داخل نہیں اس لئے یہ اللہ کے سوا قابل احترام ہستیوں کے لئے جائز ہے کیونکہ اس میں وہ اعتقاد نہیں پایا گیا جو عبادت کی روح ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور غیر عبادت میں فارق اور مابہ الامتیاز نیت اور اعتقاد ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ تعظیم کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی بھی نیت سے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہیں مثلاً سجدہ کرنا۔ خدا کے گھر کا طواف کرنا حلف اٹھانا (قسم کھانا) اور نذر و منت دینا وغیرہ یہ امور ایسے ہیں کہ ہر حال میں اللہ ہی کے لئے کرنے جائز ہیں۔ غیر خدا کے لئے بالکل ناجائز ہیں۔ اگر یہ امور غیر خدا کے لئے مذکورہ بالا اعتقاد (غیبی تسلّط اور مافوق الاسباب قدرت) کے ساتھ کئے جائیں تو صریح شرک ہیں اور اگر اس اعتقاد کے بغیر کئے جائیں تو شرک نہیں ہوں گے لیکن اس صورت میں حرام ہوں گے۔ حاصل کلام یہ کہ تعظیم کے وہ افعال و اقوال جو خدا کے ساتھ مخصوص نہ ہوں اور ان کو مذکورہ بالا اعتقاد کے بغیر غیر خدا کے لیے بجالایا جائے تو وہ عبادت میں شمار نہیں ہوں گے اس لئے ایسی تعظیم غیر خدا کے لئے جائز ہے۔

استعانت

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ یہاں بھی مفعول کو فعل پر اس لئے مقدم کیا تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو مطلب یہ کہ جس طرح عبادت صرف اللہ ہی کی ہونی چاہیئے اسی طرح استعانت (مدد طلب کرنا) بھی صرف اسی ہی سے ہونی چاہیئے۔ نہ کسی اور سے۔ استعانت یعنی حاجات و مشکلات میں پکارنا اور مدد مانگنا، چونکہ عبادت کی سب سے بڑی اور اہم شاخ ہے اس لئے عبادت کے بعد خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ہر آدمی جو کسی معبود کی عبادت کرتا ہے۔ دنیوی زندگی کے اعتبار سے اس کی عبادت کا مقصد اور لب لباب یہی ہوتا ہے۔ کہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جائیں اور اس کی تمام مشکلیں آسان ہو جائیں۔ اسی لئے جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا (پکار) عبادت کا مغز اور لب لباب ہے۔ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ — اور ایک روایت میں ہے اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (تفسیر ابن جریر ج ۲۴ ص ۴۶، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸، ترمذی ج ۱ ص ۱۷۳) یعنی پکار ہی اصل عبادت ہے قرآن مجید میں بھی لفظ عبادت بمعنی دعا اور پکار وارد ہوا ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (مومن ع ۶) اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ اس آیت میں پہلے اللہ تعالےٰ نے اپنی پکار کا حکم فرمایا ہے پھر پکار کو لفظ عبادت سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عبادتی سے مراد دعائی ہے یعنی اس آیت میں عبادت سے دعا اور پکار مراد ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲۴ ص ۷۸ و ابن کثیر ج ۴ ص ۸۵) سورۂ زمر اور حوامیم کا مرکزی مقصد ہے۔ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (مومن ع ۷) اور سورۂ فاتحہ میں اسی دعویٰ کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے بیان کیا گیا ہے اس طرح سارے قرآن کا مرکزی مضمون حوامیم میں اور حوامیم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں اور فاتحہ کا لب لباب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں ہے۔

ایک شبہ ہم ہر وقت یہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ہر انسان دوسرے انسان سے مدد مانگتا ہے اور اسے اپنی مدد کے لیے پکارتا اور اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ یہ باہمی مدد و امداد کا سلسلہ اس قدر وسیع اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ایک منٹ بھی نہیں چل سکتا اور اس باہمی امداد کا ثبوت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے جب یہودیوں کی شرارت بھانپ لی اور سمجھ لیا کہ وہ کفر پر اڑ گئے ہیں تو اعلان کیا:۔

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (اٰلِ عمران ع ۵) اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں تو حواریوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار۔ اسی طرح حضرت ذوالقرنین نے بھی ایک قوم سے مدد کی درخواست کی تھی۔ سورۃ کہف رکوع ۱۱ میں ہے فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ۔ یعنی تم لوگ قوت بازو سے میری مدد کرو۔ علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کو امداد باہمی کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (مائدہ ع ۱) اور نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر خدا سے مدد مانگنا جائز ہے آج کل کے اہل بدعت اس قسم کی چیزیں پیش کر کے عوام کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو جی خدا نے ایک دوسرے سے مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بھی اپنے متبعین سے مدد مانگی تھی۔ لہٰذا اولیاء اللہ سے بھی مدد مانگنا جائز ہے۔

اس کا جواب اہل بدعت کے قول سے معلوم ہوا العیاذ باللہ عوام الناس اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں کیونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد مانگی اور ذوالقرنین نے اپنی قوم سے۔ یہ اہل بدعت بھی عجب کشمکش اور مخمصے میں مبتلا ہیں ایک طرف تو دعوی کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام حاجت روا اور مشکلکشا ہیں اور دوسری طرف عوام الناس کو انبیاء اور اولیاء کا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ ربی

یہ تو الزامی جواب تھا۔ اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں جو استعانت اور استمداد اللہ کے ساتھ مختص کی گئی ہے وہ اور ہے اور جو استمداد و استعانت روزمرہ کی زندگی میں ہر آدمی دوسرے سے کرتا ہے یا جو انبیاء علیہم السلام نے اپنے متبعین سے کی وہ اور ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

استعانت کی دو قسمیں استعانت (مدد مانگنے) کی دو قسمیں ہیں، ایک استعانت ماتحت الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے تحت کسی سے مدد مانگی جائے۔ یہ وہ امداد ہے جو تمام انسانوں کو روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے حواریوں سے جو مدد مانگی تھی وہ بھی ماتحت الاسباب تھی جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہود ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو حواریوں سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ہے جو اللہ کے دین کے لیے میری امداد کرے۔ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار۔ یہ سارا معاملہ ماتحت الاسباب تھا حواری حضرت عیسٰے علیہ السلام کے پاس تھے۔ غائب نہیں تھے۔ انہوں نے بالمشافہ حواریوں سے اسباب عادیہ کے تحت امداد طلب کی اسی طرح ذوالقرنین نے بھی یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے دیوار بناتے وقت لوگوں سے جو کہا تھا۔ اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ۔ کہ تم لوگ قوت بازو یعنی کام سے میری مدد کرو یہ مدد بھی ظاہری اسباب کے تحت تھی۔ نہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے حواریوں کو غائبانہ پکارا اور نہ ان سے مافوق الاسباب مدد مانگی اور نہ ہی ذوالقرنین نے اپنی قوم سے ایسا کیا۔ جس طرح ظاہری اسباب کے تحت مدد امداد جائز ہے اسی طرح اسباب عادیہ کے تحت پکار بھی جائز ہے یعنی جو آدمی سامنے موجود ہو اسے پکار کر (یعنی اے فلاں کہکر) کوئی ایسا کام کرنے کا کہا جائے جو اسباب عادیہ کے تحت اس کی قدرت میں ہو مثلاً اسے کہا جائے کہ مجھے پانی پلا دو یا بازار سے سودا سلف لا دو وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے۔ جنگ احد میں وقتی افراتفری کی بنا پر جب کچھ صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے علیحدہ ہو گئے تو آپ نے ان کو واپس بلایا۔ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ (آل عمران ع ۱۶) اور رسول پیچھے سے تم کو بلا رہے تھے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بلانا اور پکارنا اسباب ظاہری کے تحت تھا۔ اور آواز ان کو دی جا رہی تھی جو میدانِ احد میں آپ کی آواز سن رہے تھے۔ یہ پکار ماتحت الاسباب ہے اور اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا۔ ایک جگہ فرمایا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (نور رکوع ۹) یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام سے اور بلند آواز سے پکارتے ہو اس طرح رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارا کرو۔ معلوم ہوا کہ جو استعانت، امداد باہمی اور پکار عادی اسباب کے تحت ہو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کے سوا دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اس قسم کی استعانت کا حصر مقصود نہیں اور نہ ہی اس کی قرآن میں ممانعت ہے۔

استعانت کی دوسری قسم ہے مافوق الاسباب یعنی اسباب عادیہ کے بغیر کسی کو دور و نزدیک سے غائبانہ پکارا جائے اور اس سے استمداد کی جائے یہ پکار اور استعانت اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ یا ولی سے ہرگز جائز نہیں۔ تمام انسانوں بلکہ جانداروں کی مافوق الاسباب مدد اللہ تعالےٰ ہی کرتا ہے۔ اس کی امداد میں قرب و بعد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ استمداد غیر خدا سے شرک ہے۔ اور یہی وہ استمداد و استعانت ہے جس کا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حصر ہے۔ اس موقع پر تفسیروں میں ایک سوال و جواب مذکور ہے کہ انسان ایک دوسرے سے کئی امور میں مدد لیتا ہے۔ پانی مانگتا ہے، روٹی مانگتا ہے۔ اور اس سے کئی ضرورت کی چیزیں طلب کرتا ہے۔ تو پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا حصر کس طرح صحیح ہوا اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انسان ظاہری اسباب کے تحت ایک دوسرے سے جو امداد لیتا ہے۔ وہ ظاہری امداد بھی دراصل اللہ تعالےٰ ہی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ مدد کرنے والے انسان کے جسم و جان کو خدا ہی نے پیدا فرمایا ہے، اسے ہاتھ پاؤں اسی نے دیئے اور ان میں حرکت بھی اسی نے پیدا فرمائی لیکن استعانت اور استمداد کی مذکورہ بالا دو قسمیں (ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب) بیان کرنے کے بعد اس قسم کے سوال و جواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی

ایک مغالطہ بعض اہل بدعت اس موقع پر ایک اور مغالطہ پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو درست ہے کہ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں بلکہ شرک ہے۔ خواہ کسی پیغمبر کی عبادت ہو یا فرشتہ اور ولی کی۔ لیکن انبیاء اور اولیاء کو حاجات و مشکلات میں امداد کے لیے غائبانہ پکارنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں غیر خدا کی دعا سے منع کیا گیا ہے وہاں دعا سے مراد عبادت ہے نہ کہ پکار اور ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ مفسرین نے یَدْعُوْنَ کی تفسیر یَعْبُدُوْنَ سے یَدْعُوْا کی یَعْبُدُ اور اُدْعُوْا کی اُعْبُدُ سے کی ہے۔

جواب غیر خدا کو غائبانہ مافوق الاسباب پکارنا شرک ہے اور اہل بدعت کا استدلال سراسر غلط ہے کیونکہ پہلے بالتفصیل بیان ہو چکا ہے کہ دعا اور پکار کی دو قسمیں ہیں ایک مافوق الاسباب اور دوم ماتحت الاسباب۔ پکار کی پہلی قسم عبادت ہے اور اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسری قسم چونکہ عبادت نہیں اس لیے وہ غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے۔ اور یہی وہ پکار ہے جس سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔

باقی رہا مفسرین کا تَدۡعُوۡنَ کی تفسیر تَعۡبُدُوۡنَ سے کرنا تو اس سے ان کا مقصد دعا کا حاصل معنی بیان کرنا ہے۔ اور یہ مطلب ہے کہ غائبانہ مافوق الاسباب دعا بھی عبادت ہی کا فرد ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ دعا اور پکار عبادت کا سب سے اہم فرد ہے) اور جس طرح عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں اسی طرح یہ دعا اور پکار بھی اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں "مفسرین حاصل معنی بطریق ابہام بیان می کنند مردمانِ ناواقف گمان می کنند کہ لفظی معنی کردہ اند۔ دعا بمعنی مطلق خواندن کسے را منع نیست۔ مراد از خواندن کسے را در غائبانہ حاجات است۔ لہٰذا مفسرین تفسیر بعبادت می کنند" شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا دو قسم ہے ایک غائبانہ حاجات میں یعنی مافوق الاسباب مفسرین کرام یَدۡعُوۡنَ کی یَعۡبُدُوۡنَ سے تفسیر کرکے اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ کہ مافوق الاسباب غائبانہ حاجات میں پکارنا عبادت ہے اس لیے اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے۔ پکار کی دوسری قسم ماتحت الاسباب ہے اور وہ غیر اللہ کے لیے جائز ہے۔ جیساکہ وَالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ اور لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ میں ہے جیساکہ تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔ نیز تمام اہل لغت نے دعا کے معنی خواندن (پکارنا) سے کئے ہیں عبادت سے نہیں کیے اور مفسرین کا کام لغوی معنی بیان کرنا نہیں بلکہ ان کا کام تو مطلب اور تفسیر بیان کرنا ہے۔

۵ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ پہلی آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے اور پھر ہر چیز اور ہر جاندار کو رفتہ رفتہ حد کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ سارے عالم کا نظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی متصرف و مختار ہے اور پھر محاسبۂ اعمال کے دن یعنی قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ جب انسان ان چاروں حقیقتوں کا اعتراف کرلے اور ان پر پختہ ایمان لے آئے تو وہ بلا ساختہ پکار اٹھے گا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یہ در اصل بندوں کا اپنے خدا سے عہد ہے کہ اے اللہ ہم صرف تیری ہی بندگی کریں گے صرف تجھے ہی حاجات و مشکلات میں مدد کے لیے پکاریں گے۔ اس کے بعد اھدنا الصراط المستقیم میں اسی عہد پر استقامت کی دعا مانگی جا رہی ہے مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ سیدھی راہ جو تو نے ہمیں دکھادی ہے یعنی توحید اور صرف تیری عبادت و پکار اور صرف تجھی سے استعانت و استمداد کی راہ اسی پر ہمیں قائم رکھ اور تا دم آخرین ہمیں اس پر چلا۔ الصراط المستقیم کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس سے ایاک نعبد وایاک نستعین والا رستہ مراد ہے۔ اس صورت میں الصراط کا الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا۔ قرآن مجید کی دوسری کئی آیتوں میں صراط مستقیم سے توحید اور اللہ کی خالص عبادت و پکار کی طرف اشارہ ہے۔ ایک جگہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبان سے الصراط المستقیم کا یہ مفہوم بیان فرمایا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ (مریم ع ۲) اور بے شک اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو اور صرف اسے ہی پکارو یہی ہے صراط مستقیم (سیدھی راہ) اور ایک جگہ تمام بنی آدم کو خطاب کرکے فرمایا اَلَمۡ اَعۡھَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ٥ (یٰس ع ۴) اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں اس بات کی تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی مت کرنا اور صرف میری ہی بندگی کرنا یہی ہے صراط مستقیم۔

الصراط المستقیم کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے مطلق راہ حق مراد ہے جو اسلام کے تمام احکام کو شامل ہے۔ مثلاً عبادات، معاملات، اخلاق، معاشیات، سیاسیات احکام برزخ اصول آخرت وغیرہ۔ والمراد بہ طریق الحق وھو ملۃ الاسلام (مدارک جلد ۱ ص۷) سورۃ انعام رکوع ۱۹ میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ وہاں پہلے اللہ تعالےٰ نے شرک سے منع فرمایا پھر والدین سے احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ پھر قتل اولاد قتل نفس محرمہ اور دیگر تمام فواحش سے منع کیا۔ پھر یتیموں کی حق تلفی سے روکا پھر ناپ تول پورا کرنے اور ہر حال میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کا حکم دیا اور آخر میں جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ۔ اور بے شک یہ ہے میرا راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔ سو اس راہ پر چلو۔ یہاں دین کے تمام احکام کو صراط مستقیم فرمایا۔

الصراط المستقیم مرکب توصیفی ہے اور المستقیم اس چیز کو کہتے ہیں جو بالکل سیدھی ہو اور اس میں کسی قسم کی کجی اور پیچ و خم نہ ہو اور الصراط المستقیم (سیدھی راہ) توحید یا پوری ملت اسلام کو اس لئے فرمایا کہ توحید کی راہ بالکل سیدھی ہے جس پر چلنے سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر راہ توحید سے سر مو ہٹ گیا تو سیدھا جہنم میں پہنچے گا۔ اسی طرح ملت اسلام بھی سیدھی اور درمیانی راہ ہے۔ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط جیساکہ یہود نے حضرت عزیر کے بارے میں افراط اور حضرت مسیح علیہما السلام کے بارے میں تفریط سے کام لیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں افراط سے کام لیا اور حضرت خاتم نبوت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تفریط کی اسی طرح باقی احکام شرعیہ میں بھی پہلی امتوں میں افراط و تفریط تھی لیکن شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کی اعتقادی اور عملی افراط و تفریط سے بالکل پاک ہے۔

لفظ ہدایۃ ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ حرف جر اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بواسطہ حرف جر مثلاً یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (یونس ع ۳) اور وَھَدَیۡنٰھُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (انعام ع ۱۰)۔ اور کبھی بلا واسطہ حرف جر مثلاً وَھَدَیۡنٰھُمَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (صافات ع ۴) اور وَیَھۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا (فتح رکوع ۱)۔ لیکن استعمال کی ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں ہدایۃ کے معنی ارائۃ الطریق۔ راہ نمودن یعنی راہ دکھلانے کے ہوں گے۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ایصال الی المطلوب بمنزل رسانیدن یعنی منزل مقصود تک پہنچانے کے ہوں گے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں نَا ضمیر منصوب متکلم مفعول اول ہے اور الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ مفعول ثانی ہے جو بلا واسطہ حرف جر استعمال ہوا ہے۔ اس لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب (منزل مقصود تک پہنچا دینے) کے ہیں۔ یہاں چونکہ منزل مقصود صراط مستقیم ہے اس لیے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) پر چلا اور اس پر قائم رکھ جیساکہ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے "چلا ہم کو راہ سیدھی" اور یہاں یہی معنی موزوں اور مناسب ہیں کیونکہ جب ایک شخص الحمد للہ سے ایاک نستعین تک بیان کردہ تمام باتوں پر ایمان لے آتا ہے اور ان پر عامل ہو جاتا ہے تو صراط مستقیم تو اس نے دیکھ لیا اور سیدھی راہ اسے مل چکی۔ اس لیے اب اھدنا الصراط المستقیم۔ میں وہ سیدھی راہ دیکھنے کی دعا نہیں کر رہا بلکہ وہ یہ التجا کر رہا ہے کہ اے اللہ جو سیدھی راہ تو نے مجھے دکھادی ہے۔ اب اس پر مجھے قائم رکھ و معناہ ادم ھدایتنا (قرطبی ص۱۴۸ ج ۱)

ہدایۃ کی دو قسمیں ہیں ایک فطری دوسری کسبی۔ فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے۔ اور اللہ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کی جاتی ہے جیساکہ ارشاد ہے وَاَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (طٰہٰ ع ۲)۔ اور اس نے ہر چیز کو صورت عطا کی اور پھر اس کی راہنمائی فرمائی اور ایک جگہ فرمایا۔ وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَھَدٰی (الاعلیٰ) وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور راہنمائی فرمائی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتے ہیں

آخر انھیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے اور اسے حاصل کرنے کا مقام اور طریقہ یہ ہے یہ راہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم کسبی ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے پھر اس کے چار درجے ہیں۔ (۱) انابت یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا اور ضد وعناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش و جستجو کرنا۔ ہدایت صرف انھی لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاش حق کا جذبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (رعد ع ۴) اور دوسری جگہ فرمایا۔ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (شوریٰ ع ۱) یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف ان لوگوں کو دیتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع اور انابت کرتے ہیں۔

(۲) ہدایت۔ یعنی سیدھی راہ پانا یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

(۳) استقامت۔ ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ ہے جب ایک آدمی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے صراط مستقیم مل جاتا ہے تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے اور اس پر قائم ہو جاتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا (حم سجدہ ع ۴) اس میں دوسرے اور تیسرے درجہ کا بیان ہے قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ میں ہدایت آگئی اور ثُمَّ اسْتَقَامُوا میں استقامت۔

(۴) ربط القلب۔ راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا سب سے اونچا اور بلند مقام ہے۔ جب مؤمن کو ایمان و یقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان و یقین کو متزلزل کر سکتی ہے یہ درجہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اصحاب کہف کو یہ درجہ حاصل تھا چنانچہ ارشاد ہے إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا الآیۃ (کہف ع ۲) وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی کر دی اور ان کے دل مضبوط کر دیئے اس آیت میں تین درجات کا ذکر ہے۔ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ میں ہدایت فَزِدْنَاهُمْ هُدًى میں استقامت اور وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ربط القلب کا ذکر ہے۔ ہدایت کا یہ درجہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ (حجرات رکوع ۱) لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو نفرت دے دی اِهْدِنَا

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سورۂ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝١ الرَّحْمَٰنِ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا بیحد مہربان

الرَّحِيمِ ۝٢ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝٣ إِيَّاكَ

نہایت رحم والا ہے مالک روز جزا کا تیری ہی

نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝٤ اهْدِنَا

ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِينَ

راہ سیدھی راہ ان لوگوں کی

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا

وَلَا الضَّالِّينَ ۝٦ ع

اور نہ وہ گمراہ ہوئے

میں ہدایت کے آخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے یعنی استقامت اور ربط القلب۔ کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے حاصل ہو چکی ہے۔ ہدایت کی طرح ضلالت کے بھی چار درجے ہیں۔ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ۹ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سے بدل الکل ہے اور بدل کا فائدہ یہ ہے کہ صراط مستقیم کی تفسیر اور تعیین ہو جائے یعنی صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر وہ لوگ قائم ہیں جو الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداق ہیں اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء، اور صالحین مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ ——— (بقیہ برصفحہ)

موضح قرآن ف جن پر تو نے فضل کیا ان سے چار فرقے مراد ہیں نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ اور جن پر غصہ ہوا ان سے یہود اور گمراہوں سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ سورۃ اللہ صاحب نے بندوں کی زبان کر فرمائی کہ اس طرح کہا کریں ۱۲

فتح الرحمٰن ف ۱ مترجم گوید یعنی عالم انس و عالم جن و عالم ملائکہ و علیٰ ہذا القیاس واللہ اعلم ۱۲ ف ۲ مترجم گوید مراد آنانکہ انعام کردہ شد برآنہا چہار فرقہ اند۔ نبیین و صدیقین و شہداء و صالحین و آنہا کہ خشم گرفتہ شد برآنہا یہود اند و گمراہاں نصاریٰ۔ آمین قبول کن دعا و ما ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ لہ اس سورت کا نام مشہور تو یہی ہے "بَقَرَۃٌ" کے معنی گائے کے ہیں چونکہ اس سورت کے آٹھویں رکوع میں گائے سے متعلق ایک قصہ بیان ہوا ہے اس لئے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ البقرۃ (یعنی وہ سورت جس میں گائے کا ذکر ہے) رکھا گیا۔

فضیلت ۔ صحیح حدیثوں میں سورہ بقرہ کی بہت کچھ فضیلت ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے۔ اِن لکل شیٔ سناماً و ان سنام القراٰن سورۃ البقرۃ (مستدرک ص۲۵۹ ج۱ جامع ترمذی ج۲ ص۱۱۴ وانظر تفسیر ابن کثیر ص۳۴ ج۱) یعنی ہر چیز کا ایک اعلیٰ حصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا اعلیٰ و برتر حصہ سورۂ بقرہ ہے۔ قرآن مجید کی سورتیں کلام اللہ ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں البتہ مضامین کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت ہے۔ سورۂ بقرہ میں چونکہ تمام بنیادی عقائد توحید رسالت کتب آخرت وغیرہ مرکزی اعمال (جہاد انفاق انماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ) اور بعض اہم معاملات (نکاح، طلاق، عدت، قصاص، وصیت، رہن، قرض، سود وغیرہ) تفصیل سے مذکور ہیں۔ بلکہ وہ تمام مضامین جو پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں وہ تفصیلاً یا اجمالاً سارے کے سارے اس سورت میں آگئے ہیں۔ اسی مناسبت سے بعض روایتوں میں اس سورت کا نام "فسطاط القرآن" بھی آیا ہے۔ فسطاط کے معنے خیمہ کے ہیں جس طرح خیمہ نیچے بیٹھنے والوں پر حاوی ہوتا ہے اسی طرح یہ سورت بھی قرآن مجید کے تمام مضامین پر حاوی ہے اس لئے اسے اس لحاظ سے باقی سورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے اقرؤا سورۃ البقرۃ فان اخذھا برکۃ وترکھا حسرۃ ولا یستطیعھا البطلۃ (صحیح مسلم ص۲۷۰ ج۱ ومسند احمد ص) یعنی سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا باعث برکت اور اس کا ترک موجبِ حسرت و ندامت ہے مگر باطل پرست لوگ اس پر عمل نہیں کرسکیں گے۔

ربط سورۂ بقرہ کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ کئی طرح سے ربط ہے ۱۱ اور بطور اسی۔ یہ ربط حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص افادات میں سے ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ یہود گائے کی پرستش اور اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سامری نے جب سونے کا بچھڑا بنا کر ان کے سامنے لا رکھا تو سب اس کے سامنے جھک گئے اور اسے پوجنے لگے۔ یہود کے علاوہ خود مشرکین عرب بھی گاؤ پرستی میں مبتلا اور اس کے تقدس کے قائل تھے۔ جب کبھی بارش نہ ہوتی تو وہ گائے کی دم کے ساتھ گھاس پھونس باندھ کر اور اسے آگ لگا کر چھوڑ دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب آگ سے گائے کی دم جلے گی تو وہ چیخ و پکار کرے گی اور اس کی چیخ و پکار اور بے چینی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا ایک سمجھدار اور سلیم الفطرت شاعر الورل الطائی ایسے ضعیف الاعتقاد مشرکین کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

لا درّ دَرُّ رجالٍ خاب سعیھمُ
یستمطرون لدی الازمات بالعُشَرِ

(ترجمہ) ان لوگوں کا عمل بے نتیجہ ٹھہرا جن کی کوشش ناکام ہوئی اور جو خشک حال میں عُشَر (ایک پودا) کے ذریعہ بارش طلب کرتے ہیں (لسان العرب ص۱۳۰ ج۲۰)

اجاعل انت بیقوراً مسلّعۃً
ذریعۃً لک بین اللّٰہ والمطرِ

(ترجمہ) کیا تو اللہ اور بارش کے درمیان اس گائے کو وسیلہ بناتا ہے جس کی دم سے سلع (ایک پودا) کی ٹہنیاں بندھی ہوئی ہیں (مشکل القرآن ابن قتیبہ ص)

(حاشیہ) لہ تنبیہ: تین جماعتوں کا ذکر علی سبیل لف و نشر مرتب ۱۲ سب سے پہلی جماعت منعم علیہم کا ذکر ہے

(الجزء ۱)

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَتَانِ وَّسِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعُوْنَ رُکُوْعًا

سورۂ بقرہ مدنی ہے اور اس میں دو سو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

(معانقۃ ۱)

الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ ھُدًی
لہ یہ کتاب بلا شبہ سراپا ہدایت ہے

لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ
ڈر والوں کے لئے سہ جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا سہ اور

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ
قائم رکھتے ہیں نماز کو سہ اور جو ہم نے دیا ان کو

یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اس میں سے خرچ کرتے ہیں سہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل

اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ
ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو

ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ ۚ
وہ یقینی جانتے ہیں سہ وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے

اور اس وقت کے عیسائی آل عمران کے بعض بزرگوں کی الوہیت کے قائل تھے اور انہیں الٰہ مختار سمجھ کر حاجات و مشکلات میں پکارتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم صدیقہ کو کے متعلق عیسائیوں کے جو خود ساختہ اعتقاد تھے وہ قرآن مجید میں جا بجا تفصیل سے مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف اور سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کی طرف ہے ان دونوں سورتوں میں زیادہ تر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ ہے۔ اس زمانہ میں جس طرح حقوق اللہ کو نہایت بے باکی سے پامال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حقوق العباد کو بھی نہایت بیدردی سے ضائع کیا جاتا تھا خصوصاً عورتوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور غیر منصفانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اور ان کی فطری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی خوب حق تلفی کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے بعد سورۂ نساء میں عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے حسن معاشرت کی تلقین فرمائی تاکہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کریں اور اللہ کے خوان نعمت سے دنیا اور عقبیٰ

موضح القرآن لہ یہ پہلی سورت ہے مدینے میں نازل ہوئی مگر ایک آیت وہ باتفاق حجۃ الوداع کے دن منا میں اتری اس سورت پہلی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب مالک بن ضیف یہودی مرسو یہ کہ دل میں شک آ اتنا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ کتاب نہیں ہے جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس شک کو رفع کرکے مومنوں کی مدح اور کافروں کی مذمت میں آیتیں بھیجیں۔

ہیں بہرہ مند ہوسکیں۔ اب ان سورتوں میں اسمی ربط بطریق ذیل ہوگا۔ اللّٰھم ایاک نعبد وایاک نستعین (فاتحہ) ولا نعبد ولا نستعین البقرۃ کما فعل الیھود والمشرکون (بقرۃ) ولا نعبد ولا نستعین اٰل عمران کما فعل النصاریٰ (اٰل عمران) ونؤدی حقوق النسآء رغبۃ ونؤتی صدقاتھن نحلۃ (نسآء) فانزل علینا مائدۃ انعامک وافضالک فی الدنیا والاٰخرۃ (مائدۃ) اے اللہ ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور تیرے سوا کسی کی بندگی اور پرستش نہیں کرتے جس طرح یہود اور مشرکین عرب گئے کی اور نصاریٰ آل عمران کے بزرگوں کی عبادت اور پرستش کرتے تھے۔ ہم عورتوں کے حقوق بہ رضا و رغبت ادا کریں گے پس اے اللہ دنیا و آخرت میں اپنے فضل و احسان اور انعام و اکرام سے سرفراز فرما۔

یہ اسمی ربط سورۂ مائدہ تک ہے۔ اس کے بعد کا اسمی ربط سورۂ انعام کے شروع میں مذکور ہوگا۔

دوسرا ربط سورۂ فاتحہ میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے ہدایت کی درخواست کی گئی ہے اب سورۂ بقرہ کی ابتداء میں اس کی منظوری آگئی کہ یہ کتاب سرچشمۂ ہدایت ہے اور سیدھی راہ دکھاتی ہے اور پھر سورت میں ہدایت کا جامع اور مکمل پروگرام بیان فرمایا ہے۔

تیسرا ربط سورۂ فاتحہ میں تین جماعتوں کا ذکر تھا (۱) منعم علیھم جن پر اللہ کا انعام ہوا (۲) مغضوب علیھم جن پر اللہ کا غضب ہوا (۳) الضالین گمراہ لوگ۔ منعم علیھم سے مومنین مراد ہیں جن کے چار طبقے ہیں۔ باقی دونوں گروہ غیر مومنین کے ہیں ان کے بھی چار طبقے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بالتفصیل گذر چکا ہے۔ مغضوب علیھم سے وہ لوگ مراد ہیں جو فساد باطن کے ساتھ ساتھ فساد عمل میں بھی مبتلا ہیں یعنی نہ ان کے عقائد صحیح ہیں اور نہ اعمال درست ــــ یہ کافروں کا گروہ ہے اور الضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف فساد باطن کا شکار ہیں اور ان کے عقائد میں کفر و شرک کی وہی گندگی موجود ہے۔ البتہ ان کے کچھ ظاہری اعمال مسلمانوں کے سے ہیں۔ یہ گروہ منافقوں کا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ان تینوں جماعتوں کا ذکر اجمالی تھا اب سورۂ بقرہ کی ابتداء میں لف و نشر مرتب کے طور پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا اور ساتھ ہی ان کے کچھ اوصاف اور ان کی جزاء و سزا کا بیان بھی آگیا ہے۔ قال الامام الرازی ویحتمل ان یقال المغضوب علیھم ھم الکفار والضالون ھم المنافقون وذلک لانہ تعالٰی بدأ بذکر المؤمنین والثناء علیھم فی خمس اٰیات من اول سورۃ البقرۃ ثم اتبعہ بذکر الکفار وھو قولہ ان الذین کفروا ثم اتبعہ بذکر المنافقین وھو قولہ ومن الناس من یقول اٰمنا فکذا ھنا بدأ بذکر المؤمنین وھو قولہ انعمت علیھم ثم اتبعہ بذکر الکفار وھو قولہ غیر المغضوب علیھم ثم اتبعہ بذکر المنافقین وھو قولہ ولا الضالین (تفسیر کبیر ص۲۰۰ ج ۱)

چوتھا ربط سورۂ فاتحہ میں بندوں سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے ذریعے اللہ کی توحید کا اقرار لیا گیا ہے اور عبادت و استعانت کے اللہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اسی دعویٔ توحید کو مختلف مقاصد کے پیش نظر تین جگہ ذکر کرکے ہر جگہ اسے دلیل عقلی سے واضح اور ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع ۳ کی ابتداء میں یَاۤ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ سے دعویٰ پیش کیا اور پھر اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ سے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا تک دلیل عقلی پیش کی۔ دوسری دفعہ رکوع ۱۹ میں وَاِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ سے دعویٰ پیش کیا اور اس کے بعد اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے یَعْقِلُوْنَ تک دلیل عقلی بیان کی۔ تیسری بار رکوع ۳۴ میں اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ سے دعویٰ پیش کیا اور اس کے ساتھ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سے الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ تک عقلی دلیل پیش کی۔ دعویٰ توحید کو تین بار ذکر کرنے کا مقصد جدا گانہ ہے۔ پہلے موقع پر شرک فی الدعاء کی نفی مقصود ہے یعنی اللہ کے سوا غائبانہ دعاء اور پکار سننے والا اور کوئی نہیں۔ دوسرے مقام پر نذر و نیاز اور منت میں شرک کی نفی مقصود ہے۔ اور تیسری جگہ شفاعت قہری کی تردید مقصود ہے۔

خلاصۂ مضامین توحید، رسالت، جہاد فی سبیل اللہ، انفاق فی سبیل اللہ، امور انتظامیہ اور امور مصلحہ ــــــــ سورۂ بقرہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں یہودی کافی تعداد میں آباد تھے۔ اس لئے اس سورت میں یہود کی اصلاح کا پہلو بہت نمایاں ہے کیونکہ یہودیوں میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور بڑے بڑے عالم اور پیر موجود تھے ان کی اصلاح سے پوری قوم کی اصلاح ہوسکتی تھی تمام انبیائے سابقین علیھم السلام اور تمام کتب سابقہ کی تعلیم و تبلیغ کا ماحصل اور ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ توحید باری تعالیٰ تھا۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود و مستعان، مالک و مختار، نافع و ضار، نذر و منت کا مستحق اور حاکم و کارساز سمجھنا ــــ سورۂ بقرہ کا مرکزی مضمون یہی دعوت توحید ہے۔ باقی تمام مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اور اسی کے متممات اور لوازمات ہیں۔ اس سورت میں چار جگہ دعویٰ توحید کو عقلی دلائل اور عالمگیر حقائق و مسلمات سے مدلل اور واضح کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تیسرے رکوع کی ابتداء میں یَاۤ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ سے تمام بنی آدم کو توحید کی عام دعوت دی گئی اس کے بعد الذی خلقکم الخ سے تسلیم شدہ حقائق اور روزمرہ کے مشاہدات کے ذریعے اس کی وضاحت کردی گئی۔ اس کے بعد انیسویں رکوع کے آخر میں وَاِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ سے دعوت توحید کا اعادہ کیا گیا۔ اور ساتھ ہی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اسے آفاقی مشاہدات اور عقلی اور سائنٹیفک دلائل سے مدلل کیا گیا۔ آگے چل کر چونتیسویں رکوع میں اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ میں پھر دعویٰ توحید کا اعادہ کیا گیا اور اس کے ساتھ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ تا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ سے عقلی دلیل بیان کردی گئی۔ ان تینوں جگہوں میں دعویٰ توحید اور دلیل عقلی دونوں ساتھ ساتھ مذکور ہیں۔ چوتھی جگہ یعنی سورت کے آخری رکوع میں لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ تا وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں دعوائے توحید پر دلیل عقلی پیش کرکے اسے اور زیادہ واضح اور مدلل کیا گیا ہے۔ دعوت توحید کے بار بار ذکر سے توحید کا ہر پہلو سے اثبات اور شرک کی ہر پہلو سے نفی مقصود تھی۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تین قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ (۱) وہ انبیاء علیھم السلام، ملائکہ کرام اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور با اختیار سمجھ کر پکارتے اور حاجات و مشکلات میں ان سے استعانت کرتے تھے (۲) وہ اپنے مفروضہ معبودوں کو راضی رکھنے کے لئے ان کے نام کی نذریں، منتیں، نیازیں اور چڑھاوے دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی یادگاریں قائم کی ہوئی تھیں اور ان کے نام کے استھان بنائے ہوئے تھے اور وہاں بصورت غلہ، نقدی یا جانور وغیرہ ان کے نام کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اس طرح ہمارے معبود ہم سے خوش ہوجائیں گے اور ہمارے مال اور اولاد میں برکت دیں گے۔ یا اللہ سے برکت دلائیں گے۔ (۳) وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنا کر پیش کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بزرگان دین جن کی ہم عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب اور پیارے ہیں کہ اللہ ان کی بات رد نہیں کرتا اور وہ جو مطالبہ کریں اللہ کو ماننا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں دعوائے توحید کا تین دفعہ ذکر فرما کر شرک کی تینوں اقسام کی نفی فرمادی۔ پہلے موقع پر شرک فی الدعاء یعنی پکار اور دعاء میں شرک کی نفی کی، دوسرے موقع پر نذر و نیاز میں شرک کی۔ اور تیسرے موقع پر شفاعت قہری کی نفی فرمائی۔

مرکزی مضمون اور باقی ذیلی مضامین کے اعتبار سے اس سورت کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ابتدائے سورت سے شروع ہوکر بائیسویں رکوع میں وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ پر ختم ہوتا ہے۔ اور دوسرا حصہ اسی رکوع میں یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی سے لے کر سورت کے آخر تک چلا گیا ہے۔ پہلے حصے میں دو اعتقادی مسئلے بیان کئے گئے ہیں یعنی توحید اور رسالت اور دوسرے حصے میں بھی دو ہی مسئلوں کا بیان ہے مگر ان کا تعلق عمل سے ہے یعنی جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ اور ساتھ ساتھ امور انتظامیہ اور امور مصلحہ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ حصۂ اول میں ابتدائے سورت سے لیکر پندرھویں رکوع میں وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ تک توحید کا مضمون بیان ہوا ہے۔ شروع کے دو رکوعوں میں بطور تمہید تین جماعتوں کا تذکرہ ہے جو دعوائے توحید کو ماننے اور نہ ماننے سے پیدا ہوئیں۔ پھر یَاۤ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ سے دعوائے توحید اور اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ تا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ دلیل عقلی اور کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ تا اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ دلیل عقلی کا تتمہ بیان کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نظام عالم کا مالک و مدبر اور کارساز اور ہر شے جاننے والا

صرف اللہ ہی ہے اس لئے اپنی حاجات میں صرف اسے ہی پکارو۔ اس کے بعد توحید سے متعلق مشرکین کے دو شبہے ذکر کرکے ان کا جواب دیا ہے۔ مشرکین کا پہلا شبہہ یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی پوجا اور پرستش اور انہیں پکارنے سے روکتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے ایسا ہی حکم دیا ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی پرستش سے منع کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا محمد جو کچھ کہتا ہے اپنی طرف سے کہتا ہے اور (عیاذاً باللہ) خدا پر افترا کرتا ہے جیسا کہ سورہ یونس ع ۴ میں ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ تو اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ الخ سے اس کا جواب دیا۔ مشرکین کا دوسرا شبہہ یہ تھا کہ ہم کس طرح محمد کا دعویٰ مان لیں اور اس کلام کو کس طرح خدا کا کلام سمجھ لیں حالانکہ اس میں اللہ کے نیک بندوں کے پکارنے کو بالکل حقیر چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت ع ۴ میں ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ کلام اللہ کا کلام ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ الخ سے اس کا جواب دیا کہ مثال ممثل لہ کی وضاحت کیلئے ہوتی ہے اور مکڑی کی مثال سے مسئلہ توحید کو واضح کیا گیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اعتراضات کی وجہ سے مثالیں بیان کرنا چھوڑ نہیں دیگا۔

مشرکین انبیاء و اولیاء کے علاوہ فرشتوں اور جنوں کو بھی پکارتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ (سبا ع ۵) اس لئے اس کے بعد چوتھے رکوع میں وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ سے نوریوں، ناریوں اور خاکیوں کا ایک مسلم اصل واقعہ بیان کرکے ثابت کیا کہ فرشتوں کو تو آدم خاکی کی فطری خوبیوں کا پتہ بھی نہ چل سکا اس لئے نہ وہ عالم الغیب ہیں اور نہ حاضر و ناظر لہٰذا وہ حاجات میں پکارے جانے کے لائق نہیں اور ابلیس اور اس کی ذریت کو بنی آدم کے ساتھ شروع ہی سے عداوت و دشمنی ہے اس لئے وہ کس طرح تمہارے حمایتی اور پکارے جانے کے لائق ہو سکتے ہیں جیسا کہ سورہ کہف ع ۷ میں ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام تو جنت ہی میں بھول گئے تھے اور معبود اس عیب سے پاک ہوتا ہے اس لئے وہ بھی دعا و پکار کے لائق نہیں ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں یہودی قوم آباد تھی۔ ان میں بڑے بڑے عالم، پیر اور نواب موجود تھے اس لئے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ میں دعوائے توحید کو عمومی طور پر بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع سے روئے سخن یہود کی طرف موڑ دیا ہے کہ اے عالمو، پیرو اور نوابو مسئلہ توحید کو مان لو۔ اگر تم نے نہ مانا تو تمہاری وجہ سے تمہارے معتقدین اور تمہاری رعایا بھی نہیں مانے گی۔ اور ان کا وبال بھی تم پر پڑیگا۔ اس مسئلے کو ماننے سے اگر تمہیں دنیوی ریاست اور نذر و نیاز کی آمدنیاں چھوڑنی پڑیں تو صبر کرو اگر مان لوگے اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے کی طرح اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور اگر نہ مانا تو عذاب میں مبتلا کئے جاؤگے اس کو اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ تا وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ سے بیان فرمایا۔ پھر چھٹے رکوع سے گیارھویں رکوع کے آخر تک قوم یہود کی تذکیر و تفہیم کیلئے ان کے مختلف حالات و معاملات بیان کئے ہیں جن کی پانچ انواع ہیں۔ نوع اول میں وہ نعمتیں اور نقمتیں بیان کی گئی ہیں جو ان کے آباؤ اجداد پر ہوئیں تا کہ موجودہ بنی اسرائیل میں امید و خوف کا جذبہ پیدا ہو اور وہ دعویٰ توحید کو مان لیں۔ نوع ثانی میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے آباء و اجداد خدا کی نافرمانی کیا کرتے تھے اور اس کے حکموں میں حجت بازی کرتے تھے۔ نوع ثالث میں بیان کیا گیا کہ موجودہ بنی اسرائیل بھی اپنے باپ دادا کی طرح خدا کے احکام کو ٹھکرا رہے ہیں اور اس کی نافرمانی کررہے ہیں۔ نوع رابع میں کہا گیا کہ موجودہ بنی اسرائیل کے آباء و اجداد نے صرف انبیاء علیہم السلام کی تکذیب پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ جب انہوں نے مسئلہ توحید بیان کیا تو یہ لوگ انہیں قتل کرنے سے بھی نہ چوکے۔ نوع خامس میں بیان کیا گیا ہے کہ گذشتہ بنی اسرائیل نے سابقہ انبیاء کی تکذیب کی اور انہیں قتل کیا لیکن موجود بنی اسرائیل آخری نبی کی تکذیب کررہے ہیں اور اس کے لائے ہوئے دعویٰ توحید کو ٹھکرا رہے ہیں۔ اس کے بعد یہود کے ایک قول نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ کی پانچ طرح سے تردید کی گئی ہے اور آخر میں قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اس تفصیلی وعظ و تذکیر سے بھی اگر یہودی ہدایت پر نہ آئیں اور مسئلہ توحید کو نہ مانیں اور اس ضد پر اڑے رہیں کہ جنت میں وہی جائیں گے اور کوئی نہیں جائیگا تو انہیں مباہلہ کا چیلنج دیا جائے کہ اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو میدانِ مباہلہ میں نکلیں۔ جب یہودی مباہلہ کیلئے تیار نہ ہوئے تب انہوں نے توحید پر شبہات وارد کرنے شروع کردیئے اور غیر اللہ کو پکار کو جائز ثابت کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ پہلا شبہ ان کا یہ تھا کہ دعوائے توحید جو يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ میں مذکور ہے اس کا لانے والا جبرائیل فرشتہ ہے۔ اور وہ اور میکائیل دونوں قدیم سے ہمارے دشمن ہیں اور ہمیشہ ہماری مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ دعوائے توحید بھی محض ہماری مخالفت کیلئے ہے اس لئے ہم اسے کبھی نہیں مانیں گے۔ دوسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ ہمارے ورد و وظیفے جو حضرت سلیمان علیہ السلام سے منقول ہو کر ہم تک پہنچے ہیں ان میں غیر اللہ کی پکار موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے اور اسی پر ان کی حکومت کا مدار تھا۔ ان کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے جن کو اللہ نے جادو سکھانے کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اور جادو میں غیر اللہ ہی کو پکارا جاتا ہے۔ تو جب خود اللہ نے غیر اللہ کی پکار کی تعلیم کیلئے فرشتوں کو بھیجا تو پھر یہ کیوں ناجائز ہے تو اللہ تعالیٰ نے رکوع ۱۲ میں قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ الخ سے شبۂ اولیٰ کا جواب اور لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ تا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا سے شبۂ ثانیہ کا جواب اور وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ سے شبۂ ثالثہ کا جواب دیا۔

جب یہود کے شبہات کا تسلی بخش رد کر دیا گیا اور اب انہیں انکار دعویٰ کی کوئی وجہ نظر نہ آئی تو اب انہوں نے یہ سازش کی کہ مسلمانوں میں مل جل کر رہیں اور خفیہ طور پر ان میں موہم شرک الفاظ داخل کریں تاکہ آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر مسلمان پھر سے شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود کی اس سازش سے آگاہ فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کو "راعنا" کہنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ لفظ یہودیوں نے اپنی خفیہ سازش کے تحت مسلمانوں میں رائج کیا تھا تاکہ ان کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہو جائے کہ خدا کا پیغمبر بھی نگہبان ہے اور اس طرح وہ پھر شرک کی دلدل میں پھنس جائیں کیونکہ راعنا، راعاة سے ہے جس کے معنی نگہبانی کرنے کے ہیں اور راعنا کے معنی ہوں گے نگہبانی کر تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم دیدیا۔ آخر میں فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا سے یہ فرمایا کہ اہل کتاب ضد و عناد اور بغض و حسد میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ وہ کبھی مانیں گے نہیں۔ اس لئے جب تک اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم نہیں آتا۔ اس وقت تک صبر و تحمل اور درگذر سے کام لو۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کی پانچ معاندانہ باتوں کا شکوہ کرکے ان کا جواب دیا ہے۔ پہلا شکوہ۔ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ان کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائیگا تو اللہ تعالیٰ نے قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ سے اس کا جواب دیا۔ دوسرا شکوہ: یہودی کہتے تھے عیسائیوں کا دین باطل ہے اور عیسائی کہتے یہودیوں کا دین باطل ہے كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ (ع ۱۳) سے اس کا جواب دیا۔ تیسرا شکوہ مشرکین اللہ کے گھر میں خدا کی توحید بیان کرنے اور خالص اسے ہی پکارنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ مقام حدیبیہ میں مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ الخ سے اس کا جواب دیا ہے۔ چوتھا شکوہ۔ یہودی کہتے حضرت عزیر خدا کا بیٹا اور اس کا نائب ہے، عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور مشرکین فرشتوں کو خدا کی اولاد بتاتے اور انہیں کارسازی میں اللہ کے نائب سمجھتے تھے۔ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ سے اس کا جواب دیا۔ پانچواں شکوہ۔ مشرکین کہتے تھے کہ اللہ ہم سے کیوں ہمکلام نہیں ہوتا۔ اگر وہ براہ راست ہم سے باتیں کرے تو ہم مان لیں گے كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے اس کا جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ مشرکین اور اہل کتاب ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ آپ ان تک دعوت توحید پہنچا دیں باقی منوانا آپ کا کام نہیں اور اگر آپ یہ چاہیں کہ یہود و نصاریٰ آپ سے خوش ہو جائیں تو وہ تو صرف اس شرط پر آپ سے خوش ہوں گے کہ آپ ان کا دین قبول کرلیں اور ان کی خواہشات کی پیروی کریں۔ اس کے بعد وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ میں بطور زجر فرمایا کہ اللہ کی طرف سے علم اور وحی آجانے کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کرلی تو پھر آپ کو بھی خدا سے بچانے والا کوئی نہیں۔

ابتدا سورت میں دعویٰ توحید کو اَلَّذِيْ خَلَقَكُمْ سے عقلی دلیل لاکر ثابت کیا گیا تھا۔ اب یہود کے حالات بیان کرنے کے بعد اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے دعویٰ توحید پر نقلی دلیل پیش کی گئی ہے کہ یہود میں جو

علما ربانیین ہیں وہ اس دعویٰ کو ملتے ہیں۔ اس کے بعد یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا (رکوع ۱۵) سے بنی اسرائیل کو دوبارہ یاددہانی کرا کر توحید کی بحث کو ختم کر دیا ہے۔ آگے رسالت کی بحث ہے۔

اس کے بعد پندرھویں رکوع میں وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ سے بائیسویں رکوع میں وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ تک رسالت کا بیان ہے پہلے بطور تمہید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جنہیں مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ اپنا روحانی و جسمانی باپ سمجھتے تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بڑے پایہ کے پیغمبر تھے، جو ہر آزمائش میں پورے اترے اور جنہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ انہوں نے ہی اللہ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مکہ میں ایک رسول بھیجنا۔ اب وہ رسول آگیا ہے اور اس رسول نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو تمام پیغمبر کہتے چلے آئے ہیں اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کرینگے اور صرف اسے ہی پکارینگے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے تین غلط پروپیگنڈو کا جواب بھی دیا ہے۔ پہلا پروپیگنڈہ ان کا یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت وصیت کر گئے ہیں کہ وفات کے بعد ان کو پکارا کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اَمْ كُنْتُمْ شُھَدَآءَ سے اس کا رد فرمایا۔ دوسرا پروپیگنڈہ وہ یہ کرتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبر یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے اس لئے ان کا دعویٰ تھا کہ ہدایت صرف یہودیت اور نصرانیت ہی میں منحصر ہے۔ اور اس طرح وہ لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰھٖمَ حَنِيْفًا اور قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ سے اس کا جواب دیا۔ تیسرا پروپیگنڈا ان کا یہ تھا ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں اس لئے ہم پر کچھ مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور ہم ان کے طفیل جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ سے تاکیداً دو دفعہ ان کے اس نظریے کی تردید فرمائی۔

اس کے بعد مشرکین عرب اور یہود کی طرف سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دو شبہات وارد کئے جاتے تھے ان کا جواب دیا ہے۔ پہلا شبہہ یہ تھا کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ صدیوں سے بیت المقدس چلا آرہا ہے اور یہ پیغمبر ۱۶½ ماہ اسکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہا لیکن اب اس نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ انبیاء بنی اسرائیل کا مخالف ہے یا اس پر اصل قبلہ مشتبہ ہوگیا ہے اور وہ حیران و سرگردان ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کے جواب میں تحویل قبلہ کی چار علتیں بیان فرمائی ہیں۔ دو اجمالی اور دو تفصیلی۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الخ سے پہلی اجمالی علت بیان کی کہ تمام سمتیں اللہ کی ہیں وہ جس طرف چاہے منہ کرنے کا حکم دے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے دوسری اجمالی علت بیان فرمائی کہ علماء یہود اور اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ آخری پیغمبر کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا اگرچہ اب کتمان حق کر رہے ہیں اور وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ سے پہلی تفصیلی علت بیان فرمائی کہ تحویل قبلہ سے مخلص اور غیر مخلص کا امتحان مقصود ہے اور لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ میں دوسری تفصیلی علت بیان فرمائی کہ تحویل قبلہ کا حکم تورات و انجیل میں مذکور ہے۔ اگر تحویل کا حکم نہ آتا تو اہل کتاب کو ایک عذر ہاتھ آجاتا اس کے بعد مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بجا لائیں جس نے ان کو آخری اور ذو قبلتین اور دو قبلوں والے پیغمبر کی امت ہونے کا شرف بخشا ہے۔ دوسرا شبہ ان کا یہ تھا بلکہ بعض نو مسلموں کے دل میں بھی یہ خیال گذرا کہ صفا و مروہ پر تو آج تک بتوں کی پوجا ہوتی رہی ہے اب یہاں حج کے موقع پر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ یہ جگہ اس قابل نہیں ہے تو اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (رکوع ۱۹) سے اس کا جواب دیا کہ صفا و مروہ تو اللہ کے دین کی یادگاروں میں سے ہیں اور اب بتوں سے پاک ہو چکی ہیں اس لئے اب وہاں بے کھٹکے اللہ کی عبادت کرو۔ دونوں شبہات کے درمیان یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ سے مسلمانوں کو صبر و استقلال کی تلقین فرمائی۔ ممکن ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد اہل کتاب و مشرکین سے مخالفت بڑھ جائے اور تمہیں ان کی طرف سے مالی و جانی نقصان برداشت کرنا پڑے اس لئے تم صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا۔ ازالہ شبہات کے بعد اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ سے وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ تک علمائے اہل کتاب کو زجر فرمایا جو حق کو چھپاتے تھے یا اس کا انکار کرتے تھے۔ آگے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سے اس دعویٰ توحید کا ذکر فرمایا جس کے کتمان و انکار پر اہل کتاب کو زجر کیا گیا پھر دعویٰ کو دلیل عقلی سے ثابت کرنے کے بعد وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ تک ان لوگوں کے لئے تخویف اخروی ہے جو دعویٰ توحید کو نہیں مانتے اور محبت و بندگی کا جو تعلق انہیں خدا سے رکھنا چاہیئے وہ ایسا تعلق غیر اللہ سے قائم کئے ہوئے ہیں اس کے بعد تمثیلاً اس تعلق کا مختصر بیان ہے جس میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ اول تحریمات عباد یا تحریمات غیر اللہ یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا سے اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (رکوع ۲۱) تک اس کا بیان کہ یہ بحیرے اور سائبے وغیرہ جو تم نے اپنی طرف سے حرام کر رکھے ہیں، یہ حرام نہیں ہیں بلکہ حلال و طیب ہیں۔ انہیں کھاؤ اور اپنی طرف سے کسی حلال چیز کو حرام مت ٹھہراؤ۔ دوئم نذور غیر اللہ اس کا ذکر اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ سے کیا کہ جو چیزیں غیر اللہ کی خوشنودی کیلئے ان کے نام پر بطور نذر و نیاز دیتے ہو یہ حرام ہیں اور اس کے ساتھ تین اور محرمات کا ذکر بھی فرمایا۔ آگے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ سے شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ تک ان لوگوں کے لئے زجر اور تخویف اخروی ہے جو حق بات بیان نہیں کرتے۔ اور غیر اللہ کی نذر و منت اور دیگر باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔

تحویل قبلہ کے بعد یہود و نصاریٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ تیز تر کر دیا اور ہر ایک نے نیکی اور عمل صالح کو اپنے ہی قبلے کی پیروی میں منحصر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا سے اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ تک اس کا جواب دیا کہ اصل نیکی مخصوص سمتوں کی پابندی نہیں ہے بلکہ اصل نیکی تو خالص ایمان اور عمل صالح ہے۔ جو شخص ایمان لائے، شرک سے بچے اور نیک اعمال بجا لائے اصل میں نیک اور متقی تو وہ ہے یہاں تک حصہ اول ختم ہوا۔ آگے حصہ دوم شروع ہوتا ہے جس میں جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ صرف وہی قوم کر سکتی ہے۔ جو آپس میں منظم ہو اور جس کا اندرونی نظم و نسق درست ہو۔ اس لئے جہاد کے ساتھ ساتھ امور انتظامیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں اسلامی طرز عمل کی وضاحت کی گئی ہے اور امور انتظامیہ کے بارے میں اسلامی احکام کی پابندی صحیح طور پر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ انسان کے باطن کی اصلاح ہو جائے اور اس کی طبیعت میں صلاح و تقویٰ کی خوبیاں پیدا ہو جائیں اس لئے امور انتظامیہ کے دوش بدوش امور مصلحہ کا ذکر کیا گیا ہے اور امور انتظامیہ کا ذکر تین جگہ آیا ہے۔ پہلے یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ سے حکم قصاص اور كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ سے حکم وصیت اور پھر رکوع ۲۳ میں وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ سے ناحق مال غیر کھانے، رشوت اور ناجائز مقدمہ بازی سے ممانعت فرمائی۔ اس کے بعد آگے چل کر پھر امور انتظامیہ کا بیان فرمایا۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً (رکوع ۲۸) سے قسم کے احکام اور لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ سے ایلاء کے اور وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ سے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (رکوع ۳۱) تک نکاح و طلاق، عدت و رجعت، رضاعت اور بیوی سے حسن معاشرت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور پھر رکوع ۳۹ میں اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ سے ادھار پر خرید و فروخت، باہمی لین دین اور شہادت وغیرہ کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان امور انتظامیہ کے درمیان تین امور مصلحہ بیان کئے گئے ہیں۔ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ سے روزہ، اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (رکوع ۲۴) سے حج اور حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ (رکوع ۳۱) سے نماز کا حکم دیا ہے۔

تین امور انتظامیہ اور ایک امر مصلح کے بعد وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (رکوع ۲۴) سے جہاد کا حکم نازل فرمایا اور ساتھ ہی وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ انفاق کے بغیر کبھی جہاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ (رکوع ۲۵) سے اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (رکوع ۲۶) تک مختلف طریقوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اس کے بعد

[illegible]

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ سے انفاق کا بیان دہرایا ہے اور پھر کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ سے جہاد کا حکم دیا ہے اس کے بعد رکوع ۲۷ میں اشہر الحرم میں قتال کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا ہے کہ ان عزت والے مہینوں میں قتال واقعی بڑا گناہ ہے لیکن لوگوں کو توحید سے اور مسجد حرام میں اللہ کی خالص عبادت سے روکنا اور کفر و شرک پھیلانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اس لئے بڑے گناہ اور فساد کو روکنے کے لئے ان مہینوں میں قتال جائز ہے چونکہ اشہر الحرم میں قتال کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جواز کی اور ایک عدم جواز کی۔ اس لئے اسی مناسبت سے پانچ ذوجہتین مسائل اس کے بعد اور بیان فرمائے ہیں (۱) شراب اور جوا (۲) انفاق (۳) یتیم کا خرچ اپنے ساتھ رکھنا (۴) نکاح اہل شرک (۵) حائضہ بیوی سے مجامعت پھر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا میں اسرائیلیوں کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو موت سے بھاگے تھے لیکن پھر بھی موت سے نہ بچ سکے اس کے بعد قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے دوبارہ جہاد کا حکم دیا اور مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ سے انفاق کی ترغیب دی۔ اس کے بعد اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ سے ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ تک بھی جہاد کی ترغیب ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والی اور اس کی توحید قائم کرنے والی چھوٹی سی جماعت بھی بڑی جماعت پر غالب آسکتی ہے اس کے بعد يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا سے انفاق کا حکم ہے اور پھر اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ تک دعویٰ توحید سے دلیل عقلی کو دہرایا ہے جس کی خاطر جہاد اور انفاق مشروع کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد دو قاعدے بیان فرمائے ہیں۔ **پہلا قاعدہ** ایمان والوں کے دلوں میں اگر شبہات پیدا ہو جائیں تو اللہ ان کے شبہات دور کر کے توحید کا راستہ ان کے لئے واضح کر دیتا ہے اس کا بیان اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (رکوع ۳۴) میں ہے۔ **دوسرا قاعدہ**۔ جو لوگ عناداً حق چھپائیں شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے اور انہیں اس حد تک گمراہ کر دیتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا سے فِيْهَا خٰلِدُوْنَ تک اس کا ذکر ہے اس کے بعد ان دو قاعدوں پر لف و نشر غیر مرتب کے طور پر تین قصے متفرع فرمائے ہیں۔ نمرود کی سرکشی اور حضرت ابراہیمؑ سے اس کا مناظرہ۔ یہ دوسرے قاعدہ پر متفرع ہے اور اس کے بعد حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے دونوں واقعے پہلے قاعدہ پر متفرع ہیں۔ یہاں تک تو جہاد کا بیان زیادہ تھا۔ اور انفاق کا کم۔ اب آگے انفاق کے اکثر پہلوؤں کا تفصیلی بیان ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ (رکوع ۳۶) سے وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (رکوع ۳۸) تک انفاق کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں مختلف طریقوں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ خرچ کرنے میں ریاکاری اور دکھلاوے سے بچنے اور محض خدا کی رضاجوئی کیلئے خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ صدقات و خیرات کے مستحق کون لوگ ہیں، خیرات کس طرح دینی چاہیئے، اللہ کی راہ میں کیسا مال خرچ کرنا چاہیئے، اور اس کے علاوہ بہت سے احکام متعلقہ انفاق بیان کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی سود کی حرمت اور سود خواروں کیلئے دنیوی و اخروی تخویفیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد رکوع ۴۰ کی ابتدا میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے دعوٰی توحید کے اثبات میں چوتھی عقلی دلیل بیان فرمائی ہے۔ جب پوری سورت میں دعوٰی توحید کو مختلف عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کر دیا گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی پکارے جانے کے لائق نہیں اور اللہ کے سوا کوئی نذر و نیاز اور منت کا مستحق نہیں اور نہ ہی اس کے مقابلہ میں کوئی شفیع غالب ہے تو آخر میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ سے اعلان کر دیا کہ خدا کا رسول اور تمام مومنین نظریۂ توحید کو کما حقہٗ مان چکے ہیں۔ لہٰذا اب انہیں صرف اللہ ہی کو پکارنا چاہیئے۔ اسی ہی کے سامنے آہ و زاری کرنی چاہیئے اور اسی ہی سے اپنی امیدیں وابستہ کر کے دعا و التجا کرنی چاہیئے۔ اس لئے سورت کے اختتام پر اللہ سے دعا مانگنے اور اسے پکارنے کا طریقہ تعلیم کیا گیا ہے۔

مختصر خلاصہ

سورۂ بقرہ کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ اس کے دو حصے ہیں حصہ اول ابتداء سورت سے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (رکوع ۲۲) تک ہے اور دوسرا حصہ وہاں سے سورت کے آخر تک۔ حصہ اول میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں۔ توحید اور رسالت۔ ابتدائے سورت سے وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (ع ۱۵) تک توحید اور وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ سے حصہ اول کے آخر تک رسالت کا بیان ہے۔ گویا کہ پہلا حصہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تشریح ہے۔ دوسرے حصہ میں مسلمانوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کے طریقے، اور اندرونی نظام کو درست کرنے کے لئے امور انتظامیہ بیان فرما کر مشرکین کے مقابلہ میں انہیں جہاد اور انفاق کا حکم دیا گیا ہے گویا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی خاطر مشرکین سے جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے

سُورت کی روح دینی اور دنیوی لحاظ سے منظم ہو کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی خاطر مشرکین سے جہاد کرو۔

حصّہ اوّل

(۱) تمہید (۲) توحید اور اس کے متعلقات (۳) رسالت اور اس کے متعلقات

تمہید: تمہید میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ جس ہدایت کی تمہیں طلب ہے وہ تمہیں کہاں سے ملے گی۔ دوم اس ہدایت کے رد و قبول کے اعتبار سے لوگوں کی مختلف جماعتوں کا ذکر۔ قدیم سے قدرت کا یہ قانون ہے کہ جب کوئی داعی حق دعوتِ دین پیش کرتا ہے تو لوگ دو حصوں میں بٹ جایا کرتے ہیں۔ کچھ ماننے والے اور کچھ نہ ماننے والے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (نمل ع ۴) اس کے بعد اگر اہل حق کو دنیوی اقتدار بھی حاصل ہو جائے تو ماننے والوں میں ایک خوشامدیوں کا گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو ظاہر میں دوست مگر باطن میں خطرناک دشمن ہوتا ہے۔ اسی طرح دعوتِ توحید کے آخری علمبردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے دین حق کی دعوت پیش کی تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت زیدؓ اور دوسرے جان نثاروں نے آگے بڑھ کر آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ دوسری طرف ابولہب، ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور ولید وغیرہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ پہلی جماعت آپ کی صداقت اور آپ کے لائے ہوئے دین کی حقانیت پر دل و جان سے ظاہراً و باطناً ایمان رکھتی تھی۔ یہ مومنین کی جماعت کہلائی۔ دوسری جماعت سِرًّا و علانیۃً آپ کی نبوت اور صداقت کی منکر تھی یہ کفار کی جماعت کہلائی۔ ہجرت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مادی قوت اور دنیوی اقتدار سے بھی سرفراز فرما دیا تو اب کافروں میں ایک اور گروہ پیدا ہو گیا۔ یہ لوگ مادی فوائد اور دنیوی مصالح کی خاطر دورنگی چال چلنے لگے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے اور اسلام کے ظاہری احکام بجا لاتے مگر باطن میں دوسرے کافروں کی طرح کفر و شرک اور انکار و عناد کی نجاستوں سے ملوث اور آلودہ تھے۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی معیت میں کوئی دنیوی نفع دیکھتے تو ان کے ساتھ ہو لیتے اور ان سے کہتے ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو (سورہ فتح ع ۲) اور جب سمجھتے کہ ان کی سنگت موت اور ہلاکت کے مرادف ہے تو کہنے لگتے ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ کہ ہمیں پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہنے دو (سورہ توبہ ع ۱۱) اور لنگڑے بہانے بنانے لگتے اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ کہ جی ہمارے گھر اکیلے ہیں۔ (سورہ احزاب ع ۲)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں دعوت توحید پیش کرنے سے پہلے ان تینوں جماعتوں کا ذکر کر دیا ہے اور ساتھ ہی ان کے اوصاف اور ان کا انجام بھی بیان فرما دیا ہے تاکہ دعوت توحید کو قبول کرنے اور اسے رد کرنے کے نتائج و عواقب سامنے آجائیں اور انسان رد و قبول کے سلسلے میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔

امرِ اوّل

جس ہدایت کے تم طالب و متلاشی ہو وہ تمہیں خدا کی کتاب میں ملے گی ۔ الٓمّٓ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں جو قرآن مجید کی انیس سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں ، مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ان سورتوں کی ابتداء میں ذکر کرنے کی حکمتیں ، ان کے ظاہری معانی اور ان کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں ۔ مفسرین کرام نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے ان حروفِ مقطعات کے حقیقی معانی اور مرادات الٰہی تو نہیں کہا جاسکتا زیادہ سے زیادہ نہیں فوائد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ۔ یہ حروف بے معنیٰ اور مہمل نہیں ہیں ان سے مراد خداوندی متعین ضرور ہیں لیکن اس کا بھید اللہ کے سوا کسی کو نہیں ۔ ہذا علم مستور و سر محجوب استأثر اللہ تبارک وتعالیٰ بہ (تفسیر کبیر ص۲۲ ج ۱ ، روح المعانی بمعناہ ص۲ ج ۳) خلفائے راشدین اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے ۔ اسی طرح عامر شعبی ، سفیان ثوری ، ربیع بن خثیم ، ابن حبان اور ابوبکر انباری رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں (قرطبی ص۱۵۴ ج ۱ ، ابو کثیر ص۳۶ ج ۱ ، بیضاوی ص۶) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ۔ لکل کتاب سرّ و سرّ القرآن اوائل السور (روح المعانی ص۱ ج ۱ تفسیر کبیر ص۲۲ ج ۱) یعنی ہر کتاب کا ایک بھید ہوتا ہے اور قرآن کا بھید سورتوں کے ابتدائی حصے یعنی حروف مقطعات ہیں ۔ امام شعبی فرماتے ہیں ۔ سرّ اللہ تعالیٰ فلا تطلبوہ (روح المعانی ص۱ ج ۱ ، تفسیر کبیر ص۲۲ ج ۱) یعنی یہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ کا بھید ہیں ان کے پیچھے مت پڑو ۔

سورتوں کی ابتداء میں ان حروف کے ذکر کرنے میں جو حکمتیں مفسرین کرام نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اعمالِ شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک وہ جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ میں آسکے ، جیسے نماز ، روزہ ، اور زکوٰۃ ۔ یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ نماز میں قیام اور رکوع و سجود وغیرہ کے ذریعے اپنے مالک اور آقا کے سامنے انتہائی عاجزی اور بے چارگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے ۔ روزہ سے شہوات نفسانیہ کو کمزور کرکے روحانی پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے ۔ بھوک کے تجربہ سے غریبوں اور بھوکوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعے ضرورت سے زائد دولت سوسائٹی کے معذور اور محتاج طبقہ میں تقسیم کرکے ان کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے ۔ دوسری قسم ان اعمال کی ہے جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ سے بالا تر ہے مگر ہم ایسے اعمال بجا لانے کے مکلف ہیں جیسا کہ افعالِ حج ہیں ۔ مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) طواف میں رمل کرنا (کندھوں کو ہلا کر چلنا ، اور جمرات پر سنگریزے پھینکنا ۔ کمالِ انقیاد اور تسلیم اسی کا نام ہے کہ احکم الحاکمین کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے خواہ اس کی علت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ۔ بلکہ اطاعت کرنے کے لئے علت دریافت کرنا بے ادبی میں داخل ہے ۔

اعمالِ شرعیہ کی طرح اقوال کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جن کا مفہوم ہماری سمجھ میں آسکتا ہے ۔ ایسے اقوال کے پڑھنے ، ان کے معانی میں غور و فکر کرنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور کچھ اقوال ایسے ہیں جن کا مفہوم ہماری عقل و فہم سے ماوراء ہے مگر ہمیں ان کے حق ماننے اور پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے (تفسیر کبیر بتفصیل ص۲۳ ج ۱) سورۂ آل عمران کی اس آیت کا یہی مطلب ہے ۔ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ (ترجمہ) وہ ایسا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو محکم ہیں (یعنی ان کا مطلب واضح اور ظاہر ہے) یہی آیتیں (اس) کتاب کا اصلی مدار ہیں ۔ اور اس میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کی مراد مشتبہ ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ دین میں شورش ڈھونڈنے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کی غرض سے اسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس کی مراد مشتبہ ہے حالانکہ اس کا مطلب بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا ۔ جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر اجمالاً یقین رکھتے ہیں اکہ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں ۔ اور نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں ۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ قرآن مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں ۔ ایک "محکمات" یعنی وہ جن کا مطلب معلوم اور مراد متعین ہے ۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے مطابق عمل کرنا واجب ہے ۔ دوسری "متشابہات" یعنی وہ جن کی مراد مشتبہ ہے ، اور اللہ کے سوا ان کی صحیح مراد کسی کو معلوم نہیں ۔ علمائے ربانیین کا متشابہات کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔ متشابہات کی دو قسمیں ہیں قسم اول حروفِ مقطعات جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں جیسے ۔ الٓمّٓ ۔ الٓرٰ ۔ الٓمّٓرٰ ۔ طٰهٰ ۔ حٰمٓ وغیرہ (ابن کثیر ص۳۶ ج ۱ ، روح المعانی ص۸۲ ج ۳ ، خازن و معالم ص۲۲ ج ۱ ص۲۶۹ ج ۱ ، قرطبی ص۱۵۴ ج ۱) ۔ اور قسم دوم وہ الفاظ ہیں جن کے ظاہری اور لغوی معانی تو معلوم ہوں لیکن ان کی اصل مراد سوا اللہ کے کسی کو معلوم نہ ہو جیسے اللہ کی طرف يَدٌ (ہاتھ) وَجْهٌ (چہرہ) وغیرہ کی اضافت جیسے اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورہ بقرہ رکوع ۱۴) اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (سورۂ فتح رکوع ۱) ذٰلِكَ اس آیت کریمہ میں ترکیب نحوی کی کئی صورتیں ہیں ۔ (۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مبتدا اور لَا رَيْبَ فِيْهِ جملہ اس کی خبر ہو ۔ (۲) ذٰلِكَ مبتدا ہو اور الکتٰب اس کی پہلی خبر اور لَا رَيْبَ فِيْهِ خبر بعد خبر ہو یا علیحدہ جملہ ہو ۔ اس صورت میں الْكِتٰبُ کا الف لام حقیقت کیلئے ہوگا ۔ اور ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کا مطلب یہ ہوگا کہ کامل اور صحیح معنوں میں کتاب یہی (قرآن) ہے ۔ (روح المعانی ص۱۰۴ ج ۱) یا الکتاب کا الف لام عہد کیلئے ہوگا ۔ اور اس سے اشارہ اس کتاب کی طرف ہوگا جس کے نزول کی بشارت تورات و انجیل کے ذریعے یہود و نصاریٰ کو مل چکی تھی اور وہ جانتے تھے کہ بنی اسماعیل میں آخری نبی پیدا ہوگا ۔ اور اس پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوگی (روح المعانی ص۱۰۴ ج ۱) مگر اس صورت میں لَا رَيْبَ فِيْهِ کو علیحدہ جملہ قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا ۔ اور ترجمہ یوں ہوگا بے شک یہ وہی کتاب ہے یعنی جس کی بشارت انبیائے سابقین دے چکے ہیں ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ای الکتٰب الذی اخبر الانبیاء المتقدمون بان اللہ تعالیٰ سینزلہ علی النبی المبعوث من ولد اسماعیل (تفسیر کبیر ص۲۳ ج ۱)

ترکیب نمبر ۱ و ۲ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ جملہ پہلے مبتدا کی خبر بعد خبر ہوگا یا یہ علیحدہ جملہ ہوگا ۔ اور اس کا مبتدا ھُوَ محذوف ہوگا ۔ ان دونوں ترکیبوں کی صورت میں لَا رَيْبَ فِيْهِ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب کے اللہ کی طرف سے ہونے میں اور اس کے مضامین کی صحت اور واقعیت میں کوئی شک و شبہ نہیں ۔ یہاں نفسِ قرآن میں شک کی نفی مقصود ہے ۔ یہ مطلب نہیں کہ اس میں کسی فرد بشر کو شک نہیں کیونکر کسی آدمی کا قرآنی مضامین کی صحت یا اس کے من عند اللہ ہونے میں شک کرنا اس کے اپنے قصور فہم کا نتیجہ ہے ۔ یہ ریب اس کے اپنے فہم میں ہے نہ کہ قرآن میں ۔ اس لئے یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب فی نفسہٖ ہر قسم کے شک و ریب سے پاک ہے ۔ اسکے دلائل واضح اور براہین قاہرہ نے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی (قرطبی ص۱۵۹ ج ۱ ، مدارک ص۸ ج ۱ ، کبیر ص۲۳ ج ۱)

(۳) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مبتدا ، لَا رَيْبَ فِيْهِ جملہ معترضہ برائے تاکید هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ خبر ۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں ہوگا ۔ بے شک یہ کتاب ڈر والوں کے لئے سراپا ہدایت ہے ۔ اس ترکیب کی صورت میں ریب کے متعلق کوئی اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ ہی کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہے ۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اسی ترکیب کو ترجیح دیا کرتے تھے

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی کئی دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن) بلاتخصیص تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے ۔ چنانچہ ارشاد باری ہے ۔ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۳) مگر اس آیت میں قرآن کے ہدایت ہونے کو متقی لوگوں کے ساتھ مخصوص کردیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن تاقیامت تمام بنی آدم کے لئے ہدایت ہے ۔ مگر چونکہ اس کی ہدایت سے فائدہ صرف وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو ۔ اس لئے یہاں صرف متقین کا ہی ذکر کیا گیا ہے (تفسیر کبیر ص۲۷ جلد ۱ ، روح المعانی ص۱۱۰ جلد ۱) یا متقین سے مراد المنیبین الی اللہ الذین یتقون العند ویجتنبون العناد ۔ یعنی جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ اور راہِ حق کے طالب ہیں ، جب وہ ضد و عناد کو بالائے طاق رکھ کر نظر انصاف سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان پر یہ کتاب یقیناً ہدایت کی راہیں کھول دیگی اور ان کے دلوں کو مزید نورِ ہدایت سے

روشن ومنور کردے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ (سورہ مؤمن رکوع ۲) وَيَهْدِیْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (شوریٰ ۲) مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (سورہ ق رکوع ۳) وَيَهْدِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد رکوع ۴) قالہ الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ

امرِ دوم

یعنی ہدایت کو قبول کرنے اور اس کو رد کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسموں کا بیان

پہلی جماعت یعنی وہ لوگ جو ظاہر و باطن میں مسلمان ہیں۔ ان کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں **۱ہ** متقین کی پہلی صفت یومنون ایمان سے ماخوذ ہے اور ایمان کے معنی دل سے ماننے اور تصدیق کرنے کے ہیں (قرطبی ص۱۶۲ ج ۱) اور غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حس وعقل کی رسائی اور دسترس سے ماوراء ہو۔ ما لایقع تحت الشعور ولا تقتضیہ بداھۃ العقل (روح المعانی ص۱۱۵ ج ۱) **وھو قول جمہور المفسرین** ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ (تفسیر کبیر ص۲۵ ج ۱) اور یہاں **غیب** سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل وحس سے ناممکن ہے اور ان کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہے وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع واخبار ہی سے معلوم ہے۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ، فرشتے، کتب سماویہ، انبیائے متقدمین علیہم السلام، احوالِ برزخ، علاماتِ قیامت، حشر ونشر، صراط ومیزان، جنت ودوزخ وغیرہ۔ کل ما اخبر بہ الرسول علیہ السلام مما لا تھتدی الیہ العقول من اشراط الساعۃ وعذاب القبر والحشر والنشر والصراط والمیزان والجنۃ والنار الخ (قرطبی ص۱۶۳ ج ۱) انہ ما اخبر بہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث جبریل علیہ السلام وھو اللہ تعالیٰ وملائکتہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ الخ (روح المعانی ص۱۱۵ ج ۱، ابن کثیر ص۴۲ ج ۱، قرطبی ص۱۶۳ ج ۱، ابن جریر ص۷۶ ج ۱) تو آیت کا ماحصل یہ ہوا کہ وہ لوگ ان تمام امور کو جو ان کی عقل وفہم اور حس وادراک سے باہر ہیں، **محض پیغمبر علیہ السلام کی اطلاع پر** سچا مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ عالم غیب کی تمام اشیاء اور ان سے متعلق احوال وکوائف مثلاً عالم برزخ اور مابعد الحشر کی تفصیلات وکوائف کو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق ہی مانا جائیگا ظن وتخمین اور عالم شہادت پر قیاس کے ذریعے عالم غیب کی کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی۔ عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں مثلاً عذابِ قبر، حشر ونشر وغیرہ ان کا انکار کفر اور جو امور دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں مثلاً زندوں کے بعض اعمال سے مُردوں کا منتفع ہونا مثلاً ایصالِ ثواب) امت کے صلوٰۃ وسلام کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچنا، اور عالم برزخ میں ارواح کا اجساد مثالیہ میں متمثل ہو کر عبادات اور دیگر افعال بجالانا وغیرہ ان کا انکار بدعت ہے اور وہ امور جن کی بنیاد محض ضعیف اور بالکل کمزور روایتوں پر ہو ان کے انکار سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ایسے امور کے رد وقبول میں قرآنی ارشادات اور صحیح روایتوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ مُردوں کا سُننا امت کے اعمال کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہونا وغیرہ ایسے ہی امور ہیں۔ ان امور کی پوری تحقیق اپنی اپنی جگہ آئے گی۔ **۵ہ** متقی لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں۔ نماز قائم رکھنے سے اس کو اس کے تمام فرائض وواجبات، سنن ومستحبات اور حقوق وآداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔ یاتون بھا بحقوقھا (تفسیر جلالین ص۳) عن ابن عباس اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیھا فیھا وقال قتادۃ اقامۃ الصلوٰۃ المحافظۃ علی مواقیتھا ووضوءھا ورکوعھا وسجودھا (ابن کثیر ص۴۲ ج ۱) اقامتھا عبارۃ عن تعدیل ارکانھا وحفظھا من ان یقع خلل فی فرائضھا وسننھا وآدابھا، (تفسیر کبیر ص۲۵ ج ۱) ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی حقیقت، ظاہری صورت تو یہ ہے کہ شرعی طریقہ کے مطابق نمازی کا بدن، اس کے کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو۔ اور نماز کو اس کے تمام ظاہری ارکان وآداب کی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے ادا کیا جائے اور نماز کی باطنی صورت یہ ہے کہ نماز کو فریضۂ خداوندی سمجھ کر محض رضائے مولیٰ کی خاطر پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے اور نماز کے دوران نمازی کو اپنے دل کی توجہ کا مرکز بنایا جائے۔ خیالاتِ فاسدہ اور وساوس شیطانیہ سے دل کو خالی اور پاک رکھا جائے۔ لہٰذا نماز کو ان تمام ظاہری اور باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرنے کا نام اقامتِ صلوٰۃ ہے اور یہی متقین کی دوسری صفت ہے۔ اس صفت میں جس قدر کمال یا نقص ہوگا اسی قدر ان کے انعام میں فرق پڑ جائے گا۔ **۶ہ** یہ متقین کی تیسری صفت ہے بعض مفسرین نے اس آیت سے "زکوٰۃ" مُراد لی ہے مگر اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ آیت اپنے عموم پر ہی محمول ہے اور تمام حقوق مالیہ کی ادائیگی کو شامل ہے خواہ وہ واجب ہوں یا غیر واجب، مثلاً زکوٰۃ، نفلی صدقہ، قربانی، اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ وغیرہ۔ والاولی لتاویلات بالآیۃ واحقھا بصفۃ القوم ان یکون کانوا لجمیع اللازم فی اموالھم مؤدین زکوٰۃ کان ذلک او نفقۃ من لزمتہ نفقتہ من اھل وعیال وغیرھم ممن تجب علیھم نفقتہ بالقرابۃ والملک وغیر ذلک (ابن جریر ص۸۰ ج ۱، ابن کثیر ص۴۳ ج ۱) ویدخل فیہ انفاق الواجب کالزکوٰۃ والنذر والانفاق علی النفس وعلی من تجب نفقتہ علیہ والانفاق فی الجہاد اذا وجب علیہ والانفاق فی المندوب وھو صدقۃ التطوع ومواساۃ الاخوان وھذہ کلھا مما یمدح بھا (خازن ص۲۶ ج ۱) بلکہ آیت اس سے بھی زیادہ عموم کی متحمل ہے۔ لفظ "ما" اپنے عموم اور وسعت کی وجہ سے ان تمام انعامات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ خواہ مادی انعامات جیسے مال واولاد، دولت وثروت اور قوت وصحت وغیرہ۔ خواہ علمی جیسے علم وہنر، عقل وحکمت اور فہم وفراست وغیرہ۔ لہٰذا اپنی قوت وصحت اور اولاد کے ذریعے دوسروں کی مدد کرنا، علم وحکمت سکھانا، مفید اور مخلصانہ مشوروں سے تعاون کرنا یہ سب اس آیت کے تحت داخل ہیں (الانفاق) البذل من النعم الظاھرۃ والباطنۃ وعلم لا یقال بہ ککنز لا ینفق منہ (روح المعانی ص۱۱۸ ج ۱) وقال بعض المتقدمین فی تاویل قولہ تعالیٰ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ای مما علمناھم یعلمون (قرطبی ص۱۷۹ ج ۱) **۷ہ** یہ متقین کی چوتھی صفت ہے۔ اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک وہ وحی جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ دوسری وہ وحی جو پہلے پیغمبروں پر اتری۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں پر ایمان لانے سے مراد صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے مانا جائے اور انہیں سچا سمجھا جائے ان پر عمل کرنا واجب نہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے حق اور من عند اللہ ماننے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے اور اپنی زندگی اس کی ہدایت کے مطابق بسر کی جائے۔ آپ کی وحی صرف قرآن مجید ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کے تمام دینی ارشادات جو کتب احادیث میں موجود ہیں یہ سب وحی تھے تو جس طرح قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح قرآن کے علاوہ دوسری وحی کو ماننا بھی فرض ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے اگر جاری ہوتی تو یہاں اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔ اس آیت میں حسب ایمان کا ذکر ہے مع يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے الفاظ پورے عالم غیب پر حاوی تھے۔ مگر اس آیت میں عالم غیب کی صرف دو چیزوں کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے یعنی گذشتہ وحی اور موجودہ وحی پر ایمان لانا۔ تو اس تخصیص بعد التعمیم سے یہود ونصاریٰ میں سے جو لوگ ایمان لا چکے تھے ان کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ (روح المعانی ص۱۲۰ ج ۱، تفسیر کبیر ص۲۵ ج ۱، تفسیر مظہری ص۲۰ ج ۱)

۸ہ یہ متقین کی پانچویں صفت ہے۔ یہاں آخرت سے مراد دارِ آخرت یعنی قیامت ہے کہ نبوت جیسا کہ منکرین ختم نبوت کا خیال ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ ط (عنکبوت ع ۷) قیامت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت ودوزخ اور یوم قیامت کو جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ مانتے اور اس کے وقوع پر یقین رکھتے ہیں۔

یہاں تک تو دعوتِ توحید کو قبول کرنے والوں اور کتاب ہدایت سے منتفع ہونے والوں کی صفات وعلامات کا ذکر تھا۔ اب آگے ان صفات کا ثمرہ اور ان کے حاملین کی جزا کا بیان ہے۔

ف دونوں جگہوں میں اولٰئک کا اشارہ مذکورہ بالاصفات کے حاملین کی طرف ہے۔ ای المتصفون بما تقدم من الایمان بالغیب واقام الصلٰوۃ والانفاق من الذی رزقہم اللہ (تفسیر ابن کثیر ص۴۴ ج۱) ای الذین ھٰذہ صفتھم (تفسیر خازن ص۲۶ ج۱) ای اھل ھٰذہ الصفۃ (معالم ص۲۶ ج۱) یعنی جو لوگ مذکورہ صفات سے متصف ہیں دنیا میں وہ سیدھی راہ پر ہیں اور آخرت میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ فان الھدٰی فی الدنیا والفلاح فی الاخرۃ (روح المعانی ص۱۲۵ ج۱) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفلحون کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہو (تفسیر ابن کثیر ص۴۴ ج۱) یعنی سیدھی راہ پر چلنے اور کتاب ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی اولٰئک ھم المفلحون ۔ میں ھُمْ ضمیر فصل ہے جو حصر اور تخصیص کے معنی پیدا کرتی ہے۔ (تفسیر بیضاوی ص۸ تفسیر مظہری ص۲۲ ج۱) معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اور اس کے لئے نجات نہیں کیونکہ اس آیت نے فلاح کو مذکورہ صفات والے مومنوں میں محصور کر دیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ فلاح سے محروم رہیں گے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر مطلق فلاح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ فلاح کامل کے اعتبار سے ہے۔ یعنی فلاح کامل تو صرف انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں گے۔ البتہ مطلق فلاح ان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جن لوگوں میں بعض عملی خامیاں ہونگی نجات وفلاح تو آخر ان کو بھی حاصل ہو جائے گی وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یدل علی انھم الکاملون فی الفلاح فیلزم ان یکون صاحب الکبیرۃ غیر کامل فی الفلاح (تفسیر کبیر ص۲۵۵ ج۱) المراد المفلحون الکاملون فی الفلاح ویلزم منہ عدم کمال فلاح من لیس منھم لا عدم الفلاح مطلقاً (تفسیر مظہری ص۲۲ ج۱، تفسیر بیضاوی ص۸) یہاں تک تو ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے کتاب ہدایت کو دل وجان سے مانا اور اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا۔ اب آگے دوسری جماعت کا ذکر ہے

وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے ف٩ بے شک جو لوگ (ضد اور عناد سے) منکر ہوئے

سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ
برابر ہے ان کو ف١٠ تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان

لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑥ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی
نہ لاویں گے ف (کیونکہ) مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان

سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ز وَّلَھُمْ
کے کانوں پر ف١١ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑦ ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ
بڑا عذاب ہے اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ
ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز

بِمُؤْمِنِیْنَ ⑧ م یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ
مومن نہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے یعنی ایمان

اٰمَنُوْا ج وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَ
والوں سے ف١٢ اور درحقیقت کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو ف١٣ اور

مَا یَشْعُرُوْنَ ⑨ ط فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ لا فَزَادَھُمُ
نہیں سوچتے ف١٤ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی

اللّٰہُ مَرَضًا ج وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۵ لا بِمَا
اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس بات

کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ
جھوٹ کہتے تھے ف١٥ اور جب کہیے ان کو

ع ١

وقف لازم

دوسری جماعت (کفار)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دعوت حق کو ظاہراً و باطناً ٹھکرا دیا، نہ دل سے مانا نہ زبان سے، بلکہ اپنی پوری طاقت سے اس کی مخالفت کی۔ ف١٠ اس آیت میں کفروا سے مراد مطلق کافر مراد نہیں ہیں کیونکہ نبی کریم علیہ السلام کی تبلیغ پر ہزاروں کافر ایمان لائے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے بلکہ اس سے مراد خاص قسم کے کافر ہیں یعنی وہ لوگ جو حق کو اچھی طرح سمجھ چکے اور پہچان چکے ہوں مگر محض ضد اور عناد کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہوں۔ ضد وانکار کی وجہ سے ان کے ضمیر مردہ اور دل سیاہ ہو چکے ہیں اس لئے وعظ ونصیحت اور تبلیغ وانذار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا ای ستروا الحق عناداً (مدارک) مشرکین مکہ میں ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ وغیرہ اور یہود کے بعض علماء اور رؤسا مثلاً حی بن اخطب، کعب بن اشرف وغیرہ اسی قسم کے کافر تھے۔ (ابو السعود ص۲۹۳ ج۱ قرطبی ص۱۸۴ ج۱ نیشاپوری ص۱۴۵ ج۱) جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط (نمل ع ١) یہی حال مشرکین مکہ کا تھا۔ اور احبار یہود کے متعلق ارشاد ہے۔ فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ (سورۂ بقرہ ع ١١) اور ءَاَنْذَرْتَھُمْ میں ہمزہ استفہام کے لئے نہیں ہے بلکہ تسویہ کے لئے ہے کیونکہ جو ہمزہ سواء، ما ادری، ما ابالی، لیت شعری وغیرہ کے بعد آئے وہ تسویہ کیلئے ہوتا ہے۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ مصدر اس کے مدخول کے قائم مقام ہوسکے (مغنی ابن ہشام ص۱۶ ج۱) اور رضی شرح کافیہ ص۳۲۸ ج۲) میں ہے ان الھمزۃ تستعمل مطرداً مع اَمْ التسویۃ اور اَمْ اس آیت میں احد الامرین کے لئے نہیں بلکہ یہ اَمْ متصلہ ہے اور تسویہ کیلئے (رضی شرح کافیہ ص۳۷۱ ج۲، مغنی ص۳۹ ج۱) ترکیب نحوی ـــ الذین کفروا موصول مع الصلۃ اسم اِنَّ، سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ بتاویل المصدر، مبتدا اور مؤخر اور یہ جملہ خبر اِنَّ ہے (تفسیر مظہری ص۲۳ ج۱، رضی ص۳۷۱ ج۲) لَا یُؤْمِنُوْنَ جملہ مفسرہ ہے جو ماقبل کی تفسیر کرتا ہے جملۃ مفسرۃ لاجمال ما قبلھا فیما فیہ الاستواء

(تفسیر مظہری ص۲۳ ج ۱، روح المعانی ص۱۲۹ ج ۱) یعنی ان کافروں کے حق میں آپ کے انذار اور عدم انذار کے یکساں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور وہ ایمان نہیں لائیں گے یا لَا يُؤْمِنُوْنَ جملہ انّ کی خبر ہے۔ اور سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ الخ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ او خبران والجملة قبلها اعتراض (روح المعانی ص۱۳۰ ج ۱، تفسیر مظہری ص۲۳ ج ۱، مدارک ص۱۳ ج ۱) آیت کا مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ ۱۱ یہ جملہ معللہ ہے اور ماقبل کی علت اور اس کا سبب بیان کر رہا ہے۔ اعلم انه تعالیٰ لما بین فی الاٰیة انهم لا یؤمنون اخبر فی هٰذه الاٰیة بالسبب الذی لاجله لم یومنوا وهو الختم (تفسیر کبیر ص۲۷۰ ج ۱) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ استیناف تعلیلی لما سبق من الحکم (ابوالسعود ص۲۹۸ ج ۱) اشارة الی برهان لمی للحکم السابق (روح المعانی ص۱۳۱ ج ۱) یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انذار کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگ چکی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ قبولِ حق کی تمام راہیں ان پر بند ہو چکی ہیں اس لئے اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اس دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔ اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اور اس طرح ان پر قبولِ ہدایت کی تمام راہیں روک دیں تو پھر اگر وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے تو انہیں سزا کس قصور پر دی جائے گی؟ کیونکہ مُہر خداوندی کی وجہ سے وہ کفر پر مرنے پر مجبور تھے۔ لہٰذا یہ بات عدل وانصاف کے منافی ہے کہ ایسے لوگوں کو سزا دی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، وہ کسی کو بلا قصور سزا نہیں دیتا اس آیت میں ان کافروں کا جو انجام بیان کیا گیا ہے وہ خود ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ دیکھنے سننے کیلئے اسے آنکھیں اور کان دیئے غور وفکر اور سوچ بچار کیلئے اسے دل ودماغ اور عقل وشعور کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورہ نحل رکوع ۱۱) پھر آفاق وانفس کے واضح اور روشن دلائل کے دفتر اس کے سامنے کھول دیئے تاکہ وہ اپنے حواس کے ذریعے ان میں غور وفکر کر کے حق وباطل میں امتیاز کر سکے۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰم السجدہ رکوع ۶) اور پھر اسی پر ہی بس نہیں کی بلکہ سیدھی راہ دکھانے اور عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ حق سمجھانے کے لئے پیغمبر بھی بھیجے جنہوں نے دن رات اللہ کا پیغام انہیں سنایا اور ان کے تمام شبہات دور کر کے اللہ کی حجت ان پر قائم کی رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّــةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (سورہ نساء رکوع ۲۳) لیکن اس کے باوجود کہ حق ان پر واضح ہو گیا۔ اور انہوں نے حق کو اچھی طرح پہچان لیا۔ انہوں نے حق کو نہ مانا بلکہ محض ضد وعناد کی وجہ سے کفر وانکار پر ڈٹے رہے۔ نہ آنکھوں سے کام لیا نہ کانوں سے۔ نہ عقل وشعور ہی کو استعمال کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ کفر وانکار ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا ان کی طبیعت ثانیہ بن گیا۔ ان کے حواس بیکار ہو گئے اور حق کا احساس وشعور ہمیشہ کیلئے ان سے رخصت ہو گیا۔ اور ان پر گمراہی کی ایک ایسی تاریکی اور ظلمت چھا گئی کہ اب وہ اس سے باہر نہیں آسکتے۔ گمراہی کی اس کیفیت کو مہر سے تعبیر کیا گیا ہے تو یہ مہر جو لگی ہے تو وہ قانونِ تکوینی کے تحت اپنے اسباب وعلل کی بنا پر لگی ہے۔ جب کوئی شخص حق کو پہچاننے کے بعد محض ضد وعناد کی وجہ سے اپنے ارادے اور اختیار سے کفر کو ایمان پر ترجیح دیتا ہے تو اس سے ایمان کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور اس کے حواس بیکار ہو جاتے ہیں اور وہ جدھر جانا چاہے اسے ادھر ہی کو دھکیل دیا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (سورہ احقاف رکوع ۳) اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (سورہ نساء رکوع ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حواس پر مُہر کا لگنا، اور سعادتِ ایمان سے ان کی ابدی محرومی، یہ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ان کے جحود وانکار اور ضد وعناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر لگی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس مہر کی وجہ سے انہیں کفر پر مجبور کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ رَوَّحَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ اسے "مُہر جبّاریت" سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ایں نہ جبر و معنیٔ جبّاریست — معنیٔ جبّاریت را زاری ست

اب یہاں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں مُہر لگانے کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مہر لگنا ان کے اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تمام افعالِ عباد کا خالق خدا تعالیٰ ہے اور ہر کام کیلئے فاعل مباشر اور سبب کا ہونا ضروری ہے اور کام کو چونکہ تینوں سے نسبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مخلوق ہونے کی نسبت، فاعل سے صدور کی اور سبب سے ترتب کی۔ اس لئے فعل کو تینوں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو قتل وغارت گری کے جرم میں پھانسی دے دی جاتی ہے تو اسے لوگ مختلف عبارتوں سے بیان کریں گے۔ کوئی کہے گا "اللہ نے اس کا بیڑا غرق کر دیا"۔ کوئی کہے گا "اس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کر دیا"۔ اور کوئی یوں گویا ہوگا کہ "بداعمالیاں اسے لے ڈوبیں"۔ اپنی اپنی جگہ تینوں فقرے صحیح ہیں۔ جس نے اس مجرم کی تباہی کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے اس کی ہرگز یہ غرض نہیں اور نہ ہی سامعین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کی تباہی کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ مجرم بری الذمہ اور بے قصور ہے بلکہ اس کی تباہی کو اللہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ خالق الافعال ہے۔ باقی رہی اس کی تباہی تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مہر لگانے کو مختلف نسبتوں کی وجہ سے مختلف ذوات کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مُہر لگنے کا اصل سبب چونکہ ان کے اپنے اعمال تھے اس لئے کبھی اس کیفیت کو ان کے اعمال سے وابستہ کیا گیا۔ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف) اور کبھی ان معاندین نے اس مُہر کی سی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے سب کچھ اپنی ہی طرف منسوب کر لیا۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (حٰم السجدہ رکوع ۱) اور اللہ تعالیٰ چونکہ خالق الافعال، علۃ العلل اور مسبب الاسباب ہے اس لئے اس لحاظ سے مُہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اس لئے مُہر لگانے کو اللہ کی طرف منسوب کرنے سے ایمان سے ان کی محرومی، کفر پر موت اور ابدی عذاب کی ذمہ داری اللہ پر عائد نہیں ہوتی یہ سب کچھ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور ان کا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔

یہاں تک کافروں کا ذکر تھا۔ اس کے بعد منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

تیسری جماعت (منافقین)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ظاہری طور پر اسلام تو قبول کر لیا مگر باطن میں کافر ہی رہے۔ ان لوگوں نے زبان سے تو اسلام کا اقرار کیا۔ مگر دل سے انکار کیا۔ ۱۲ اس آیت میں منافقین کے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی کہ زبان سے تو وہ اللہ کی توحید اور آخرت کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل یقین وایمان اور تصدیق واذعان سے یکسر خالی ہیں۔ اس کے بعد منافقت اور دو رُخی چال سے ان منافقین کی غرض وغائت بیان کی گئی ہے۔ ۱۳ اس دو رُخی چال سے وہ مسلمانوں کو فریب دے کر ان سے دُنیوی اور مادّی فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لینے سے دُنیوی احکام میں وہ مسلمان ہی شمار ہوں گے۔ ان کا جان ومال محفوظ ہو جائے گا اور مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت اور

دیگرمادی فوائدمیں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ دھوکہ اور فریب تو اسے دیا جاسکتا ہے جو لاعلم ہو اور حقیقت سے ناواقف ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اور ہر ظاہر اور ہر چھپی چیز کو جانتا ہے۔ اسے کیونکر دھوکہ دیا جاسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے ای یخدعون رسول اللہ (تفسیر مدارک ص۱۵ ج۱، قرطبی ص۱۹۵ ج۱، مظہری ص۲۵ ج۱، خازن ومعالم ص۲۸ ج۱، کبیر ص۲۸۴ ج۱، روح المعانی ص۱۴۶ ج۱ نیشاپوری ص۱۵۳ ج۱، البحر المحیط ص۵۶ ج۱) یعنی وہ اللہ کے رسول کو دھوکہ دیتے ہیں (اس سے یہ بھی بخوبی ظاہر اور معلوم ہوگیا کہ ان تمام مفسرین اہل سنت وجماعت کا یہ متفقہ اور مسلمہ عقیدہ تھا کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم الغیب نہ تھے نہ ذاتی طور پر نہ عطائی طور پر) یا اللہ کو دھوکہ دینے سے ایمان والوں کو دھوکہ دینا مراد ہے کیونکہ اللہ والوں کو دھوکہ دینا اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ مومن توحید کے پابند ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کو دھوکہ دینا۔ وَقیل المراد به المؤمنون واذا خادعوا المؤمنین فکانهم خادعوا اللّٰہ تعالیٰ (خازن ص۲۸ ج۱) وقیل ذکر اللہ ھٰھنا تحسین المقصود والمخادعة الذین اٰمنوا (معالم ص۲۸ ج۱) اس صورت میں واو تفسیریہ ہوگی۔ اور وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا عطف ماقبل پر تفسیری ہوگا۔ ۱۴ منافق یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اس دورنگی پالیسی سے مسلمانوں کو دھوکہ دیکر مزے کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے رہے بلکہ اپنی جانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اس منافقانہ روش سے غیر شعوری طور پر اپنی ہی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ ۱۵ مگر انہیں اس بات کا شعور واحساس تک نہیں ہے کہ ان کی یہ غلط روش خود انہی کی تباہی کا باعث ہوگی اور اس کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ (قرطبی ص۱۹۷ ج۱، معالم ص۲۸ ج۱) اگلی آیت میں منافقین کے حال پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ ۱۶ ان کے باطن کی خرابی اور فساد عقائد کو بیماری سے تعبیر فرمایا۔ والمرض عبارة مستعارة للفساد الذی فی عقائدھم (قرطبی ص۱۹۷ ج۱) اور یہ لفظ نفاق، شک وریب، جحود وانکار، پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عداوت اور بغض وحسد وغیرہ سب کو شامل ہے۔

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ شَکٌّ وَنِفَاقٌ (معالم ص۲۸ ج۱، ابن جریر ص۹۳ ج۱) استعیر ھٰھنا لما فی قلوبھم من الجھل وسوء العقیدة وعداوة النبی صلے اللہ علیہ وسلم وغیر ذلک من فنون الکفر (ابو السعود ص۳۰) ومجاز ابان یستعار لبعض اعراض القلب کسوء الاعتقاد والغل والحسد والمیل الی المعاصی فان صدورھم کانت تغلی علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غلًّا وحنقًا (تفسیر نیشاپوری ص۱۵۴ ج۱) اور بیماری عضو کی اس غیر طبعی حالت کا نام ہے جس کی وجہ سے عضو کے طبعی افعال میں خلل وفتور واقع ہوجائے۔ یہ تمام امور چونکہ دل کو خدا کی معرفت اور اس کی سچی اطاعت اور مخلصانہ عبادت سے روکتے ہیں اس لئے یہ سب روحانی اور قلبی امراض ہیں۔ (من الکبیر بتصرف) ۱۷ شک ونفاق اور بغض وحسد کی یہ بیماری جو ان کے دلوں کو لگی ہوئی تھی کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی گئی۔ جوں جوں قرآن نازل ہوتا ان کا کفر ونفاق بڑھتا جاتا کیونکہ ہر آیت کے ساتھ وہ منافقانہ سلوک کرتے۔ بظاہر اسے مانتے لیکن دل میں اس کا انکار کرتے یا جوں جوں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دشمنوں پر غلبہ واقتدار حاصل ہوتا گیا اور دین اسلام کی شان وشوکت میں ترقی ہوتی گئی تو ان کے دلوں کی جلن اور تکلیف اور ان کے سینوں میں بغض وحسد کی آگ بڑھتی گئی۔ وزیادة اللہ تعالیٰ مرضھم اما بتضعیف حسدھم بنعم اللہ تعالیٰ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم والمومنین او ظلمة قلوبھم بتجدد کفرھم بما ینزلہ سبحانہ شیئًا فشیئًا من الاٰیات والذکر الحکیم (روح ص۱۴۹ ج۱) فَزَادَھُمُ اللّٰہُ میں فاء تعقیب کیلئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فاء کا مابعد ماقبل پر مرتب ہے۔ والفاء للدلالة علی ترتب مضمونھا علیہ (ابو السعود ص۲۰۳) یعنی ان کی بیماری انہیں کی بداعمالیوں اور بدپرہیزیوں کا نتیجہ ہے۔ باقی رہا اضافہ مرض کو خدا کی طرف منسوب کرنا تو وہ محض اس لئے ہے کہ وہ مسبب الاسباب ہے اور فاعل حقیقی ہے۔ آیت کے ان دونوں حصوں میں منافقین کے انجام کی علت اور سبب کا بیان تھا آگے ان کے انجام کا ذکر ہے۔ ۱۸ منافقین خبث باطن اور فساد عقیدہ کی خطرناک بیماری میں مبتلا تھے۔ خدا کی طرف سے آیات شفا لگاتار نازل ہوتی رہیں۔ مگر انہوں نے ان سے اعراض کیا اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ادنیٰ سی کوشش نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مرض بڑھتا گیا اور آخر ان کی ہلاکت کا باعث ہوا اور وہ دائمی عذاب اور دردناک سزا کے مستحق قرار پائے۔ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ یہاں با سببیت کے لئے اور مَا مصدریہ ہے۔ (روح ص۱۵۰ ج۱، ابو السعود ص۲۰۹ ج۱) اور فعل ناقص دوام واستمرار کیلئے ہے (ابو السعود، روح ص۱۵۲ ج۱) یعنی مسلسل کذب بیانی اور نفاق پر لگاتار اصرار کی وجہ سے انہیں مذکورہ سزا کا حکم سنایا گیا ہے اور یہاں جھوٹ بولنے سے وہی نفاق مراد ہے یعنی دل میں اسلام کا انکار چھپائے ہوئے ہیں مگر زبان سے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کا اقرار کرتے ہیں ومعناہ بکذبھم وقولھم اٰمنا ولیسوا بمؤمنین (قرطبی ص۱۹۸ ج۱) ای بکذبھم فی قولھم اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر (مدارک ص۱۶ ج۱)

آگے منافقین کی مزید خباثتیں ذکر کرکے ان کے حال کو اور واضح کیا گیا ہے۔ ۱۹ منافقین بظاہر مسلمان تھے لیکن درپردہ کافروں سے ربط قائم کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کے پوشیدہ راز ان تک پہنچاتے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے اور اس طرح فتنہ وفساد کیلئے زمین ہموار کر رہے تھے۔ وکان فساد المنافقین فی الارض انھم کانوا یمایلون الکفار ویمالئونھم علی المسلمین بافشاء اسرارھم الیھم واغرائھم علیھم وذلک مما یؤدی الی ھیج الفتن بینھم (مدارک ص۱۶ ج۱) والفساد منھا النفاق الذی صافوا بہ الکفار فاطلعوھم علی اسرار المؤمنین فان کل ذلک یؤدی الی خراب الارض وقلة الخیر ونزع البرکة وتعطل المنافع (روح ص۱۵۳ ج۱) ۲۰ یعنی ہم نے تو مسلمانوں اور کافروں دونوں فریقوں سے میل جول قائم رکھا ہے اس سے ہمارا مقصود صرف دونوں فریقوں میں صلح وآشتی کی فضا پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں ان ھذہ المداواة سعی فی الاصلاح بین المسلمین والکفار (کبیر ص۲۹۸ ج۱) قالوا انما نرید الاصلاح بین المؤمنین واھل الکتاب (ابن جریر ص۹۷ ج۱) ۲۱ یہ منافقوں کے دعوے کا نہایت ہی بلیغ طریقہ سے رد ہے۔ جملہ مستانفہ لاکر اور حرف تنبیہ سے سامعین کو متوجہ کرکے حرف تاکید اور کلمۂ حصر سے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ یہ لوگ مصلح ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ فتنہ وفساد کا سرچشمہ یہی لوگ ہیں اور زیادہ تر فساد انہیں کے ذریعے پھیل رہا ہے۔ ۲۲ ان کے دل مرض نفاق کی وجہ سے اس حد تک مردہ اور بےحس ہوچکے تھے کہ اصلاح وفساد میں امتیاز نہیں کرپاتے اور شر وفساد کو امن وصلاح قرار دے رہے ہیں۔ وھذا انما نشأ عن جھل مرکب فاعتقدوا الفساد صلاحًا واصروا واستکبروا واستکبارًا (روح ص۱۵۲ ج۱) ۲۳ یہ منافقین کی دوسری خباثت ہے۔ زبان سے آمنا کہہ کر مومن ہونے کا دعویٰ تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ یہاں دوبارہ انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ وہ منافقانہ طور پر ایمان لائے ہوئے تھے اب انہیں مخلصانہ طور پر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ای ایمانًا مقرونًا بالاخلاص بعیدًا عن النفاق (کبیر ص۲۹۹ ج۱) مقرونًا بالاخلاص خالصًا عن شوائب النفاق (روح ص۱۵۵ ج۱) اور الناس میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد مہاجرین وانصار ہیں یا وہ مؤمنین مراد ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لاچکے تھے۔ عبد اللہ بن سلام وغیرہ من مؤمنی اھل الکتاب قیل کما اٰمن المھاجرون والانصار (معالم ص۲۹ ج۱) انما للعھد ای کما اٰمن رسول اللہ ومن معہ وھم ناس معھودون او عبد اللہ بن سلام واشیاعہ (کبیر ص۲۹۹ ج۱، مدارک ص۱۷ ج۱) ۲۴ یہ منافقین کا قول ہے اور لفظ سفہا سے انہوں نے صحابہ کرام پر طنز کیا ہے یعنی ہم (خاکش بدہن) ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں جو اپنے نفع ونقصان کو بھی نہیں سوچتے۔ وانما سفھوھم جھلًا منھم حیث اشتغلوا بما لا یجدی فی زعمھم (روح ص۱۵۵ ج۱) امام رازی فرماتے ہیں کہ منافقین صاحب اقتدار لوگ تھے وہ دولت واقتدار کے نشہ میں مخمور طبقہ دین اسلام کو باطل سمجھتا تھا اور جو شخص باطل دین کو قبول کرے وہ بیوقوف ہوتا ہے (کبیر ص۲۹۹ ج۱) جیسا کہ آج کل روشن خیالی کے مرض میں مبتلا اور نشۂ اقتدار میں بدمست طبقہ دین کا درد رکھنے والوں اور ان کی خدا اور رسول کے احکام سے بغاوت پر حرف گیری کرنے

والوں کو کم فہم، دقیانوسی اور موجودہ دور کے تقاضوں سے بے خبر وغیرہ القاب سے سرفراز فرماتے ہیں۔ یہ بعینہٖ ان منافقین کی تقلید ہے۔ ۲۵ یہاں بھی اسی زور اور تاکید کے ساتھ منافقین کا ردّ کیا گیا ہے۔ یعنی اصل میں بے وقوف تو وہ خود ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے متفقہ دین کو قبول کرنیوالوں پر سفاہت اور کم عقلی کا الزام لگا رہے ہیں۔ الا انھم ھم السفھاء دون المؤمنین المصدقین باللہ وبرسولہ وثوابہ وعقابہ (ابن جریر ص۹۹ ج ۱) ۲۶ ان کی جہالت اور نادانی کا یہ عالم کہ وہ اپنی اس کھلی ہوئی حماقت اور سفاہت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔

فائدہ ان آیتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے یہ آیتیں ان کے مومنین مخلصین ہونے کا بیّن اور لافانی ثبوت ہیں ان کا ایمان اس قدر کامل، شوائبِ نفاق سے اس قدر پاک، خدا کے نزدیک اس قدر پسندیدہ اور مقبول ہے کہ اسے منافقین کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس مبارک جماعت کو بیوقوف کہنے والوں کو پرلے درجہ کے بیوقوف قرار دیا ہے ۲۷ یہ منافقوں کی

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪
فساد نہ ڈالو ملک میں ۲۳ تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۲۴

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫
جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لٰکن لیکن نہیں سمجھتے ۲۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ یعنی ۲۳ صحابہ) تو کہتے ہیں

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف ۲۳ جان لو وہی ہیں

السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَاِذَا لَقُوا
بے وقوف ۲۵ لیکن نہیں جانتے ۲۶ اور جب ملاقات کرتے ہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں ۲۷ اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں (یعنی

شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
سرداران یہود و مشرکین) ۲۸ کے پاس (جاکر) تو کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ۲۹ ساتھ ہیں ہم تو

مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
ہنسی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے) ۳۰ اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے ۳۱ اور ترقی دیتا ہے

فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ کہ وہ ۳۲ (شک و تردد میں) حیران پھر رہے ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی

الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
گمراہی (قطعی) ہدایت کے بدلے ۳۳ سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری اور نہ

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ
ہوئے وہ راہ پانے والے ۳۴ ان کی مثال ۳۵ اس شخص کی سی ہے جس نے

تیسری خباثت ہے کہ جب وہ باثر اور مخلص مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم خالص ایمان لاچکے ہیں آمنا سے منافقین مسلمانوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتے تھے کہ اب انہوں نے نفاق چھوڑ دیا ہے اور دل سے خالص ایمان قبول کرلیا ہے کیونکہ ان کا زبانی ایمان تو مسلمانوں کو پہلے بھی معلوم تھا۔ فالمراد اخلصنا بالقلب الدلیل علیہ ان الاقرار باللسان کان معلوما منھم (کبیر ص۲۹۹ ج ۱) مگر یہی لفظان کے نفاق کی غمازی کرتا ہے کیونکہ مسلمانوں کو پہلے سے اس نفاق کا علم تھا اب اس کی تردید کیلئے اور ان کے دلوں میں اپنے اخلاص کا سکہ بٹھانے کے لئے انہیں کوئی تاکیدی جملہ استعمال کرنا چاہئے تھا مگر اس کے باوجود وہ سرسری طور پر صرف اٰمَنَّا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ نفاقِ قلبی کی وجہ سے وہ تاکیدی جملے کو گوارا نہیں کرسکتے۔ ۲۸ خلا کا صلہ عام طور پر با آتا ہے مگر یہاں اِلٰی آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خلا ذہاب کے معنوں کو متضمن ہے اور مطلب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں سے ملنے کے بعد جب اپنے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو وہاں مسلمانوں کے سامنے کئے ہوئے اقرار کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اس تضمین کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے منافقین کی منافقت خوب عیاں ہوجاتی ہے۔ لہذا اِلٰی ذاھبین محذوف سے متعلق ہے جو خَلَوْا کے فاعل سے حال ہے۔ ای خلوا ذاھبین الی شیاطینھم۔ اور شیاطین سے علمائے یہود، اور شرک وکفر کے لیڈر مراد ہیں۔ شیاطینھم سادتھم وکبراؤھم رؤساؤھم من احبار الیھود ورؤسا المشرکین والمنافقین (ابن کثیر ص۵۱ ج ۱) ۲۹ یعنی دین اور ایمان اور عقیدہ میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اِنا مصاحبوکم وموافقوکم علی دینکم (مدارک ص۱۸ ج ۱) ۳۰ یعنی ہم دل سے تھوڑے مسلمان ہیں۔ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار محض استہزاء اور تمسخر کے طور پر اور انہیں بیوقوف بنانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں مسلمان سمجھیں اور ہم سے مسلمانوں کا سا معاملہ کریں۔ ہمارا مال وجان محفوظ ہوجائے اور ہمیں مالِ غنیمت وغیرہ میں سے حصہ ملا جایا کرے۔ انما نستخف بھم فی ذلک القول اصون دماءنا واموالنا وذریاتنا (خازن ص۲۲ ج ۱) ۳۱ بعض اوقات "جرم" کی سزا پر لفظ "جرم" کا اطلاق کردیا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں

ل یہ لوگ چونکہ نفاقی مفادات کیوجہ سے توحید کو مانتے تھے اور مشرکین سے زیادہ مفرتھے اس لئے ان کے حالات زیادہ بیان کئے گئے ۱۲

ے مثال فریق ثانی یعنی مشرکین ۱۲

اس تمسخر اور استہزا کی سزا دیگا۔ ان ینتقم منھم ویعاقبھم ویجازیھم علی استھزائھم فسمی العقوبۃ باسم الذنب (قرطبی ص۲۰۷ ج ۱) اور بعض نے کہا کہ جس طرح منافقین مسلمانوں کو بنا رہے ہیں اسی طرح اللہ بھی منافقوں کو بنا رہا ہے اور ان سے تمسخر کا سا معاملہ کر رہا ہے مثلاً دنیا میں ان پر اسلام کے احکام جاری کرا رکھے ہیں اور انہیں مہلت دے رکھی ہے جب وہ کفر و سرکشی کی انتہا کو پہنچ جائیں گے تو اچانک دھر لئے جائیں گے منافقین ان چیزوں کو اپنے حق میں مفید سمجھ رہے ہیں مگر حقیقت میں یہ چیزیں ان کی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہیں۔ الاٰیۃ جاریۃ علی سبیل التمثیل والمراد یعاملھم سبحانہ معاملۃ المستھزئ اما فی الدنیا باجراء احکام الاسلام واستدراجھم من حیث لا یعلمون روح ص۱۵۸ ج ۱) ۳۲ دوسری تفسیر کے مطابق یہ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا بیان ہے۔ معطوف علی قولہ سبحانہ وتعالیٰ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کالبیان لہ علی رای (روح ص۱۵۹ ج ۱) فِىْ طُغْيَانِهِمْ، يَمُدُّهُمْ سے متعلق ہے اور يَعْمَهُوْنَ ضمیر مفعول سے حال ہے یعنی وہ انہیں سرکشی اور گمراہی میں بڑھا رہا ہے اور وہ بے اطمینانی اور شک و تردد میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں ۳۳ اُولٰٓئِكَ سے مذکورہ منافقین کی طرف اشارہ ہے جن کی خباثتوں کا ابھی ابھی ذکر ہوا ہے۔ ان کی تمام خباثتوں کا سرچشمہ اختیاری گمراہی ہے

انہوں نے راہ ہدایت کو چھوڑ کر راہ ضلالت پر چلنے کی ٹھان لی ہے۔ اشتراء کے معنی خریدنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ خریداری کیلئے ضروری ہے کہ قیمت خریدار کے پاس موجود ہو۔ یہاں ہدایت کو گمراہی کی قیمت قرار دیا گیا ہے جس کے عوض منافقوں نے گمراہی مول لی تو اس سے لازم آتا ہے کہ منافقین پہلے ہدایت پر تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ شروع ہی سے منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں اشتراء بمعنی استبدال نہیں بلکہ محض ترجیح اور اختیار کے معنی میں ہے ان الاشتراء مجاز عن الاختیار فکانه تعالیٰ قال اختار وا الضلالة علی الهدی (روح ص ۱۹۱ ج ۱) یعنی انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی اور ہدایت کی بجائے گمراہی کو اختیار کیا۔ لیکن اس صورت میں باء ہدیٰ کی باء بمعنی علی ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اشتراء اپنے حقیقی معنوں ہی میں ہے اور ہدایت سے مراد وہ فطری ہدایت ہے جو اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے۔ المراد بالهدی الجبلی وقد کان حاصلاً لهم حقیقة فان کل مولود یولد علی الفطرة (روح ص ۱۹۱ ج ۱) اس صورت میں تمام الفاظ اپنی حقیقت پر رہتے ہیں اور کسی قسم کے مجاز کا ارتکاب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ۳۴ مگر یہ سودا ان کیلئے نفع بخش ثابت نہ ہوا۔ اور ہوتا بھی کیسے انہوں نے یہ سودا ہی بے عقلی اور بے بصیرتی سے کیا ہے۔ ایک ایسی چیز خریدلی ہے جس میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ ۳۵ عام مفسرین کی رائے کے مطابق اب یہاں سے منافقین کی دو مثالیں بیان کی جارہی ہیں پہلی مثال مَثَلُهُمْ سے لے کر لَا يَرْجِعُوْنَ تک اور دوسری اَوْ كَصَيِّبٍ سے لیکر آخر رکوع تک۔

نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ

آگ جلائی (یعنی پیغمبر) ۳۶ پھر جب روشن کر دیا آگ نے آس پاس کو اور وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے) تو زائل کر دی

وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ

اللہ نے ان کی روشنی یعنی چھوڑ ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے ۳۷ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں ۳۸

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ

سو وہ نہیں لوٹیں گے ۳۹ ف ۱ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ برس رہا ہو آسمان سے

ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ

مارے کڑک کے موت کے ڈر سے ۴۰ اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے

بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ

کافروں کا ۴۱ قریب ہے کہ بجلی خیرہ کر دے ان کی آنکھیں

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ

جب چمکنے لگتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے

قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ

رہ جاتے ہیں ۴۲ اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں ۴۳

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۴۴ ف ۲ ف ۳ اے لوگو بندگی

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

کرو اپنے رب کی ۴۵ جس نے (ہی) پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ جس (ہی) نے بنایا واسطے تمہارے

ع ۲

منزل ۱

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ہٰذا)

۳۶ آگے چل کر ان آگ جلانے والوں کےلئے جمع کی ضمیر ذکر کی گئی ہے اس لئے یہاں اَلَّذِیْ معنےً جمع ہے۔ اِسْتَوْقَدَ اور حَوْلَهٗ میں لفظ کے لحاظ سے ضمیر واحد استعمال کی گئی ہے اور جمع کی ضمیروں میں معنیٰ کا لحاظ کیا گیا ہے۔ ۳۷ یہ ماقبل کی تفسیر ہے یعنی جب آگ کی وجہ سے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو اچانک آگ بجھ گئی اور وہ روشنی ان سے سلب کرلی گئی اور وہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چھوڑ دیئے گئے اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس تمثیل میں منافقین کے زبانی اقرار ایمان کو آگ جلانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اظہار اسلام کے بعد بطور مسلمان جو فوائد انہیں حاصل ہوئے اسے ماحول کی روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور روشنی سلب کرلینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کا نفاق نبی علیہ السلام پر ظاہر کرکے انہیں ان فوائد سے محروم کردیا اور انہیں پھر سے کفر وضلالت کی تاریکیوں میں چھوڑ دیا (کبیر ص ۲۹۳ ج ۱) ۳۸ اگرچہ ان کے ظاہری حواس درست ہیں لیکن جب انہوں نے ان حواس سے کام نہ لیا، کانوں سے حق نہ سنا۔ زبان سے حق کا اقرار نہ کیا، اور بصیرت کی آنکھوں سے حق کو نہ دیکھا تو گویا ان کے حواس ہی بیکار ہوچکے ہیں۔ اور وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ کانت حواسهم سلیمة ولکن لما سدوا عن الاصاخة الی الحق مسامعهم وابوا ان ینطقوا به السنتهم وان ینظروا ویبصروا بعیونهم جعلوا کانما ایفت مشاعرهم (مدارک ص ۲۰ ج ۱) ۳۹ یعنی اب ان کے ہدایت کی طرف آنے کی امید نہیں۔ لیکن حضرت شیخ علیہ الرحمۃ والغفران نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی کسی داعی توحید نے دعوت توحید پیش کی ہمیشہ لوگ دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ کچھ لوگوں نے دعوت توحید کو مان لیا اور مومنین کہلائے اور کچھ لوگوں نے اس دعوت کو نہ مانا وہ کفار کے نام سے موسوم ہوئے پھر اگر مومنین کو مادی اور دنیوی اقتدار بھی حاصل ہوگیا تو کافروں میں خوشامدی لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ یہ لوگ ایک طرف مسلمانوں کے اقتدار سے مرعوب خائف ہوتے اس لئے ان کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے اور اپنے کو اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ ظاہر کرتے اور دوسری طرف کافروں سے ملے رہتے۔ یہ منافقین کی جماعت ہے۔ کافر بھی اسلام اور مسلمانوں کیلئے خطرہ ہوتے ہیں لیکن منافقین کافروں سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ منافقین مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں اور مسلمان ان کو اپنی جماعت کے آدمی سمجھتے ہیں اس طرح منافقوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں کرنے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ اپنے بن کر اس قدر نقصان پہنچاتے ہیں کہ اتنا دشمن اور بیگانے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں جماعتوں یعنی مومنین، کفار اور منافقین کا حال بیان کرنے کے بعد آخر الذکر دو جماعتوں کا حال خوب واضح کرنے کے لئے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک علانیہ کافروں کیلئے یعنی مَثَلُهُمْ سے لَا يَرْجِعُوْنَ تک اور ایک منافقوں کیلئے یعنی اَوْ كَصَيِّبٍ سے آخر رکوع تک اس لئے مَثَلُهُمْ کی ضمیر مطلق کفار کی طرف راجع ہے پہلی مثال کافروں کیلئے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے اَلَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں گے جنہوں نے آیات بینات کے ذریعے

۱ مثال فریق ثالث یعنی منافقین ۱۲
۲ فیه اندا جر ای فی ذلك الموضع رجال قاعدون اولفظة ذوی محذوفة قبل صیب ۱۲
۳ کنایة عن یعذ بهم ۱۲

فتح الرحمٰن ف ۱ مترجم گوید حاصل مثل آنست که اعمال منافقاں همه حبط شود چنانچه روشنی آں جماعة دور شد ۱۲ - ف ۲ مترجم گوید حاصل مثل آنست که منافقان در ظلمات نفسانیه افتاده اند و چون مواعظ بلیغه شنوند فی الجمله اثنائیر ایشاں میشود و آں فائده نکند مانند مسافراں که در شب تاریک و ابر حیران باشند و در برق دو سه قدم بروند و باز ایستند واللہ اعلم ۱۲ -

الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّأَنزَلَ
زمین بچھونا اور آسمان عمارت اور اتارا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ الثَّمَرَٰتِ
آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے
رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَ
کھانا تمہارا سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے برابر کوئی اور
أَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا
تم جانتے ہو اور اگر ہو تم کو شک میں اس کلام
نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ ص
سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی کوئی
وَادْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ
اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے اگر تم
صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟
سچے ہو پھر اگر نہ کر سکو اور البتہ نہ کر سکو گے
فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ۖ
تم بچو آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو
أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَ
تیار ہے منکروں کے واسطے اور خوشی سنا ان کو جو یقین لائے اور
عَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن
کام نیک کئے کہ ان کو ہیں باغ بہتی نیچے
تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا۟ مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ
ان کے نہریاں جہاں جس بار ملے ان کو وہاں کا کوئی میوہ

رشد و ہدایت کی آگ جلائی فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ کے بعد یہ عبارت محذوف ہے وعندہٗ رجال اٰخرون یعنی اس آگ جلانے والے کے پاس کچھ اور لوگ بھی موجود تھے مگر یہ لوگ اس آگ کی روشنی سے محروم رہے کیونکہ آگ کے لئے روشنی کے ساتھ ساتھ بینائی کا ہونا بھی ضروری ہے ذَهَبَ ٱللَّهُ بِنُورِهِمْ اللہ نے ان سے نور بصیرت ہی چھین لیا۔ یہ کفار مکہ تھے جو آگ جلانے والے کے پاس موجود تھے جب قرب وجوار کے لوگ اس نور ہدایت سے مستفید ہو رہے تھے اس وقت کفار مکہ ضد و عناد اور بغض و حسد کی وجہ سے کفر و عصیان اور جحود و انکار پر کمربستہ ہو گئے تو اس کا لازمی اور تکوینی نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے وہ نور بصیرت جو فطرۃً ہر انسان کو ملتا ہے چھین لیا گیا۔ اور ان کے دلوں سے احساس حق کی صلاحیت سلب کر لی گئی۔ وَتَرَكَهُمْ فِى ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر جباریت ثبت کر دی گئی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے گئے اور انہیں گھپ اندھیرے میں چھوڑ دیا گیا کہ اب وہ کبھی راستہ نہیں دیکھ سکیں گے۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ اس آیت کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو خَتَمَ ٱللَّهُ الخ کا ہے۔ بہرے اور اندھے اس لئے کہ ان کے کانوں پر مُہر اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں۔ گونگے اس لئے ہیں کہ ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی ہے۔ جب ان میں حق سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں تو حق گوئی کا وجود بھی نہیں ہو گا۔ جب کچھ سمجھیں گے ہی نہیں تو بولیں گے کیا؟ اور لَا يَرْجِعُونَ کا یہاں وہی مفہوم ہے جو وہاں لَا يُؤْمِنُونَ کا ہے۔

ایک بات ذہن نشین رہے کہ یہاں کفار کی ذوات کو ذات مستوقد سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ ان کے قصے کو قصہ مستوقد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وانما شبہت قصتھم بقصۃ المستوقد (کبیر ص ٢٩٥ ج ١) ؎٣٩ أَوْ كَصَيِّبٍ پہلی تفسیر کے مطابق یہ منافقین کی دوسری مثال ہے اور اَوْ تخییر کے لئے ہے اور حضرت شیخ کی تفسیر کے مطابق اَوْ تنویع کیلئے ہے اور یہ منافقین کے حال کی واحد تمثیل ہے اور پھر اس تمثیل کی دو شقیں ہیں ایک وَٱللَّهُ مُحِيطٌۢ بِٱلْكَٰفِرِينَ تک اور دوسری يَكَادُ ٱلْبَرْقُ سے آخر رکوع تک۔ اور صَيِّبٍ سے پہلے لفظ ذوی یا اصحاب محذوف ہے ای کاصحاب صیّب (معالم ص ٣١ ج ١) یعنی منافقوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو شدید بارش میں گھر جائیں اور صیّب کے معنی موسلا دھار بارش کے ہیں۔ ؎٤١ سماء ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اوپر کی جانب ہو السماء کل ما علاک فاظلک (قرطبی ص ٢١٦ ج ١) اور یہاں سماء سے مراد بادل ہیں۔ ای من السحاب (معالم ص ٣١ ج ١) ؎٤٢ يَجْعَلُونَ الخ ظلمات اور رعد سے متعلق ہے۔ اور حَذَرَ ٱلْمَوْتِ — يَجْعَلُونَ کا مفعول لہٗ ہے جو اس فعل کی علت بیان کر رہا ہے۔ یعنی اس ڈر سے کہ کہیں صواعق کی گرجدار آواز سے وہ ہلاک نہ ہو جائیں وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تاکہ وہ صواعق کی آواز سن ہی نہ سکیں۔ اس تمثیل میں صیب سے مراد ایمان یا قرآن ہے۔ ظلمات اور رعد سے وہ شدائد اور تکالیف مراد ہیں جو ایمان لانے کے بعد برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یا اس سے قرآنی وعیدیں اور تخویفیں مراد ہیں اور برق سے ایمان کے دنیوی فوائد یا قرآن میں رُشد و ہدایت کا ذکر مراد ہے اور صواعق سے مراد شرعی تکالیف یا قرآن کی وعد و وعید کی آیات ہیں (کبیر ص ٣٠٩ ج ١، معالم ص ٣٢ ج ١، قرطبی ص ٢١٩ ج ١ وغیرہ) منافقین کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے تاکہ قرآن نہ سن سکیں کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ قرآن سننے سے کہیں ان کے دلوں میں ایمان نہ داخل ہو جائے اور ایمان قبول کرنے کو وہ موت کے مرادف سمجھتے تھے جعلھم اصابعھم فی اٰذانھم لئلا یسمعوا القراٰن فیؤمنوا بہ و بمحمد علیہ السلام وذلک عندھم کفر والکفر موت (قرطبی ص ٢١٩ ج ١) ؎٤٣ لیکن یہ حیلہ انہیں موت سے نہیں بچا سکتا کیونکہ جس کے اختیار میں موت و حیات ہے وہ علم و قدرت کے لحاظ سے ان پر حاوی ہے وہ اس کی گرفت سے کبھی آزاد نہیں ہو سکتے۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہو۔ رعد کی گرجدار آواز بھی سنائی دے رہی ہو اور بجلی چمک رہی ہو تو اس وقت چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ رعد کی گرجدار آواز کی طرف دھیان دیتے اور سمجھتے کہ مزید بارش ہونے والی ہے اور رعد والے برسنے والے ہیں اس لئے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت تلاش کرتے جب بجلی چمکتی اس وقت اپنے مأمن کا راستہ دیکھتے اور جب اندھیرا ہو جاتا اس وقت مأمن کی طرف چل پڑتے۔ مگر ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ وہ رعد کی آواز یعنی قرآنی وعیدیں سنتے ہی نہیں بلکہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ کہیں ان کے دلوں میں ایمان نہ داخل ہو جائے کیونکہ ایمان کو تو وہ موت جانتے ہیں۔ ؎٤٤ یہ اس تمثیل کی دوسری شق ہے یعنی جب اندھیرے میں بجلی کوندتی ہے تو وہ اس کی روشنی میں چند قدم چل لیتے ہیں اور جونہی بجلی کی روشنی غائب ہوئی وہیں رُک گئے یہی حال منافقین کا تھا کہ جب اسلام کی فتحمندی اور مسلمانوں کی کامیابی دیکھتے تو ان کے دل ایمان کی طرف مائل ہو جاتے لیکن جب ان پر کوئی مصیبت یا تکلیف آ پڑتی تو ایمان کی طرف سے بددل ہو جاتے کلما اصاب المنافقین من عز الاسلام اطمأنوا الیہ واذا اصاب الاسلام نکبۃ قاموا لیرجعوا الی الکفر (ابن کثیر ص ٥٥ ج ١) حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا۔

پہلا جواب شبہ اولیٰ ویقولون (اقرأ)

کہ روشنی میں راستہ دیکھتے اور اندھیرے میں راستہ ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے یعنی ہر حال میں صدقِ دل سے اور خلوصِ نیت سے اسلام کی پیروی کرتے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ خطفِ ابصار سے یہاں آنکھوں کا اچک لینا مراد نہیں بلکہ اس کے معنی خیرہ اور حیران کرنے کے ہیں یعنی قرآنی ہدایت کی روشنی جسے یہاں برق سے تعبیر کیا گیا روز بروز پھیل رہی تھی اور اسلام کی شان و شوکت اس تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ منافقین کی آنکھیں اسے دیکھ کر خیرہ اور مرعوب ہو رہی تھیں مگر وہ تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور بعض موانع انہیں مخلصانہ ایمان سے روک رہے تھے۔ ۴۵ اس کا تعلق یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ اور یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ سے ہے علی سبیل اللف والنشر المرتب یعنی انہیں کان اس لئے دیئے کہ وہ ان سے حق بات سنیں مگر وہ حق سننے کی بجائے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں اور آنکھیں اس لئے دیں کہ وہ ان سے قرآنی ہدایت کی روشنی میں سیدھی راہ دیکھ کر منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ مگر انہوں نے ان سے کبھی کام نہ لیا تو اگر اللہ چاہے تو رعد کی کڑک سے ان کی سماعت اور بجلی کی چمک سے ان کی بینائی سلب کرلے۔ ۴۶ اس کیلئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ہر کام یکساں طور پر اس کی قدرت کے تحت داخل ہے۔

یہاں تک تمہید تھی جس میں ہدایت کے اصل سرچشمہ کی نشان دہی کی گئی اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے اوصاف اور ان کے انجام کا ذکر تھا۔ اب اگلی آیت سے دعوائے توحید پیش کیا جارہا ہے۔

دعوائے توحید

۴۷ تمہید میں تین جماعتوں یعنی مومنین، کفار اور منافقین کے اوصاف اور ان کی جزا و سزا بیان کرنے کے بعد اب یہاں ان سب کو مخاطب کرکے ان کے سامنے دعوتِ توحید بیان کی ہے۔ اس سورت میں دعوٰی توحید کو تین بار دہرایا گیا ہے جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (رکوع ۳) میں دعوٰی توحید کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الخ (رکوع ۱۹) میں پہلی بار اس کا اعادہ فرمایا اور پھر اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (رکوع ۳۴) میں دوبارہ اعادہ فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین تین قسم کا شرک کرتے ہیں (۱) شرک فی الدعاء یعنی پکارنے میں شرک (۲) نذر و نیاز میں شرک (۳) شفاعتِ قہری کے ذریعے یعنی اپنے معبودوں کو خدا کے یہاں شفیع غالب سمجھتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تین جگہ دعوٰی توحید کو عقلی دلائل سے مدلل فرما کر بالترتیب شرک کی مذکورہ بالا تینوں قسموں کی نفی فرمائی ہے۔ عبادت کے معنیٰ "غایت خضوع" اور "انتہائی عاجزی" کے ہیں۔ اس لفظ کا جامع مفہوم علامہ ابن قیم رح کی زبانی سنئے۔ العبادۃ عبارۃ عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطۃ غیبیۃ (ای فی العلم والتصرف) فوق الاسباب یقدر بها علی النفع والضر فکل دعاء وثناء وتعظیم ینشأ من هذا الاعتقاد فهی عبادۃ (مدارج السالکین ص ج ۱) یعنی یہ اعتقاد اور شعور کہ ہمارے حالات جاننے اور ان میں باختیار خود تصرف کرنے میں ہمارے معبود کا مافوق الاسباب غیبی قبضہ ہے۔ اور اسی اعتقاد کے تحت اپنے معبود کو پکارا جائے، اس کی حمد و ثنا کی جائے، رکوع و سجود یا نذر و نیاز سے اس کی تعظیم بجالائی جائے تو یہ سب کچھ عبادت ہے۔ تو یہ عبادت بجمیع اقسامہ وانواعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہاں عبادت سے "دعا" اور "پکار" مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الدعاء هو العبادۃ (ابوداؤد ص ج ۱، ترمذی ص ج ۲) یعنی دعا ہی اصل عبادت ہے۔ اور دعوٰی توحید اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ میں حصر اور تخصیص مراد ہے یعنی صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، صرف اسی کو پکارو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رض اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ای افردوا الطاعۃ والعبادۃ لربکم دون سائر خلقه (ابن جریر ص ج ۱) یعنی طاعت اور عبادت صرف اپنے رب ہی کی کرو اور اس کی مخلوق کو اس کی طاعت اور عبادت میں شریک نہ بناؤ۔ عبادت سے وہی دعا اور پکار مراد ہے۔ اور حصر کا دوسرا قرینہ وہ نتیجہ ہے جو دعوٰی توحید کے عقلی دلائل کے بعد مذکور ہے یعنی فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔۔۔۔ اَلَّذِیْ اب یہاں سے دعوٰی مذکورہ پر عقلی دلائل کی ابتداء ہوتی ہے۔ الموصول صفۃ مادحۃ للرب وفیها ایضا تعلیل للعبادۃ اوالربوبیۃ علی ما قیل (روح ص ج ۱) یہاں دعوٰی توحید پر جو عقلی دلیل پیش کی گئی ہے وہ پانچ امور پر مشتمل ہے۔ اوّل۔ خَلَقَكُمْ یعنی تمہیں پیدا کیا اور نعمتِ وجود سے سرفراز فرمایا۔ دوم وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ تمہارے آباء و اجداد، دوسرے تمام انسانوں، فرشتوں اور جنوں کا بھی وہی خالق ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ کیونکہ توحید کی پابندی ہی سے تقوٰی حاصل ہو سکتا ہے۔ لعل شک اور امید کیلئے موضوع ہے مگر جب اللہ کی طرف سے ہو تو یقین کے معنوں میں ہوتا ہے۔ قال سیبویہ لعل وعسی حرفا ترج وهما من اللہ واجب (معالم ص ج ۱) سوم اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا زمین کو تمہارے لئے اس نے فرش کی طرح ہموار بنا دیا ہے۔ تم اس پر چل پھر سکتے ہو، بیٹھ سکتے ہو، اور اس پر اپنا کاروبار کرسکتے ہو۔ چہارم و پنجم وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرکے اس سے تمہارے لئے روزی پیدا کی۔ ۴۸ یہ مذکورہ دلیل کا نتیجہ ہے۔ مخاطبین اپنا، اپنے آباؤ اجداد کا، باقی تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں کا، زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق خدا ہی کو مانتے تھے۔ اور تمام تکوینی امور کو خدا ہی کے تصرف و اختیار میں سمجھتے تھے اس لئے ان مسلّمہ امور کو بطور دلیل پیش کرکے فرمایا کہ جب یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں، جب یہ سارے انعامات اسی ہی نے تم کو دیئے ہیں۔ جب تمہارا اور ساری کائنات کا خالق و مالک اور رازق وہی ہے اور ان تمام کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر صرف اسی ہی کی عبادت کرو اور صرف اسی ہی کو اپنی حاجات و مشکلات میں غائبانہ پکارو اور اس کی عبادت اور پکار میں کسی نوری، ناری یا خاکی کو اس کا شریک مت بناؤ۔ جس نے یہ ساری نعمتیں۔ زندگی، یہ خوبصورت بدن، آنکھیں کان، ناک، دل، دماغ وغیرہ زمین و آسمان، زمین کے بے بہا خزانے، چاند، سورج اور تارے وغیرہ وغیرہ۔ طلب اور درخواست کے بغیر تمہیں دیدیں۔ کیا وہ طلب اور درخواست پر تمہیں کچھ نہیں دیگا؟ پھر اس محسن و مربی کو چھوڑ کر اوروں کو کیوں پکارتے ہو۔ ۴۹ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ان تمام امور کا فاعل اور رب کا خالق و رازق صرف اللہ ہے۔ اور تمہارے یہ معبود ان کاموں میں سے کوئی کام نہیں کرسکتے۔ وانتم تعلمون انها لاتخلق شیئاً ولا ترزق واللہ الخالق الرزاق (مدارک ص ج ۱) دعوٰی توحید کو عقلی دلائل سے واضح کرنے کے بعد توحید سے متعلق مشرکین کے دو شبہوں کا جواب دیا ہے۔ ایک شبہ تو یہ تھا کہ یہ دعوٰی خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے باتیں بنا کر اور پھر انہیں خدا کی طرف منسوب کرکے ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ نے ان کے اس شبہ کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (یونس ع ۴) دوسرا شبہ یہ تھا کہ یہ مسئلہ توحید خدا کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ کتاب خدا کا کلام ہے کیونکہ اس میں اولیاء اللہ کیلئے مکڑی جیسی گھٹیا چیزوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں جو اولیاء اللہ کے حق میں سخت توہین ہے۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی توہین کرے ۵۰ یہ مشرکین کے پہلے شبہ کا جواب ہے یعنی جو کچھ ہم نے اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اگر اس کے اللہ کی طرف سے ہونے میں تمہیں کسی قسم کا شبہ ہے تو اس کا واحد علاج حسب ذیل ہے ومعنی قوله فی ریب منه فی کونه وحیاً من اللہ تعالیٰ شانہ (روح ص ۱۹۲ ج ۱) ۵۱ کہ تم بھی زیادہ نہیں صرف ایک ہی سورت ایسی بنا لاؤ جو فصاحت و بلاغت میں، مضامین کی ندرت میں، واقعات ماضیہ اور آتیہ کی صداقت میں، امثال و مواعظ کی اثر انگیزی میں، دلائل و براہین کی جامعیت اور معقولیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ قرآن کی مثل اور ہم پلہ ہو۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کا معجزہ ہونا صرف فصاحت و بلاغت ہی کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ کا چیلنج تو تمام دنیا کے منکرین کو دیا گیا ہے خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی۔ اسلئے قرآن جس طرح فصاحت و بلاغت اور ترکیب الفاظ کے اعتبار سے معجز ہے اسی طرح مضامین و مطالب، واقعات ماضیہ و آتیہ اور دلائل و براہین وغیرہ کے لحاظ سے بھی معجز ہے۔ ۵۲ شہداء سے مراد

ان کے وہ معبود ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے اور جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے حامی ہیں، اور آڑے وقت میں کام آتے ہیں لہٰذا اب وقت ہے کہ وہ تمہارے کام آئیں۔ المعنی ادعوا الذین اتخذتموهم اٰلهة من دون الله (کبیر ص۳۴۳ ج۱) استعینوا بآلهتکم فی ذلک یمدونکم وینصرونکم (ابن کثیر ص۵۹ ج۱) ای واستعینوا بآلهتکم التی تعبدونها (معالم ص۳۴ ج۱) یا اس سے کفر و انکار میں ان کے ہم مسلک اور ان کے یار و مددگار مراد ہیں۔ المراد من الشهداء اکابرهم او من یوافقهم فی انکار امر محمد صلی الله علیه وسلم (کبیر ص۳۴۳ ج۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعوان والانصار کو بلا لو اور اپنے معبودوں سے مدد کی درخواست بھی کر لو، اور قرآن کا مثل بنا لاؤ۔ ۵۳ یعنی اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسانی کلام ہے، تم اس کا مثل بنا لاؤ کیونکہ تم بھی تو اہل لسان ہو اور تمہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور زبان آوری پر ناز ہے۔ ۵۴ اس شرط کی جزا محذوف ہے ای فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فامنوا۔ یعنی اگر تم قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور نہ ہی لا سکو گے تو تم مسئلہ توحید

رِزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ
کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جاویں گے ان کو
مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ
پھل ایک صورت کے ۶۱ اور ان کے لیے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ ۶۲ اور وہ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞۲۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا
وہیں ہمیشہ رہنے والے ۶۳ بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال
مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ
ایک مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے ۶۴ سو جو لوگ (مسئلہ توحید پر) ایمان رکھتے ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں
اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے ۶۵ اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ
کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے ۶۶ گمراہ کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا
بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۞۲۶ الَّذِيْنَ
ہے اس سے ۶۷ بہتیروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو ۶۸ جو توڑتے ہیں خدا کے
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ
معاہدہ (توحید) کو مضبوط کرنے کے بعد ۶۹ اور قطع کرتے ہیں
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ
اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو ۷۰ اور فساد کرتے ہیں ملک میں (شرک پھیلا کر) ۷۱
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞۲۷ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
وہی ہیں ٹوٹے والے ۷۲ کس طرح کافر ہوتے ۔ خدا تعالیٰ سے حالانکہ
كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو

مان لو۔ یہ قرآن مجید کا ایک اور معجزہ ہے کہ اس نے بلا خوف تردید اعلان کر دیا کہ قیامت تک قرآن مجید کا مثل کوئی پیش نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ آج تک قرآن کی ایک آیت کا مثل بھی پیش نہیں کیا جا سکا۔ اور نہ ہی قیامت تک ایسا ممکن ہے (ابن کثیر ص۶۰ ج۱) ۵۵ یہ جزا محذوف یعنی فَاٰمِنُوْا کے قائم مقام ہے۔ ۵۶ اگر تمام ذرائع اختیار کرنے کے باوجود بھی قرآن کا مثل پیش نہ کر سکو تو یقین کر لو کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر ہیں اگر اب بھی تم کفر و انکار پر اڑے رہے تو تمہارا ٹھکانہ جہنم کی وہ آگ ہوگی جس کا ایندھن خدا کے نافرمان بندے اور پتھر ہوں گے اور جو تم جیسے کافروں اور معاندوں ہی کیلئے تیار کی گئی ہے۔ لہٰذا اس نار جہنم سے بچو اور کفر و انکار سے باز آ جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ جہنم میں پتھر کا ایندھن اسلئے استعمال کیا جائیگا تاکہ آگ کی گرمی میں شدت پیدا ہو۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے پتھر کی وہ مورتیاں مراد ہیں جنہیں سامنے رکھ کر مشرکین پوجا کرتے تھے۔ وقیل المراد بها حجارة الاصنام والانداد التی کانت تعبد من دون الله (ابن کثیر ص۶۱ ج۱) اس سے ایک طرف تو ان پتھر کی مورتیوں کی وجہ سے آگ میں شدت پیدا ہوگی اور دوسری طرف جب مشرکین اپنے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی دیکھیں گے تو حسرت و افسوس کی وجہ سے ان کا عذاب دوگنا ہو جائے گا۔ ایک جہنم کا عذاب اور دوسرا حسرت و ندامت اور تاسف و یاس کا ــــ یہ منکرین کیلئے ڈراوا تھا۔ اب آگے مومنین کے لئے جنت کی خوشخبری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تخویف و تبشیر کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ ومن عادة الله انه اذا ذکر اٰیة فی الوعید ان یعقبها باٰیة فی الوعد (کبیر ص۳۴۴ ج۱) ۵۷ جو لوگ مسئلہ توحید و رسالت پر ایمان لائے اور قرآن کو خدا کا کلام مانا اور اس کے مطابق عمل کیا انہیں خوشخبری سنا دیجئے۔ ۵۸ یعنی انہیں آخرت میں ایسے باغات ملیں گے جن کے درختوں اور محلوں کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ای من تحت اشجارها ومساکنها (معالم ص۳۴ ج۱) ۵۹ منها اور من ثمرة میں من ابتدائیہ ہے۔ اور رِزْقًا رُزِقُوْا کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول اس کا نائب فاعل ہے یعنی جب بھی انہیں جنت کے پھلوں سے کچھ کھانے کے لئے دیا جائیگا۔ ۶۰ وہ اسے دیکھتے ہی بول اٹھیں گے کہ یہ تو وہی مزیدار پھل ہے جو پہلے بھی ہم کھا چکے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کریں گے۔ ۶۱ جنت میں جو پھل جنتیوں کو دیا جائیگا وہ ظاہری شکل و صورت اور رنگ میں ملتا جلتا ہوگا مگر ذائقہ ہر ایک کا جداگانہ ہوگا۔ قال ابن عباس ومجاهد والربیع متشابها فی الالوان مختلفا فی الطعوم (معالم ص۳۴ ج۱) اور یہ چیز کوئی پھلوں ہی سے مخصوص نہیں ہوگی بلکہ جنت کے تمام کھانے ہی باہم ملتے جلتے ہوں گے۔ قال الحسن یؤتی احدهم بالصحفة فیأکل منها ثم یؤتی بالاخری فیقول هذا الذی اُتینا به من قبل فیقول الملك کُل فاللون واحد والطعم مختلف (کبیر ص۳۴۴ ج۱، مدارک ص۳۲ ج۱) جنت میں اعلیٰ درجہ کی لذیذ مادی غذاؤں کے ساتھ سکونِ قلب کیلئے حسب منشا ذوق بھی ملیں گے۔ ۶۲ یعنی وہ ہر قسم کی پلیدی اور ناشائستہ اخلاق اور ناپسندیدہ عادات سے پاک ہوں گی۔ مطهرة من الغائط والبول والحیض والنفاس والبصاق والمخاط والمنی والولد

جواب شبہ ثانیہ
والله تعالیٰ عنکبوت جیسی حقیر چیزوں کا ذکر کیوں کرتا ہے
یضل متفرع ہے یقولون ماذا اراد الله پر اور یہدی متفرع ہے فیعلمون انه الحق پر بطریق لف ونشر غیر مرتب ۱۲
یہ متعلق بدلیل عقلی تا وهو بکل شیء علیم ۱۲

موضح القرآن ف۱ یعنی جنت کے ہر میوے کا مزا جدا ہے اگرچہ صورت ملتی ہو۔ صورت دیکھ کر جانیں گے کہ وہی قسم ہے جو کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزا جدا پائیں گے۔ ف۲ قرآن شریف میں کہیں مثال فرمائی ہے مکڑی کی کہیں مکھی کی۔ اس پر کافر عیب پکڑتے تھے کہ اللہ کی شان نہیں ان چیزوں کا ذکر کرنا یہ کلام اللہ کا ہوتا تو ایسے مذکور نہ ہوتے اس پر یہ دو آیتیں فرمائیں۔

فتح الرحمٰن ف۱ کافراں چوں ذکر ذباب و عنکبوت در قرآن شنیدند طعن کردند و گفتند کہ خدا تعالیٰ ذکر ایں چیزہائے خسیس چہ ارادہ کردہ است ایں آیت نازل شد ۱۲

وکل قذر. . . . . . وقیل مطہرۃ عن مساوی الاخلاق (معالم ص۲۵ ج ۱) ۶۳ یعنی نہ انہیں جنت سے نکالا جائیگا اور نہ ہی ان پر موت آئے گی۔ اور نہ ہی جنت کی نعمتیں فنا ہونگی

لایموتون فیہا ولا یخرجون (معالم ص۲۵ ج ۱) فانہم مع ھذا النعیم فی مقام امین من الموت والانقطاع فلا اٰخر لہ ولا انقضاء بل فی نعیم سرمدی ابدی علی الد وام

(ابن کثیر ص۶۳ ج ۱) ۶۴ مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب ہے۔ اور لایستحی کے معنی ہیں لا یترک کیونکہ جب انسانوں سے مختص اوصاف کو خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو ان اوصاف

سے ان کے نتائج مراد ہوتے ہیں اور حیا کا نتیجہ چونکہ ترکِ فعل ہے اس لئے یہاں یہی مراد ہے فاذا ورد الحیاء فی اللہ تعالیٰ فلیس المراد منہ ذلک الخوف الذی ھو مبدأ الحیاء ومقدمتہ بل

ترک الفعل الذی ھو منتہاہ وغایتہ (کبیر ص۳۵ ج ۱) مثلاً کی تنوین تنکیر کے لئے ہے مَا نکرہ مثلاً کی صفت ہے جو اس میں مزید ابہام پیدا کرتا ہے۔ اور بعوضۃ اس سے بدل یا عطف بیان ہے

ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى

پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۶۳ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ

الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰٮهُنَّ

زمین میں ہے سب پھر اسی نے) قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا

سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ‌ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذۡ

ان کو سات آسمان اور وہی ہر چیز سے خبردار ہے ۶۳ اور جب

قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓٮِٕكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ

کہا تیرے رب نے فرشتوں کو ۶۴ کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں

خَلِيۡفَةً ‌ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا

ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں

وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ

اور خون بہائے ۶۵ اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور

نُقَدِّسُ لَكَ ‌ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ

یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو ۶۶ فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ۶۷ اور

عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى

سکھا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے ۶۸ پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو

الۡمَلٰٓٮِٕكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ

فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے ۶۹ اگر تم

صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا

سچے ہو ۷۰ بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا

عَلَّمۡتَنَا ‌ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ

تو نے ہم کو سکھایا ۷۱ بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا ۷۲ فرمایا اے آدم

ع ۹ ۳

۱ متعلق بہ دعوی توحید مع دلیل عقلی ۱۲

۲ ملائکہ پکارنے کے لائق نہیں کیونکہ وہ غیب دان نہیں ۱۲

(کبیر ص۳۵ ج ۱، روح ص۲۰۷ ج ۱) فما فوقہا یہاں فوقیت سے مراد اسی معنی میں زیادتی اور فوقیت ہے جس میں تمثیل واقع ہوئی ہے یعنی حجم کی کمی اور حقارت۔ والمراد بالفوقیۃ الزیادۃ فی المعنی الذی وقع التمثیل فیہ وھو الصغر والحقارۃ فیہ وتنزل من الحقیر الی الاحقر (روح ص۲۰۷ ج ۱) تو مطلب یہ ہوا کہ ان کے کہنے سے اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی ادنیٰ اور حقیر چیز کی کوئی مثال بیان کرنے کو چھوڑنے سے رہا یعنی وہ حسب ضرورت اور مناسب محل ایسی مثالیں ضرور بیان کرتا رہیگا۔ مثال اس لئے بیان کی جاتی ہے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے کی مثال دیکر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نبی یا ولی عبادت و پکار کے لائق نہیں یعنی غیر اللہ کا سہارا ایسا کمزور ہے جیسا مکڑی کا جالا۔ اگر یہ مثال بیان نہ کی جاتی تو غیر اللہ کی پکار کا مسئلہ اس طرح واضح نہ ہوتا۔ اب آگے ان مثالوں کے بیان سے مختلف لوگوں پر جو مختلف آثار مرتب ہوں گے ان کی تفصیل ہے۔ ۶۵ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور مسئلہ توحید مان چکے ہیں، انہیں تو اس بات کا یقین ہے کہ یہ مثال بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور موقع ومحل کے مطابق ہے۔ ای یعلمون انہ کلام الرحمن وانہ من عند اللہ (ابن کثیر ص۶۲ ج ۱) ۶۶ لیکن کفار معاندین حقارت آمیز لہجہ میں کہتے ہیں کہ آخر اس مثال سے خدا کی غرض کیا تھی؟ اس میں تو ادلیاء اللہ کی توہین ہے۔ ۶۶ منکرین کا خیال تھا کہ ان حقیر چیزوں کی تمثیلات سے کوئی فائدہ نہیں تو ان دو جملوں میں مثالیں بیان کرنے کی حکمت اور معتد بہ فائدہ بیان فرمادیا کہ یہ مثالیں حق ہیں جو مسلمانوں کی ہدایت اور معاندین کی گمراہی میں اضافہ کا ذریعہ اور باعث بنتی ہیں۔ انہ مشتمل علی حکمۃ جلیلۃ وغایۃ جمیلۃ ھی کونہ وسیلۃ الی ھدایۃ المستعدین للہدایۃ واضلال المنہمکین فی الغوایۃ (روح ص۲۰۹ ج ۱) وقال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ضرب الامثال بالمحقرات ابتلاء للمؤمنین والکفار۔ تمثیل بیان کرنا تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ تمثیل کا دستور قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ اور خود مشرکین اپنی روزمرہ

کی گفتگو میں بھی مثالوں کا استعمال کرتے تھے۔ مشرکین کا یہ اعتراض کہ خداوند تعالیٰ مکھی اور مکڑی جیسی حقیر چیزوں کی مثالیں کیوں بیان کرتا ہے؟ یہ محض ضد اور عناد پر مبنی تھا۔ درحقیقت ان لوگوں کو چڑ تو مسئلہ توحید سے تھی اور یہ اعتراض تکذیب کا ایک بہانہ تھا۔ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان مثالوں کے ذریعہ ہدایت وضلالت کا حدوث ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے مومنین کو مزید انشراحِ صدر اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور گمراہوں اور مشرکوں کی الجھنوں میں اور اضافہ ہوجاتا ہے (رسالہ ص۲ ج ۱) ۶۷ فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدود ایمان سے نکل جاتے ہیں۔ والمراد بالفاسقین ھنا الخارجون عن حدود الایمان (روح ص۲۱۰ ج ۱) یعنی ان کے ذریعے صرف ان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں اور باختیار خود گمراہی اختیار کرتے ہیں۔ اضلال کو فاسقین سے مخصوص کرکے آگے ان کی کئی ایک خباثتیں بیان کی ہیں اس سے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے گمراہی پر قائم رہنے اور ان سے توفیق ہدایت کے سلب ہوجانے کا اصل سبب ان کی یہی خباثتیں ہیں لہٰذا اس گمراہی کے اسباب خود ان کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور ان اسباب میں اور ان کے آثار ونتائج میں وہی تکوینی تعلق ہے جو آگ میں اور جلانے میں جس طرح آگ کا کام ہے جلانا اور بھسم کرنا اسی طرح تمرد وسرکشی اور حدود اللہ کے توڑنے کا تکوینی نتیجہ ہے ہدایت سے ابدی محرومی اور یہاں اضلال کو اللہ کی طرف محض اسلئے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ فاعل حقیقی اور خالق افعال ہے۔ واسناد الاضلال ای خلق الضلال الیہ سبحانہ بناءً علی ان جمیع

الاشیاء مخلوقة له تعالیٰ (ابوالسعود ص۲۹ ج۱) **۶۸** یہ الفاسقین کی صفت کاشفہ ہے یعنی اللہ کے عہدِ توحید کو توڑتے ہیں اللہ کے وصل کو کاٹ کر غیر اللہ کو پکار رہے ہیں اور زمین میں شرک کے ذریعے فساد پھیلا رہے ہیں۔ عہد اللہ سے مراد توحید اور احکام الٰہی کا عہد ہے۔ قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ما عہد اللہ الیہم ای من التوحید والاحکام۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں وعہدہ الی جمیعہم فی توحیدہ وما وضع لہم من الادلة علی ربوبیته وعهده الیهم فی امره ونهیه ما احتج به لرسله من المعجزات الخ (ابن کثیر ص۶۶ ج۱) یعنی اس عہد کی توثیق ہمیشہ آفاقی اور انفسی دلائل سے کتب منزلہ اور معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہوتی رہی المراد ما وثق اللہ به عهده من الآیات والکتاب (بیضاوی) **۶۹** ان یوصل بہ کی ضمیر مجرور سے بدل الاشتمال ہے۔ ما اپنے عموم اور وسعت کے اعتبار سے ان تمام تعلقات کو شامل ہے جن کو قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ المراد به الامر الشامل لما ذکرلما یوجب قطعه قطع الوسیلة بین اللہ تعالیٰ وبین العبد (روح ص۲۱۱ ج۱) یحتمل کل قطیعة لا یرضی بها اللہ سبحانه وتعالیٰ (ابوالسعود ص۳۳ ج۱) الاشارة الی دین اللہ وعبادته فی الارض واقامة شرائعه وحفظ حدوده فهی عامة فی کل ما امر اللہ به ان یوصل هذا قول الجمهور (قرطبی ص۲۴۷ ج۱) **۷۰** شرک کرتے ہیں۔ لوگوں کو ایمان سے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے روکتے اور کفر کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور ہر کام خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق کرتے ہیں۔ خدا کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ای یعبدون غیر اللہ تعالیٰ ویجورون فی الافعال (قرطبی ص۲۴۷ ج۱) بالمعاصی وتعویق الناس عن الایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وبالقرآن (معالم ص۳۷ ج۱) افسادهم باستدعائهم الی الکفر والترغیب فیه وحمل الناس علیه (روح ص۲۱۱ ج۱) والاظهر منه الصد عن طاعة الرسول لان تمام الصلاح فی الارض بالطاعة (کبیر ص۳۶۶ ج۱) **۷۱** اولٰئک سے اشارہ فاسقین کی طرف ہے۔ هم ضمیر فصل حصر کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات سے متصف فاسقین ہی نقصان اٹھانے والے ہیں اور حصر کمال نقصان کے اعتبار سے ہے کیونکہ دولتِ ایمان کی محرومی کی وجہ سے وہ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں خسارے میں رہے **۷۲** مشرکین کے دونوں شبہات کا جواب دینے کے بعد یہاں سے پھر اصل دعویٰ توحید کی طرف رجوع ہے اور مزید دلائل سے اسے ثابت کیا گیا ہے۔ استفہام تعجب اور انکار کیلئے ہے اور تکفرون کے معنی تشرکون کے ہیں یعنی ایسے واضح دلائل کی موجودگی میں تم کس طرح اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ بعد نصب الدلائل ووضوح البرهان ثم ذکر الدلائل (معالم ص۳۷ ج۱) کیف تکفرون باللہ ای کیف تعبدون معه غیره (ابن کثیر ص۶۷ ج۱) دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کی موجودگی میں تمہارا شرک کرنا نہایت ہی قابل تعجب ہے۔ تم جانتے ہو کہ محیی و ممیت، خالقِ ارض وسما اور عالم کل شیٔ اللہ ہی ہے اور یہ اوصاف کسی میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا یعنی تم بے جان نطفے تھے نطفًا فی اصلاب آبائکم (معالم) فَاَحْیَاكُمْ تمہیں زندگی دی اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے تمام ضروریات مہیا کیں۔ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ پھر جب تمہاری مقررہ عمریں پوری ہوجائیں گی وہ تمہیں ماریگا۔ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ پھر قیامت کے دن وہ تم سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے لئے تم اس کے سامنے لائے جاؤ گے۔ **۷۳** کائنات ارضی کو تمہارے لئے پیدا کیا تاکہ تم اس سے مادی فوائد حاصل کرو، اور اس میں غور وخوض کرکے خالق کی قدرت وصنعت کا اندازہ لگاؤ، زمین میں ہمارے صرف دنیوی فائدے ہی نہیں بلکہ اس میں دینی فائدے بھی ہیں اور سامانِ آخرت بھی۔ واما قوله لکم فهو یدل علی ان المذکور بعد قوله خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر ص۳۸۵ ج۱) ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ۔ استویٰ کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کے معنی قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے ہیں۔ استوی الیٰ ای اقبل (قرطبی ص۲۵۵ ج۱) زمین پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ تسویہ سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کو بالکل اور مکمل بنایا اور ان میں کسی قسم کی درز یا شکن باقی نہ رہنے دی۔ ومعنی تسویتهن تعدیل خلقهن واخلاؤه من العوج والفطور واتمام خلقهن (کبیر ص۳۸۵ ج۱) وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ جس طرح وہ تمام کائناتِ ارضی وسماوی کا خالق ہے اسی طرح وہ سارے عالم کے ذرّہ ذرّہ کو جانتا ہے اور زمین وآسمان کی کوئی چیز اس کے علم محیط سے باہر نہیں۔ اس آیت کی ابتداء یعنی هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ میں مبتدا اور خبر ہردو کے معرفہ ہونے کی وجہ سے حصر ہے پھر ثُمَّ اسْتَوٰۤی خَلَقَ پر معطوف ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ پر معطوف ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کلام کی ابتداء میں حصر ہو تو اس کے باقی اجزاء میں بھی حصر ہو گا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی زمین وآسمان کا خالق وکارساز ہے اور صرف اللہ ہی ہر چیز کا عالم ہے۔

نتیجہ:۔ جب تم جانتے ہو کہ موت وحیات خدا کے قبضہ میں ہے، زمین وآسمان کا خالق بھی وہی ہے اور ہر ظاہر وچھپی ہوئی چیز کا جاننے والا بھی وہی ہے۔ جب یہ سب کام اسی کے ہیں اور ان میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر عبادت اور پکار میں اوروں کو کیوں اس کا شریک بناتے ہو نیز تمام دینی ودنیوی نعمتیں بھی اسی ہی نے عطا کی ہیں اور بغیر مانگے دی ہیں تو پھر وہ کونسی چیزیں ہیں جو وہ نہیں دے سکتا اور تم وہ غیروں سے مانگتے ہو۔ کوئی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو پکار رہا ہے، کوئی ملائکہ مقربین سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے اور کوئی جنوں کے یہاں پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ حالانکہ کوئی ناری یا خاکی خدا کا شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جو زمین وآسمان کا خالق ومالک اور ہر چیز کا عالم ہو مگر نوریوں، ناریوں اور خاکیوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ **۷۴** اِذْ ظرف کا عامل یہاں محذوف ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے یہاں اُذْكُرْ محذوف مانا ہے کیونکہ بعد میں آنے والا قَالُوْۤا اس میں عامل ہے۔ اور ظروف کے عوامل کا ان پر مقدم ہونا جائز ہے۔

خَلِیْفَةً خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ اس کے فرائض سنبھالے۔ الخلیفة من یخلف غیره ویقوم مقامه (کبیر ص۳۸۷ ج۱) **۷۵** فرشتوں کا سوال بطور اعتراض یا بنی آدم سے بوجہ حسد کے نہیں تھا بلکہ محض استفسار اور استکشاف کے طور پر تھا۔ لیس علی وجه الاعتراض علی اللہ ولا علی وجه الحسد لبنی آدم کما قد یتوهمه بعض المفسرین (ابن کثیر ص۶۹ ج۱) اور بنی آدم کے متعلق فساد برپا کرنے اور خون ریزی کرنے کا نظریہ انہوں نے ان کو جنوں پر قیاس کرکے قائم کیا تھا کیونکہ پہلے زمین پر جن آباد تھے اور ان کا فساد فی الارض خون ناحق فرشتے دیکھ چکے تھے۔ تو انہوں نے خیال کیا کہ بنی آدم جنہیں اب خلیفہ بنایا جائیگا وہ بھی ایسے ہی ہونگے۔ **۷۶** قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ قول الملائکة نحن نسبح بحمدك یرجع الی نفی النقص فی ملکه تعالیٰ فی الحال وقولهم نقدس لك یرجع الی نفسه فی المستقبل فرشتوں کا یہ قول بھی فخر وغرور کی بنا پر نہیں تھا بلکہ محض نیاز مندی کے اظہار کے طور پر تھا جس طرح ایک مخلص خادم اپنے آقا سے کہتا ہے کہ حضور یہ خدمت آپ جس کے سپرد کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا صحیح حق ادا نہیں کر سکے گا۔ میں جو ہمیشہ سے آپ کا مخلص خادم ہوں اور ہر وقت خدمت میں کمربستہ رہتا ہوں یہ خدمت آپ میرے ہی سپرد کردیں۔ بعینہٖ یہی طریقہ فرشتوں نے اختیار کیا تھا۔ لیس المقصود الا الاستفسار عن المرجح لا العجب والتفاخر (روح ص۲۲۲ ج۱) اعلی طریقة من یجد فی خدمة مولاه وهو یامر بها غیره اتخدم العصاة وانا مجتهد فیها (ابوالسعود ص۲۵ ج۱) **۷۷** فرشتوں کا علم محدود تھا۔ سابقہ تجربہ کی بنا پر وہ صرف یہ اندازہ تو لگا سکے کہ یہ نئی مخلوق فسادی اور خونریز ہوگی مگر اس مخلوق کی دوسری خوبیوں اور اسکے پیدا کرنے کی دیگر مصلحتوں سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے پیدا کرنے میں جو مصالح پوشیدہ ہیں انہیں تم نہیں جانتے ہو۔ ای اعلم من الحکم فی ذلك ما هو خفی علیکم یعنی یکون فیهم الانبیاء والاولیاء والعلماء (مدارك ص۳۲ ج۱) ای اعلم من المصلحة الراجحة فی خلق هذا الصنف علی المفاسد التی ذکرتموها ما لا تعلمون انتم (ابن کثیر ص۶۹ ج۱) حاصل یہ ہے کہ ان میں فسادی اور خون ریز بھی ہونگے لیکن ان میں جو خوبیاں ہوں گی وہ ان مفاسد پر راجح ہوں گی۔ وہ یہ کہ ان میں انبیاء اور رُسل ہونگے، صدیقین اور شہداء ہوں گے، اولیاء اور علماء ہوں گے۔ انسان کی خلقت میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ انسان صفات خداوندی کا مظہر بنا۔ اگر انسان کو پیدا نہ کیا جاتا تو خداوند تعالیٰ کی صفات مثلاً رزاقیت، جباریت، غفاریت وغیرہ کا ظہور نہ ہوتا۔ **۷۸** فرشتوں کے سوال کا اجمالی جواب تو گزر چکا اب ان کے مزید اطمینان کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کی اس برتری کا عملاً اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہاں کُلّ استغراق حقیقی کے لئے نہیں بلکہ کل اضافی ہے اور اس سے مراد وہ ضروری اشیاء ہیں جو آدم علیہ السلام کے مناسب تھیں ہر چیز مراد نہیں کما فی قوله تعالیٰ یاخذ کل سفینة غصبًا واوتیت من کل شیء، ففتحنا علیهم ابواب کل شیء اسماء سے اشیاء

کے خواص اوران کی تاثیرات مراد ہیں۔ المراد بالاسماء صفات الاشیاء ونعوتہا وخواصہا (روح ص۲۲۲ ج ۱) اورتعلیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کی استعداد رکھ دی تھی اور انہوں نے اس فطری استعداد کے ذریعے ان اشیاء کے خواص واوصاف بیان کردیئے۔ لہٰذا آدم ؑ کی یہ برتری ان کی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ فطری استعداد کے علاوہ ان کو علم دیا گیا تھا کیونکہ اس طرح یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ جب ان اشیاء کا علم حضرت آدم ؑ کو دیدیا تو اس میں ان کا کیا کمال ہے؟ اور فرشتوں کو نہیں دیا تو اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ ۷۹ پھر وہ اشیاء فرشتوں کے سامنے پیش کرکے ان سے سوال کیا کہ وہ ان اشیاء کے خواص بتائیں۔ ۸۰ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ ہماری موجودگی میں جو ہر وقت اللہ کی تسبیح وتقدیس اور تحمید وتمجید میں مصروف رہتے ہیں کسی اور مخلوق کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں جس سے فساد اور خونریزی کا اندیشہ ہو۔ ۸۱ فرشتوں نے اپنے عجز اور قصور علم کا اعتراف کرلیا کہ اے اللہ! ہمیں تو صرف وہی چیزیں معلوم ہیں جن کا علم تو نے ہمیں ہماری استعداد کے

أَنۢبِئۡهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡ

بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام ۸۲ پھر جب بتا دیئے اس نے ان کے نام

قَالَ أَلَمۡ أَقُل لَّكُمۡ إِنِّيٓ أَعۡلَمُ غَيۡبَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی

وَٱلۡأَرۡضِ وَأَعۡلَمُ مَا تُبۡدُونَ وَمَا كُنتُمۡ

اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو

تَكۡتُمُونَ ﴿٣٣﴾ وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ

چھپاتے ہو ۸۳ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو

لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ أَبَىٰ وَٱسۡتَكۡبَرَ وَ

آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور

كَانَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلۡنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسۡكُنۡ أَنتَ

ہوگیا وہ کافروں میں کا ۸۵ اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو

وَزَوۡجُكَ ٱلۡجَنَّةَ وَكُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا

اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو

وَلَا تَقۡرَبَا هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ

اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے

ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيۡطَٰنُ عَنۡهَا فَأَخۡرَجَهُمَا

ظالم ۸۶ پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے ۸۷ پھر نکالا ان کو

مِمَّا كَانَا فِيهِۖ وَقُلۡنَا ٱهۡبِطُواْ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ

اس عزت وراحت سے جس میں تھے ۸۸ اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے

عَدُوّٞۖ وَلَكُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ مُسۡتَقَرّٞ وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ

دشمن ہوگے ۸۹ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک

مطابق عطا فرمایا ہے اور جو چیزیں ہماری قابلیت اور استعداد سے بالا ہیں ان کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ لا علم لنا الا ما علمتنا بحسب قابلیتنا من العلوم المناسبة لعالمنا ولا قدرة لنا علی ما هو خارج عن دائرة استعدادنا (ابوالسعود ص۲۲۶ ج ۱) ۸۲ تو ہی علیم وحکیم ہے۔ تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، مختلف مخلوق میں مختلف استعدادیں رکھنے کی حکمت کو تو ہی اچھی طرح جانتا ہے۔ ۸۳ جب فرشتوں نے اپنے عجز اور قصور علم کا اعتراف کرلیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے وہی سوال ان پر پیش کیا گیا۔ ۸۴ میں تمہاری حقیقت کو اور تمہارے ظاہری اور باطنی حالات کو اچھی طرح جانتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ تمہاری حقیقت اور ہے اور انسان کی حقیقت اور ہے۔ یہاں تک فرشتوں کا عجز، قصور علم اور کمالات میں حضرت آدم علیہ السلام سے فروتر ہونا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ خود فرشتوں کے اپنے اقرار سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے اعلان سے بھی جب اس نوری مخلوق کے عجز اور قصور علم کا یہ حال ہے اور وہ آدم ؑ سے بعض کمالات میں کم بھی ہیں تو پھر وہ خدا کے شریک کس طرح بن سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں متصرف ومختار اور عالم الغیب مت سمجھو اور انہیں غائبانہ مت پکارو۔ نیز فرشتے تو خود نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کا اعلان کرکے خدا کی توحید کا اقرار اور شرک کی تردید کررہے ہیں اور تم انہی کو خدا کا شریک بنا رہے ہو۔ ۸۵ فرشتوں کو سجدہ کا حکم، ان کے عجز ونیاز کا اظہار اور حضرت آدم علیہ السلام کی ان پر برتری ثابت کرنے کے لئے دیا گیا۔ سجدہ سے مراد شرعی سجدہ ہے۔ یہ حکم اس خاص وقت میں نوریوں کو ہوا تھا کہ وہ آدم ؑ کو سجدہ کریں۔ یہ حکم فرشتوں ہی سے مخصوص تھا اب اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو سجدہ کرے یا لِاٰدَمَ کا لام بمعنی اِلٰی ہوگا تو اس صورت میں مسجود حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہوگا اور حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت قبلہ کی ہوگی جیسا کہ ہم شب وروز بیت اللہ کی طرف سجدہ کرتے رہتے ہیں (روح ص۲۲۹ ج ۱) سجدہ غیر اللہ کی پوری تحقیق سورۂ یوسف کی تفسیر میں آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ لیکن اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ سجدہ شرعی نہیں تھا

۱۔ ابلیس اور اس کی ذریت بھی پکارنے کے لائق نہیں کیونکہ وہ تمہارے پرانے دشمن ہیں۔ ۱۲

۲۔ آدم اور حوا علیہما السلام بھی پکارنے کے لائق نہیں۔ کیونکہ وہ غیب دان نہیں۔ ۱۲

بلکہ لغوی تھا اور اس سے مراد صرف عجز وانکسار کا اظہار تھا۔ وقیل المعنی اللغوی ولم یکن فیه وضع الجباه بل کان مجرد تذلل وانقیاد (روح ص۲۲۹ ج ۱) فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ اللہ کے اس حکم کی تمام فرشتوں نے فوراً تعمیل کی لیکن ابلیس اکڑ گیا۔ أَبَىٰ وَٱسۡتَكۡبَرَ۔ اس نے کبر وغرور کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے برتر سمجھا۔ وَكَانَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ اور اللہ کے علم میں وہ ازلی بدبخت تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان کے بعد کفر کریگا۔ اور یا کَانَ بمعنی صَارَ ہے یعنی انکار اور استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہوگیا۔ یہاں فرشتوں کے پجاریوں پر ایک حقیقت واضح کردی کہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کیلئے ان کے سامنے جھکنے کا حکم ملا تھا۔ جو مخلوق تمہارے دادا کی تعظیم پر مامور کی گئی اب تم اس کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ اور اپنی خودی کو کیوں برباد کرتے ہو؟ جو لوگ جنات کو پوجتے ہیں وہ بھی غور کریں کہ جنات تو پہلے دن سے انسانوں کے دشمن ہیں اور ان کی دشمنی بالکل واضح ہے پھر ان کو وہ خدا کا شریک بناتے اور خدا کے سوا کارساز سمجھتے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوۡلِيَآءَ مِن دُونِي وَهُمۡ لَكُمۡ عَدُوُّۢ (سورۂ کہف) ۸۶ زوجہ سے مراد مائی حوا ہیں جنہیں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی دلجوئی اور تسکین خاطر کے لئے پیدا فرمایا۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اور جنت کے پھلوں اور میووں میں سے جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ قرآن سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت کے ایک مخصوص متعین درخت سے روکا گیا مگر قرآن یا حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ کونسا درخت تھا اور نہ ہی اس تعیین کی کوئی ضرورت ہ۔ واعلم انه لیس فی الظاهر ما یدل علی التعیین فلا حاجة ایضًا الی بیانه (کبیر ص۲۵ ج۱) فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہ ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کی نافرمانی کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں یعنی اگر تم نے شجر ممنوعہ کھا لیا تو تم نافرمانوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ۵۵ شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے بغض و حسد تو پہلے ہی سے پیدا ہو چکا تھا اس لئے وہ ہمیشہ تاک میں رہا کہ کسی نہ کسی طرح ان سے انتقام لے چنانچہ اسے موقع ملا تو اس نے حضرت آدم و حوا کو پھسلانا اور بہکانا شروع کیا اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلا دیا کہ یہ درخت جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے یہ شجرۃ الخلد ہے کہ اگر تم اسے کھا لو گے تو تمہیں کبھی بھوک اور پیاس نہیں لگے گی۔ اور تم کبھی نہیں مرو گے۔ چونکہ خدا کی صریح نہی کی مخالفت حضرت آدم علیہ السلام سے ممکن نہیں تھی اس لئے شیطان ملعون نے اس کی ایک تاویل بھی سکھا دی اور کہا کہ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے ذریعے خدا نے تمہیں صرف اس مشخص اور مشارٌ الیہ درخت سے منع فرمایا ہے اس کی جنس سے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا تم اس مشار الیہ درخت کے قریب مت جاؤ۔ اور اس کی جنس کے باقی درختوں کے پھل بخوشی استعمال کرو۔ اکلا من غیر التی اشیر الیه فلم یتأولا النهی واقعًا علی جمیع جنسها فان ابلیس غرّ بالظاهر (قرطبی ص۳۰۵ ج۱)

۵۵ اس طرح جس انعام و اکرام کی دنیا میں وہ تھے اس سے شیطان نے انہیں نکال کے ہی دم لیا۔ ای من النعیم والکرامة او من الجنة۔ (روح ص۲۳۶ ج۱) یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کا عجز و قصور علم بھی عیاں ہو گیا کہ وہ شیطان ملعون کی چالوں کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور اپنے آپ کو اس لغزش سے نہ بچا سکے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی معبود نہیں بن سکتے۔ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو مالک و مختار بھی ہو اور ہر چیز کا عالم بھی۔

خدا کے تمام پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ مگر یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کی نافرمانی کس طرح کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت اور لغزش میں فرق ہے معصیت تو یہ ہے کہ نافرمانی کی نیت سے بالارادہ خدا کے حکم کو ٹھکرایا جائے یہ چیز عصمت کے منافی ہے اور اس کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ناممکن اور محال ہے۔ اور لغزش وہ فعل ہے جو بلا قصد و ارادہ مخالفت اللہ کے حکم کے بظاہر خلاف سرزد ہو جائے ایسی لغزش کا صدور عصمت کے منافی نہیں اور اس کا وقوع انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے۔ وهذا دلیل علی انه یجوز اطلاق اسم الزلة علی الانبیاء علیهم السلام کما قال مشائخ بخاری فانه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین۔ (مدارک ص۳۲ ج۱) لیکن انبیاء علیہم السلام کو ان کی لغزشوں پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا اگر لغزش کا تعلق احکام سے ہو تو بذریعہ وحی انہیں اطلاع دیکر اس کی تلافی کرا دی جاتی ہے اور اگر اس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے تو اس کی تلافی استغفار سے کرا دی جاتی ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی لغزش سرزد ہوئی۔ اس کے صدور میں ان کے قصد و ارادہ خلاف کو قطعًا کوئی دخل نہیں تھا چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں خود اللہ نے اس کی تصدیق فرما دی ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ یعنی آدم اس معاملہ میں بھول گئے تھے، عزم و ارادہ سے انہوں

حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

وقت تک ۵۵ پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں ۵۵ ۵۱ پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ۵۵ ۵۱ ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے

جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

تم سب پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت ۵۵ تو جو چلا

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے ۵۵

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا میری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۵۵ اے بنی اسرائیل ۵۶

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ ق

میرا قرار تو میں پورا کروں تمہارا قرار ۵۵ اور مجھ ہی سے ڈرو ۵۵ اور

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا

مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ۵۵ سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو

اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ

سب میں اول منکر اس کے ۵۵ اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا ۵۵ اور مجھ ہی سے

فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا

بچتے رہو ۵۳ اور مت ملاؤ صحیح میں غلط کو ۵۵ اور مت چھپاؤ

موضح قرآن ۵۱ یعنی آدم کے دل میں اللہ نے کئی لفظ ڈال دیئے جو اس طرح پکارا تو بخشا گیا اور یہ لفظ سورہ اعراف میں ہیں۔ ۵۲ بنی اسرائیل کہتے ہیں اولاد حضرت یعقوب کو انہی میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور توریت اتری اور فرعون سے خلاص کر کر ملک شام میں بسایا ان سے اللہ تعالیٰ نے قرار کیا تھا کہ حکم توریت پر قائم رہوگے اور جو نبی میں بھیجوں سکے مددگار رہوگے تو ملک شام تم کو رہیگا پھر وہ گمراہ ہوئے یعنی بدنیت ہوئے رشوت لیتے اور مسئلہ غلط بتاتے اور خوشامد کیواسطے حق بات چھپاتے ان سے اپنی ریاست چاہتے پیغمبر کی اطاعت نہ کرتے اور پیغمبر کی جو صفت توریت میں لکھی تھی بدل ڈالی اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے اپنے احسان اور ان کی نافرمانی۔ ۵۳ توریت میں نشان بتایا تھا کہ جو کوئی نبی اٹھے اگر توریت کو سچا کہے تو جانو وہ سچا نہیں تو جھوٹا ہے اور آیتوں پر تھوڑا مول یہ کہ دنیا کی محبت سے دین مت چھوڑو۔ فتح الرحمٰن ۔ ۵۱ وآں کلمات این اند رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۱۲۔ ۵۲ مترجم گوید خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل را نعمتہا ، خود یاد داد و معجزہ ہا کہ دریں قوم ظاہر شدہ بود ذکر فرمود آں گاہ شبہات او معجزات ایشاں وارد کرد بدلائل دریں قصہ ممتد است تا قولہ تعالیٰ واذ ابتلیٰ ابراہیم ربہ ۱۲

ے ایسا نہیں کیا **٨٩** یعنی اب تم یہاں نہیں رہ سکتے۔ شجرہ ممنوعہ نے تمہارے اندر ایسے اعراض پیدا کر دیئے ہیں کہ جنت ان کے اظہار کی جگہ نہیں ان کے لئے مناسب مقام زمین ہے اب وہاں چلے جاؤ۔ ان اعراض نفسانیہ میں سے ایک بغض و حسد ہے جو عداوت اور دشمنی کا بیج ہے نیز جس حکمت کے پیش نظر تخلیق آدم معرض وجود میں آئی تھی اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ اب وہ زمین میں جا کر خلافت کے فرائض سرانجام دیں **٩٠** اب تمہاری زندگی کا بیا دنیا ہوتا ہے۔ اب تم زمین پر جا رہو۔ اور وہیں تمہاری اولاد ہوگی، وہیں زندگی بسر کرے گی اور ہمارے انعامات سے متمتع ہوگی۔ **٩١** یہ اگرچہ ایک لغزش تھی لیکن حضرت آدم علیہ السلام چونکہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے اس لئے انہوں نے اسے بہت محسوس کیا اور اللہ کے حضور میں روئے تو اللہ نے اس دوران میں ان کے دل میں کچھ دعائیہ کلمات الہام فرما دیئے۔ یہ کلمات وہی ہیں جو قرآن مجید میں دوسری جگہ موجود ہیں جو پچھلے صفحے میں تحریر ہوئے فَتَابَ عَلَيْهِ ط تو اللہ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا۔ اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ **٩٢** وہ تائب کی صرف توبہ ہی قبول نہیں فرماتا بلکہ مزید مہربانی اور انعام سے نوازتا ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ یہ حکم حضرت آدم و حوا اور ان کی تبعیت میں ان کی اولاد کو مل رہا ہے یہ حکم دوبارہ اس لئے دہرایا ہے کہ اب اس پر خلافت کی حکمت مرتب کرے اور خدا کی طرف سے آنے والے دستور خلافت کی پیروی کی ترغیب دے اور نہ ماننے والوں کو عذاب کی دھمکی سنائے۔ الامر بالھبوط ثانی بعد التوبۃ لان الامر بہ کان تحقیقا للوعد المتقدم فی قولہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (کبیر ص ٢٧ ج ١) **٩٣** ھُدًی سے مراد انبیاء ورسل ہیں جو پیغام توحید لے کر ان کے پاس آئیں گے۔ **٩٤** یعنی آخرت میں انہیں کوئی ڈر خطرہ ہوگا اور نہ گذشتہ پر انہیں غم اور افسوس ہوگا۔ یہ ہدایت کے متبعین کے لئے بشارت ہے۔ آگے منکرین کے حشر کا بیان ہے۔ **٩٥** کفر سے مراد دل سے انکار ہے اور تکذیب سے زبانی انکار مراد ہے فیراد بالکفر بالآیات انکارھا بالقلب وبالتکذیب انکارھا باللسان ___ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ خلود سے مراد یہاں دوام ہے یعنی وہ عذاب جہنم میں ابدالآباد مبتلا رہیں گے۔ والخلود ھٰھنا الدوام علی ما انعقد علیہ الاجماع (روح ص ٢٤٠ ج ١)

بنی اسرائیل کو دعوت

شروع میں یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کے خطاب عام کے ذریعے تمام انسانوں کو توحید کی دعوت عام دی گئی عقلی دلیل سے دعویٰ توحید کو مدلل اور واضح کیا گیا۔ اور دعویٰ توحید سے متعلق دو شبہات کا نہایت تسلی بخش طریقہ سے ازالہ کر کے ثابت کیا گیا کہ نہ فرشتے پکارنے کے لائق ہیں نہ انبیاء علیہم السلام اور نہ جنات۔ اب اگلی آیت سے روئے سخن یہودیوں کی طرف پھیر دیا گیا ہے ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلی سورت جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سورۃ البقرۃ تھی۔ مدینہ اور اس کے گرد ونواح میں یہودیوں کی کافی آبادی تھی۔ ان میں بڑے بڑے نواب، علماء، پیر اور درویش موجود تھے۔ عوام کو ان سے محبت تھی۔ بلکہ مشرکین مکہ بھی ان کا احترام کرتے تھے اس لئے ان مولویوں اور پیروں کی اصلاح سے پوری قوم کی اصلاح ہو سکتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس میں جا بجا یہودیوں کو خطاب فرمایا۔ اور انکی اصلاح کیلئے حکیمانہ پند ونصیحت کے مختلف طریقے اختیار فرمائے کہیں نرمی سے سمجھایا ہے کہیں سختی سے۔ کہیں وعدۂ انعام کے ساتھ اور کہیں وعید انتقام کے ساتھ، کہیں تو ان پر اور ان کے آباء واجداد پر کئے گئے احسانات جتلا کر انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی ہے اور کہیں ان کے غلط کار باپ دادوں کا برا انجام یاد دلا کر انہیں ڈرایا ہے تاکہ وہ ضد وعناد اور انکار حق سے باز آجائیں کہیں ان کی شرارتوں اور خباثتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے بے پایاں عفو ودرگزر کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ان کا جذبۂ سپاس گزاری بیدار ہو اور ان میں غیرت وحیا کا کچھ احساس پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ناصح مہربان اور حکیم ہے اس لئے اس نے یہودیوں کے عوام وخواص کی اصلاح پند ونصیحت کا ہر ممکن انداز اختیار فرمایا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح راہ راست پر آجائیں۔ اور دعوت حق قبول کرلیں۔ اور اگر وہ ضد وانکار پر ڈٹے رہے تو حجت خداوندی ان پر قائم ہو جائے۔ پانچویں رکوع کی ابتداء یعنی یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ سے لیکر پندرھویں رکوع میں وَلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ تک بنی اسرائیل کی اصلاح کے عمومی پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے اور پھر وہاں سے مسئلہ رسالت ونبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ اصلاح کے عمومی پہلو کے سلسلے میں تذکیر وارشاد کیلئے پانچ طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

(١) یہودیوں کے باپ دادوں پر کئے گئے انعامات کا ذکر (٢) ان کے باپ دادوں کی خباثتوں کا ذکر (٣) نزول قرآن کے وقت موجودہ بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کا ذکر (٤) ان کی بداعمالیاں تو ایک طرف رہیں ان کے باپ دادا توحید بیان کرنے والے پیغمبروں کو قتل کرتے رہے اور ان کو جھٹلاتے رہے اس کا ذکر (٥) ان کے آباء واجداد کا ذکر چھوڑ موجودہ بنی اسرائیل کا یہ حال ہے کہ آخری پیغمبر جب آگیا تو یہ اسکو جھٹلانے لگے۔ حالانکہ اس کے آنے سے پہلے اس کی آمد کی خوشخبری دیا کرتے تھے، ان کی مخالفت کا ذکر۔

اصلاحی پروگرام

اس سلسلے کے آغاز میں بنی اسرائیل کے سامنے آٹھ اوامر اور چار نواہی پر مشتمل ایک اصلاحی پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ **٩٦** اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اللہ کا بندہ"۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ اور بنی اسرائیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ اور یہاں بنی اسرائیل سے ان یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے جو مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں آباد تھے ___ اُذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ پند ونصیحت سے پہلے انعامات کا ذکر نہایت ہی مؤثر حکمت عملی ہے اور یہاں نعمت اسم جنس ہے اور اس سے مراد وہ مادی اور روحانی انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کئے مثلاً دولت حکومت نبوت اور دوسرے وقتی انعامات جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا ۖ وَّاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ مائدہ ع٤) ان انعامات کی کسی قدر تفصیل آگے آرہی ہے۔ **٩٧** یہ دوسرا امر ہے یہاں لفظ عہد دونوں جگہ مصدر ہے اور دونوں جگہ اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور فاعل محذوف ہے۔ ای وَاَوْفُوْا بِعَھْدِکُمْ اِیَّایَ اُوْفِ بِعَھْدِیْٓ اِیَّاکُمْ یعنی جو عہد تم نے میرے ساتھ کیا تھا تم اسے پورا کرو تو جو عہد میں نے تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے میں اسے پورا کروں گا۔ وھو المفھوم من کلام قتادۃ ومجاھد ان کلیھما مضاف الی المفعول ___ ان فسر الایفاء باتمام العھد تکون الاضافۃ الی المفعول فی الموضعین (روح ص ٢٤٢ ج ١) بنی اسرائیل نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والے آخری نبی پر ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ معاف کرنے اور انہیں جنت میں داخل کرنے کا عہد کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ ان اللہ تعالیٰ کان عھد الی بنی اسرائیل فی التوراۃ انی باعث من بنی اسماعیل نبیا امیا فمن تبعہ وصدق بالنور الذی یاتی بہ ای بالقرآن غفرت ذنبہ وادخلتہ الجنۃ الخ (کبیر ص ٢٩٣ ج ١، معالم ص ٤٢ ج ١) یا مراد وہ عہد ہے جو آیت ذیل میں مذکور ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۚ (سورہ مائدہ رکوع ٣) وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ یہ تیسرا امر ہے۔ جب تمہارا منعم حقیقی اور محسن حقیقی میں ہی ہوں تو صرف مجھ ہی سے ڈرو، اگر تم مجھ سے ڈر کر میرے احکام کی تعمیل کرنے لگ جاؤ گے تو کوئی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ **٩٨** یعنی جو کتاب میں نے اتاری ہے اور جو پیغمبر میں نے بھیجا ہے جن کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے ان پر ایمان لاؤ۔ یہ چوتھا امر ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا جو دین تورات کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے۔ قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ تصدیق کرنے سے مراد یہ ہے کہ توحید ورسالت اور دیگر عقائد جو تورات میں پیش کئے گئے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے ذریعے وہی دعوت اور وہی عقائد پیش کئے ہیں۔ ای موافقا لما معکم من التوراۃ فی التوحید والنبوۃ والاخبار ونعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (معالم ص ٣٤ ج ١) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ صرف اللہ ہی کو مالک ومختار اور متصرف وکارساز سمجھیں اور حاجات ومشکلات میں صرف اسے ہی نصرت ومدد کیلئے پکاریں چنانچہ تورات کا یہ حوالہ خود قرآن نے پیش کیا۔ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ

وکیلاط (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ا) تورات کے اس مضمون کی قرآن مجید نے کئی جگہ تصدیق کی ہے چنانچہ سورۂ مزمل میں ارشاد ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی اللہ کے سوا کوئی ہر قسم کی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا حاجات و مشکلات میں کوئی ملجا و ماویٰ نہیں لہٰذا اسے ہی پکارو، اسے ہی اپنا کارساز سمجھو ضرورتوں اور مصیبتوں میں اسی ہی کی طرف رجوع کرو۔ ۹۹ یہ پہلی نہی ہے۔ کافر لفظاً مفرد ہے لیکن معنیٰ جمع ہے۔ معناہ اول من کفر بہ او اول فریق او فوج کافر بہ (کبیر صفحہ ۴۹۰ ج ا، قرطبی ص ۳۳۳ ج ۱) ان یہودیوں سے پہلے مشرکین عرب دعوتِ توحید کا انکار کرچکے تھے پھر انہیں سب سے پہلے انکار کرنے والے کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ پر نزول قرآن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ تورات میں مذکور تھے۔ آپ کی بعثت سے پہلے یہودی عالم آپ کے ظہور کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔ اور ان کو تورات کی وہ آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے جن میں قرآن اور صاحبِ قرآن کا ذکر ہوتا تھا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ بہت پہلے قرآنی دعوت کو قبول کرتے مگر اس کے برعکس انہوں نے جانتے پہچانتے اس کا انکار کر دیا۔ اب ان کے مریدین اور مقتدین نیز ان کی اولاد ان کی دیکھا دیکھی کفر و انکار کرے گی۔

الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

سچ کو جان بوجھ کر اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو

الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ

زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ کیا حکم کرتے ہو

النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ

لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو ۱۰۲ اور تم تو

تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو اور مدد چاہو

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى

صبر سے اور نماز سے ۱۰۳ اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

عاجزوں پر جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں ۱۰۴

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا

اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۱ اے بنی اسرائیل یاد کرو

نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

میرے احسان جو میں نے تم پر کئے ۱۰۵ اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

تمام عالم پر اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے

شَيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ

کچھ بھی ۱۰۶ اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے بدلہ اور

لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

نہ ان کو مدد پہنچے ف۲ اور جب چھڑا دیا ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے ۱۰۷

ھدا امر خامس ۱۲ — ھدا امر سادس ۱۲ — ۳ امر سابع ۱۲ — ۴ امر ثامن ۱۲

ع ۵ ۵

فان وظیفتکم ان تکونوا اول من اٰمن بہ لما انکم تعرفون حقیقۃ الامر (روح صفحہ ۲۲۴ ج ا) ۱۰۰ یہ دوسری نہی ہے۔ یہودیوں کے علماء اور پیروں کی ساکھ اپنی قوم میں خاصی مضبوط تھی۔ عوام کو ان کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت تھی۔ عوام ہمیشہ ان کی خوشنودی کے لئے انہیں نذریں نیازیں پیش کیا کرتے تھے۔ علمائے یہود کو یقین تھا کہ اگر ان کے عوام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا تو ان کی ریاست اور شان و شوکت خاک میں مل جائیگی اور ان کی نذر و شیرینی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ تورات کی ان آیتوں کو اپنے عوام سے چھپانے لگے جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کی صفات و علامات بیان کی گئی تھیں۔ یہاں اسی کرتوت سے علماء یہود کو روکا گیا ہے اور لفظ اشترا یہاں اپنے حقیقی معنوں میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد محض ترجیح اور استبدال ہے۔ یعنی ایک چیز کی جگہ دوسری چیز کو اختیار کرنا۔ اس آیت میں دنیوی دولت اور رفاہی منافع کو اظہارِ حق پر ترجیح دینے کو اشترا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ثمناً کے ساتھ لفظ قَلِيْلًا بڑھانے سے دولتِ دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ ہے یعنی میری آیتوں کے عوض تم جو رقم وصول کرتے ہو، وہ میری آیتوں یا دولتِ آخرت کی نسبت نہایت قلیل اور حقیر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی آیتوں کو تھوڑی رقم کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے اور زیادہ رقم کے عوض جائز ہے۔ (من الکبیر ص ۲۹۱ ج ا والروح ص ۲۴۵ ج ا وغیرہما) حق چھپا کر پیٹ کا جہنم بھرنے کی یہ سنت آج بھی جاری ہے۔ یہودیوں کی طرح بہت سے مولوی اور پیر آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو لوگوں کو گیارھویں شریف کی ترغیب تو دیتے ہوں گے۔ اپنے دادا کی قبر پر حاضر ہو کر چڑھاوے اور نذریں پیش کرنے کی تلقین کرتے ہوں گے۔ حاجتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کی قبروں پر حاضری دیکر انہیں مدد کیلئے پکارنے کی تعلیم بھی دیتے ہونگے مگر اپنے مریدوں کے سامنے آپ نے انہیں قرآن مجید کی اُن آیتوں کا وعظ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا ہوگا جن میں اللہ نے غیر اللہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کو حرام کہا ہے اور جن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، میرے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں اس لئے میرے سوا حاجات و مشکلات میں کسی اور کو مت پکارو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یہودیوں کی طرح انہیں بھی یقین ہے کہ ان کی آمدنیاں بند ہو جائیں گی۔ اور ان کا جھوٹا وقار ختم ہو جائے گا۔ ۱۰۱ یہ تیسری نہی ہے وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ اس کا عطف تَلْبِسُوْا پر ہے اور یہ چوتھی نہی ہے۔ یہودی خود بھی کفر اور گمراہی میں مبتلا تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی ہر ممکن طریقہ سے گمراہ کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اس سے پہلی آیت میں خود یہود کو کفر و ضلالت سے باز رہنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس آیت میں انہیں دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اعلم ان قولہ سبحانہ وآمنوا بما انزلت امر بترك الکفر والضلال وقولہ ولا تلبسوا الحق بالباطل امر بترك الاغواء والاضلال (کبیر ص ۴۹۰ ج ا)

موضح القرآن ف۱ ذرا ہٹ پکڑ محنت سہارنے سے اور نماز سے یعنی اس کی عادت کرو تو سب کام دین کے آسان پڑیں ۱۲ ف۲ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں پکڑے نہ جاوینگے۔ ہمارے باپ دادے پیغمبر ہم کو چھوڑا

علمائے یہود عوام کو گمراہ کرنے کے لئے دو طرح کے حربے استعمال کرتے تھے جن لوگوں کو حضور علیہ السلام کی تورات میں بیان کی گئی صفات و علامات کا تھوڑا بہت علم تھا ان کے دلوں میں تو شبہات پیدا کرکے انہیں یقین دلا دیتے کہ یہ صفات و علامات اس پیغمبر پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ایسے لوگوں کی ہدایت کا جو ادنیٰ سا امکان پیدا ہوتا اسے وہ اس طرح ختم کر دیتے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ میں اسی کرتوت سے منع فرمایا ہے۔ اور جو لوگ بالکل ہی بے خبر اور جاہل تھے ان سے وہ حق بات کو چھپاتے تاکہ وہ اندھیرے ہی میں رہیں اور ان کی ہدایت پانے کا کوئی امکان پیدا ہی نہ ہو۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ میں اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم لبس و کتمان کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ خلق خدا کو گمراہ کرنا کتنا بڑا جرم ہے! اور اس کی سزا کس قدر سخت ہے اس لئے تمہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یہ پانچواں امر ہے۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ یہ چھٹا امر ہے۔ یعنی خود بھی ایمان لاؤ اور دوسرے لوگوں کو بھی ایمان لانے سے نہ روکو اور اس کے بعد اسلام کے دوسرے اعمال کی بھی پابندی کرو۔ بدنی اور مالی عبادتوں میں سب سے اہم نماز اور زکوٰۃ تھی اس لئے اس کا ذکر کر دیا۔ نیز ان دونوں عبادتوں میں ان کی بنیادی بیماری یعنی حُبِّ دنیا کا مکمل علاج تھا اس لئے ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ نماز سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے بغض و حسد کی بیماری سے دلوں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ سے حرص و طمع اور حُبِّ جاہ و مال سے نجات مل جاتی ہے۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ یہ ساتواں امر ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ پورے پورے اُمتِ محمدیہ میں شامل ہو جاؤ اور اسلام کے تمام احکام قبول کرلو۔ رَاكِعِيْنَ سے مراد امت محمدیہ کے نمازی ہیں کیونکہ رکوع امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ ای صلوا مع الذین فی صلوتہم رکوع (معالم ص۳۶ ج ۱) **۲۰۱۰** یہاں استفہام اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے یعنی تمہارا حال قابل تعجب ہے کہ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود نیکی نہیں کرتے ہو۔ یہ خطاب علمائے یہود سے ہے کہ وہ لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ تورات میں نبی کریم علیہ السلام کی صداقت کی نشانیاں موجود تھیں مگر انہوں نے آپ کو نہ مانا۔ ان الیہود کانوا یامرون غیرھم باتباع التوراۃ ثم انھم خالفوہ لانھم وجدوا فیھا ما یدل علی صدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم انھم ما اٰمنوا بہ (کبیر ص۴۹ ج ۱) بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب مشرکین مکہ یا یہودیوں کے مسلمان رشتہ داروں میں سے کوئی شخص پوشیدہ طور پر علمائے یہود سے حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھتا تو اسے کہتے کہ وہ پیغمبر سچا ہے اسے مان لو لیکن خود اسے نہیں مانتے تھے کیونکہ انہیں اپنی نذروں اور نیازوں کے بند ہو جانے کا ڈر تھا۔ اذا جاءھم احد فی الخفیۃ لاستعلام امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قالوا ھو صادق فیما یقول وامرہ حق فاتبعوہ وھم کانوا لا یتبعونہ لطمعھم فی الھدایا والصلات التی کانت تصل الیھم من اتباعھم (کبیر ص۴۹ ج ۱) نزلت فی علماء الیھود وذلک ان الرجل منھم کان یقول لقریبہ وحلیفہ من المومنین اذا سالہ عن امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اثبت علی دینہ فان امرہ حق وقولہ صدق (معالم ص۳۶ ج ۱) وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اور تم تو تورات کے عالم ہو۔ اور اسے پڑھتے رہتے ہو۔ اس میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و علامات مذکور ہیں نیز اس میں نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم ہے معناہ تقرءون التوراۃ وتدرسونھا و تعلمون ما فیھا من الحث علی افعال البر والاعراض عن افعال الاثم (کبیر ص۴۹ ج ۱) اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ تعجب ہے کہ مندرجہ بالا امور کے باوجود تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ **۱۰۳** یہ آٹھواں امر ہے علمائے یہود کے اسلام (مسئلۂ توحید) قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ان کی آمدنی تھی جو انہیں معتقدین کے ذریعے حاصل ہوتی تھی۔ نیز ان کی شان و شوکت اور ریاست و سیادت جو عوام پر قائم تھی اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان سب چیزوں سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ اور ساتھ ہی حرام خوری کی وجہ سے ان کے دل مُردہ ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں سے خوفِ خدا اور احساس حق بالکل محو ہو چکا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کا علاج بیان فرمایا۔ متصل بما قبلہ کانھم لما امروا بما یشق علیھم لما فیہ من الکلفۃ وترک الریاسۃ والاعراض عن المال عولجوا بذلک (بیضاوی ص۳۳) اصبر اور نماز کی پابندی سے تم حُبِّ جاہ و مال کے جذبہ کو دبا سکو گے کیونکہ جب تم نفس کو مرغوبات نفسانیہ سے روکنے کا پختہ ارادہ کرلوگے (اور یہی صبر کا مفہوم ہے) اور ساتھ ہی نماز کے پابند ہو جاؤ گے تو نماز کا خشوع اور اس میں اللہ کا ذکر اور وعد و وعید اور ثواب و عقاب کی یاد یہ سب چیزیں مل کر تمہارے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کرکے ان میں آخرت کی رغبت اور محبت بھر دیں گی (من الکبیر ص۴۹ ج ۱، الروح ص۲۴۹ ج ۱) مشہور ہے۔ من یتصبر یصبرہ اللہ۔

صبر آرد آرزو را شتاب   صبر کن واللہ اعلم بالصواب

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ــــ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ــــ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ــــ اِنَّهَا کی ضمیر صلوٰۃ کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد استعانت بالصبر والصلوٰۃ ہے جو ما قبل سے مفہوم ہے یعنی نفس کو مرغوبات سے روکنا اور اسے دنیا کے گوناگوں منافع اور بوقلموں تحائف کو ترک کرنے پر آمادہ کرنا بہت ہی شاق اور دشوار کام ہے۔ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ البتہ جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہے اور وہ احکامِ خداوندی کے سامنے جھک جاتے ہیں ان کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں کیونکہ انہیں تو اپنے آقا کی فرمانبرداری میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ **۱۰۴** لفظ ظن عربی زبان میں شک اور یقین دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ الظن من الاضداد یکون شکا ویقینا (معالم ص۳۶ ج ۱) العرب قد تسمی الیقین ظنا والشک ظنا (ابن جریر ص۲۶۲ ج ۱) یہاں یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یظنون یستیقنون (ابن جریر ص۲۶۲ ج ۱، معالم ص۳۶ ج ۱) والظن ھنا فی قول الجمھور بمعنی الیقین (قرطبی ص۳۷۶ ج ۱) یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے دو ہی چیزیں محرک ہو سکتی ہیں یعنی امید اور خوف "مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ" میں صفت ربوبیت کی صراحت سے اشارہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے مہربان رب کے پاس جائیں گے جس سے ان کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ خدا کی طرف رجوع سے فوراً ذہن یوم آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نقشہ سامنے آجاتا ہے جس میں اللہ کے سوا کسی کی حکومت اور عدالت نہیں ہوگی۔ اس سے ترہیب کا پہلو نکلتا ہے۔ اور ان کے خوف آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ثبت من ھذہ القصۃ ان لا تعبدوا من ھو عدولکم واتبعوا ھدی الانبیاء علیھم السلام الذی اخذ علیکم العھد باتباعہ حین الاخذ علی اٰدم علیہ السلام حیث قال فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون فلما عمم الخطاب ولا یقول یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الاٰیۃ فالآن خص الخطاب باھل الکتاب بقولہ یٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوا الخ ونفی فی ضمنہ عبادۃ الانبیاء علیھم السلام یعنی قصۂ آدم و ابلیس سے ثابت ہوا کہ ابلیس آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کا سخت دشمن ہے اس لئے اس کی عبادت مت کرو اور انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرو کیونکہ اتباع ہدی کا تم سے عہد لیا جا چکا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الناس الخ میں خطاب عام کے ذریعے مسئلہ توحید ماننے کی تمام بنی آدم کو دعوت دی اس کے بعد یٰبنی اسرائیل اذکروا الخ سے خاص اہل کتاب کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا عوام ہمیشہ تین گروہوں کے تابع ہوتے ہیں۔ عالموں کے، پیروں اور گدی نشینوں کے اور سوم نوابوں کے بنی اسرائیل کا خطاب عام سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو خطاب کرکے فرمایا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو اور میرے احکام کی پیروی کرو تم نے جو میرے ساتھ عہد کیا تھا اسے پورا کرو۔ ان دونوں باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ مسئلۂ توحید کی مخالفت نہ کرو بلکہ اسے مان لو۔ اس کے عوض میں تم کو مزید نعمتیں دوں گا اور دنیا و آخرت میں تم کو اجر عظیم عطا کروں گا۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ الخ مسئلہ توحید جو میں نے قرآن میں نازل کیا ہے اس کو مان لو یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ تمہاری کتاب تورات میں بھی موجود ہے اگر تم اس مسئلہ کا انکار کروگے تو تمہاری دیکھا دیکھی تمہارے مرید اور تمہاری رعیت بھی اس کا انکار کرے گی۔ اور اس کا گناہ اور وبال بھی تمہارے سر ہوگا وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ الخ چند روزہ اور حقیر دنیوی منافع، مذہبی اور خانقاہی ریاست کے بدلے مسئلہ توحید کو نہ چھوڑو وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ بے خبر لوگوں سے مسئلہ توحید کو چھپاؤ اور جن کو اس کا تھوڑا بہت علم ہے ان پر اس کو گڈمڈ نہ کرو۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ یہ امر مصلح ہے۔ شرک چھوڑ کر مسئلہ توحید کو مان کر نماز قائم کرو۔ یہودیوں کے مولویوں کے ان کے پیروں اور گدی نشینوں کا جو اقتدار ان کے عوام کے دلوں میں جما ہوا تھا، ان کی مذہبی آمریت اور ریاست، عوام سے حاصل ہونے والے مالی اور دنیوی فوائد ان تمام چیزوں کو یکدم چھوڑنا نہایت مشکل کام تھا۔ اور مسئلہ توحید کو ماننے سے یہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ نماز سے ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور زکوٰۃ دینے سے ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور حب جاہ و مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور جب تم مسئلہ توحید کو مان لوگے تو ظاہر ہے کہ تمہاری نذر و نیاز کی تمام آمدنیاں بند ہو جائیں گی۔ اور بہت سے تمہارے مرید اور نیاز مند بھی تم سے منحرف ہو جائیں گے۔ اس لئے اس نقصان کی تلافی کے

لئے نیز اس صدمہ کو برداشت کرنے کے لئے تم صبر اور نماز سے کام لو۔ يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا (رکوع ۶) سے لے کر يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا (ع ۱۵) تک اجمال کے بعد تفصیل ہے اور اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ اور اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ہی کا تفصیلی بیان ہے۔ بنی اسرائیل ایک ایسی قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید ماننے کی وجہ سے اپنی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ لیکن جب اس قوم نے توحید کو چھوڑ کر شرک کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے عذاب و عتاب کا نشانہ بنایا۔ اس اجمال کی تفصیل کو آگے پانچ انواع میں بیان کیا گیا ہے۔

نوعِ اوّل ـــــ یہ ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے

اس میں یہود کے آباء و اجداد پر آٹھ نعمتوں اور دو نقمتوں کا ذکر ہے۔ شروع میں اجمالی طور پر ترغیب و ترہیب کا اعادہ ہے اور پھر تفصیل ہے۔ یہ نوع گویا کہ اذکروا نعمتی اور ایای فارھبون کی تشریح و توضیح اور تفصیل ہے۔ ف۵ یہ ترغیب ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یہاں عالمین سے مراد صرف اس زمانے کے تمام لوگ ہیں یعنی اس آیت میں نزولِ قرآن کے وقت موجودہ یہودیوں کے باپ دادوں کی ان کی تمام ہم عصر اقوام پر فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ المراد فضلتکم علی عالمی زمانکم (کبیر ص۵ ج ۱، قرطبی ص۳۶ ج ۱، معالم ص۳۷ ج ۱) المراد بالعالمین سائر الموجودین فی وقت التفضیل (روح ص۲۵ ج ۱) لہٰذا اس سے بنی اسرائیل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ اور وجہ افضلیت کے لئے ہمیشہ کوئی امتیازی خوبی ہونی چاہیئے اور وہ عقیدۂ توحید ہے۔ زمانۂ فترت میں صرف بنی اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو مسلک توحید کی صدیوں پابند رہی۔ دنیا کی باقی قومیں کم و بیش شرک میں مبتلا تھیں لیکن رفتہ رفتہ قوم بنی اسرائیل بھی توحید سے دور ہوتی گئی۔ تاآنکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے تک یہودی کئی قسم کے شرکوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا یہ ترہیب ہے يَوْمًا نکرہ ہے۔ اور بعد میں آنے والی اس کی صفات متعین کر رہی ہیں کہ اس سے مراد یوم آخرت ہے۔ دنیا میں جرم کی سزا سے بچنے کیلئے عام طور پر چار ذرائع نجات میں سے کوئی ایک ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر مجرم ان کے ذریعے قرارِ واقعی سزا سے بچ جاتے ہیں (۱) اگر مجرم کا باپ یا دادا یا اور کوئی مورث یا کوئی اور دور و نزدیک کا رشتہ دار دین یا دنیا کے لحاظ سے بڑا با اثر اور بارسوخ آدمی ہو۔ لوگ اس کے دنیوی کارناموں سے متاثر ہوں یا اس کی دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے اسے اللہ کا ولی مانتے ہوں اور اس سے دلی عقیدت رکھتے ہوں تو ایسے شخص سے تعلق رکھنے والے مجرم کو محض اس تعلق اور انتساب کی بنا پر چھوڑ دیا جاتا ہے (۲) کسی با اثر اور صاحبِ اقتدار آدمی کی سفارش سے بھی مجرم کی سزا معاف کر دی جاتی ہے (۳) بعض اوقات کچھ دے دلا کر مجرم بری کرا لیا جاتا ہے (۴) اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طاقت کے بل پر زبردستی مجرم کو چھڑا لیا جاتا ہے۔

یہودیوں میں شرک اور بد عقیدگی اس درجہ راسخ ہو چکی تھی کہ ان کا خیال تھا کہ ان حربوں کے ذریعے آخرت کی سزا سے بھی بچا جا سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ وہاں یہ چیزیں کام نہیں آئیں گی۔ ف۶ اس میں امر اول کی نفی ہے۔ ای لا یغنی احد عن احد (ابن کثیر ص۸۹ ج ۱) لا تقضی یوم القیامة نفس عن نفس شیئا مما وجب علیها ولا تنوب عنها ولا تحتمل لما اصابها (روح ص۲۵۱ ج ۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ۔ یہ امر ثانی کی نفی ہے۔ معتزلہ اور دیگر فرق باطلہ منکرۂ شفاعت نے اس آیت کے عموم سے نفی شفاعت پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مطلق شفاعت کی نفی نہیں بلکہ شفاعت قہری کی نفی ہے جس طرح یہودیوں کا خیال تھا کہ ہمارے باپ دادا ہم کو ہماری بدعنوانیوں کے باوجود خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے اور اللہ کو ان کی سفارش ماننی پڑے گی۔ یا یہ نفی کفار اور مشرکین سے مخصوص ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کے حق میں کسی قسم کی شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ والجواب انها خاصة بالکفار للآیات الواردة فی الشفاعة والاحادیث المرویة فیها (ابو السعود ص۵۳ ج ۱) وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ یہاں تیسرے ذریعے کے نافع ہونے کی نفی ہے۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ یہ چوتھے ذریعہ کے غیر نافع ہونے کا اعلان ہے۔ آگے انعامات کی تفصیل ہے۔ ف۷ یہ پہلا انعام ہے۔ آلِ فرعون سے مراد یہاں قوم فرعون ہے جو کفر و شرک کے مسلک میں اس کی ہمنوا تھی۔ اما آل فرعون فلا شك ان المراد منه ههنا من کان من قوم فرعون وهم الذین عزموا علی اهلاك بنی اسرائیل (کبیر ص۵۱ ج ۱) آل فرعون قومه واتباعه واهل دینه (قرطبی ص۳۸۱ ج ۱) قوم فرعون سے نجات دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے جو مظالم ان پر توڑے جاتے تھے اور جو تکلیفیں اور ایذائیں انہیں دی جاتی تھیں ان سے ان کو بچا لیا۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ فرعون کی قوم چونکہ حکمران تھی اور بنی اسرائیل محکوم تھے اس لئے قوم فرعون ان کو بیگار میں پکڑ لیتے اور ان سے سخت محنت اور مشقت کراتے۔ اس طرح انہیں جسمانی عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ف۸ یہ ذہنی اور روحانی کوفت تھی جو انہیں فرعونیوں کی طرف سے اٹھانی پڑ رہی تھی۔ بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ فرعون نے سن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ انبیاء و سلاطین پیدا ہوتے رہیں گے۔ (یہاں تک کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو جائے) اس سے فرعون نے اپنی سلطنت کیلئے خطرہ محسوس کیا۔ اور بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے لڑکوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه وقع الی فرعون وطبقته ما کان اللہ وعد ابراهیم ان یجعل فی ذریته انبیاء وملوکا فخافوا علی ذلك واتفقت کلمتهم علی اعداد رجال معهم الشفار یطوفون فی بنی اسرائیل فلا یجدون مولودا ذکرا الا ذبحوه (کبیر ص۵۱ ج ۱)

ف۱۰۹ لفظ بلاء نعمت اور مصیبت دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ فیقال للنعمة بلاء وللنقمة الشدیدة بلاء (کبیر ص۵۱۵ ج ۱ وغیرہ) یہاں اگر ذٰلک کا اشارہ فرعونیوں کے افعال کی طرف ہو تو بلاء کے معنی ابتلاء اور مصیبت کے ہوں گے۔ اور اگر اشارہ نجات دینے کی طرف ہو تو اس کے معنی نعمت کے ہونگے اور یہی زیادہ موزوں ہے۔ البلاء ھھنا ھو المحنة ان اشیر بلفظ ذٰلکم الی صنع فرعون والنعمة ان اشیر به الی الانجاء وحمل علی النعمة اولٰی لانھا ھی التی صدرت من الرب تعالٰی ولان موضع الحجة علیھم انعام اللہ تعالٰی علی اسلافھم (کبیر ص۵۱۵ ج ۱ کذا فی الروح ص۲۵۲ ج ۱ والقرطبی ص۳۸۸ ج ۱ والبیضاوی ص۲۳) ف۱۱۰ یہ دوسرا انعام ہے۔ بکمؐ میں با بمعنی لام ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر کر اس میں راستے بنائے۔ ای فرقنا لکم (معالم ص۲۹ ج ۱، قرطبی ص۳۸۸ ج ۱) یا "باء" سببیت کے لئے ہے۔ فرقناہ بسببکم وبسبب انجاءکم (کبیر ص۵۱۵ ج ۱، روح ص۲۵ ج ۱) اور البحر سے مراد یہاں بحر احمر ہے جس کا دوسرا نام بحر قلزم ہے۔ ویذکر ان البحر ھو بحر القلزم (قرطبی ص۳۸۹ ج ۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام شب و روز تبلیغ میں مصروف رہے مگر فرعون اور اس کی قوم پر ان کی دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ وارشاد اور معجزات کے ذریعے ان پر حجت خداوندی قائم کردی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مظلوم بنی اسرائیل کی آہ و پکار سن لی جو مدت ہائے دراز سے فرعونیوں کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے اب فرعونیوں پر عذاب الٰہی کے نزول کا وقت آپہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کو ساتھ لے کر ہجرت کر جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ وہ راتوں رات چل نکلے اور چلتے چلتے سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ ادھر فرعون کو خبر ہو گئی۔ وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر ان کی تلاش میں چل نکلا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ سامنے سمندر ہے اور پیچھے دشمن اور دائیں بائیں پہاڑ تو گھبرا اٹھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پا کر اپنا عصا سمندر میں مارا جس سے فوراً سمندر کا پانی سمٹ گیا اور اس میں بارہ کشادہ راستے بن گئے۔ اسرائیلی ان راستوں کے ذریعے سمندر پار کر کے جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ف۱۱۱ جب فرعون لاؤ لشکر لیکر ساحل سمندر پر پہنچا اور سمندر میں خشک راستے دیکھے تو اس نے بھی اپنا گھوڑا سمندر میں اتار دیا اور اس کے پیچھے سارا لشکر سمندر میں گھس گیا۔ جب سارا لاؤ لشکر سمندر میں اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو جاری کر کے سب کو غرق کر دیا فرعونیوں کے غرق ہونے کا یہ نظارہ اسرائیلیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ف۱۱۲ یہ تیسرا انعام ہے۔ سمندر پار کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لئے حکم خداوندی سے کوہ طور پر پہنچے۔ وہاں آپ نے چالیس راتیں بسر کیں۔ اور اللہ کی طرف سے تورات حاصل کی۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ ۔۔۔ اتَّخَذْتُمُ کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای اتخذتم العجل الٰھا۔ یعنی تم نے گوسالہ کو معبود بنالیا (ابو السعود ص۵۱۳ ج ۱، قرطبی ص۳۹۶ ج ۱) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر خود کوہ طور پر چلے گئے تو سامری نے جو ایک منافق تھا، سونے کے زیورات اکٹھے کئے اور ان کو پگھلا کر ان سے بچھڑے کا بت تیار کیا اور حضرت ابن عباس اور معمر کے قول کے مطابق مٹی کی وہ مٹھی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کی سواری کے پاؤں کی جگہ سے اٹھائی تھی اس میں ڈال دی جس سے اس میں زندگی پیدا ہو گئی اور وہ جاندار بچھڑے کی طرح بولنے لگا۔ فلما جمعوا القی السامری القبضة وقال کن عجلا جسدا له خوار فصار کذٰلک (روح ص۲۶۲ ج ۱، قرطبی ص۳۹۵ ج ۱) اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بچھڑے کے پیٹ کی ساخت میں

انعام ثانی ۱۲

انعام ثالث ۱۲

انعام رابع ۱۲

[illegible] انعام خامس ۱۲

يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے

نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ

تھے تمہاری عورتوں کو ف۱۰۸ اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی ف۱۰۹ ف۱ اور جب

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم کو ف۱۱۰ اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰٓى اَرْبَعِينَ لَيْلَةً

اور تم دیکھ رہے تھے ف۱۱۱ ف۲ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا ف۱۱۲

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۵۱﴾

پھر تم نے بنا لیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے ف۱۱۳ ف

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تاکہ تم احسان مانو ف۱۱۴

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل کو جدا کرنے والے احکام (حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام) تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ

سیدھی راہ پاؤ ف۲ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم تم نے

ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوٓا اِلٰى

نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب توبہ کرو اپنے

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے

بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بے شک وہی ہے معاف کرنیوالا نہایت مہربان ف۳

موضح القرآن ف۱ اس کا قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا گیا ہے۔ ف۲ چکوتی وہ حکم جن سے معاملے فیصل ہوں اور برا ناروا معلوم ہو۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید سبب کشتن پسران آں بود کہ کاہنان فرعون را خبر دادہ بودند کہ در بنی اسرائیل پسرے پیدا شود کہ باعث بر افتادن بادشاہی او گردد واللہ اعلم ۱۲ ف۲ مترجم گوید کہ خدائے تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام را وعدہ داد کہ چہل شب در طور معتکف شود تا تورات عطا فرمایم۔ درین مدت بنی اسرائیل با غوائی سامری گوسالہ پرستی اختیار کردند۔ خدائے تعالیٰ بعد عود موسیٰ حکم فرمود کہ بعض ایشاں بعض را بکشند و ایں توبہ ایشاں الیت واللہ اعلم ۱۲ ف۳ مترجم گوید موسیٰ علیہ السلام ہفتاد کس را از بنی اسرائیل با خود برد تا بادے کلام الٰہی اسماع نمایند ایشاں بعد از شنیدن خواہان رؤیت شدند در طلب آں پا از حد ادب بیروں نہادند۔ خدائے تعالیٰ آں ہمہ را بصاعقہ بسوخت و باز بدعاء موسیٰ زندہ ساخت۔ اشارہ بریں قصہ است ایں آیت واللہ اعلم ۱۲

اس قسم کے سوراخ تھے کہ جب ان میں ہوا داخل ہوتی تھی اس وقت ہو بہو بچھڑے کی سی آواز پیدا ہو جاتی خوار ہ صوتہ کان بالوہم لانہ کان عمل فیہ خروقا فاذا دخلت الریح فی جوفہ خار
ولم تکن فیہ حیاۃ وھذا قول مجاھد (قرطبی صہ۲۳۵ ج ۱) سامری نے اسرائیلیوں سے کہا کہ یہ تمہارا رب ہے اس کی پوجا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں حلول کئے ہوئے ہے۔ یہی عقیدہ عیسائیوں کا
تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کئے ہوئے ہے۔ یہی عقیدہ آج کل کے بعض غالی مبتدعین کا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیرو مرشد میں داخل ہے۔ چنانچہ اسرائیلی حضرت ہارون علیہ
السلام کے روکنے کے باوجود گوسالۂ سامری کی پوجا کرنے لگے۔ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ یعنی اس شرک کی وجہ سے تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ۔ اس ارتکاب شرک
کے بعد جب تم نے سچی توبہ کرلی تو ہم نے تمہارا یہ قصور معاف کر دیا۔ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ تاکہ تم اس انعام کا شکریہ ادا کرو اور آئندہ کے لئے شرک سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو شعار زندگی بناؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ
السلام چند دنوں کے لئے ہی اپنی امت سے غائب ہوئے تھے کہ سامری نے مکر و فریب سے ان کی امت کو گمراہ کر دیا۔ اس قسم کے سامری تقریباً ہر امت میں موجود ہوتے ہیں۔ امت محمدیہ میں بھی آج کئی مذہبی اور
سیاسی سامری موجود ہیں جنہوں نے کمال عیاری سے سادہ لوح قسم کے لوگوں کو غلط راہ پر ڈال رکھا ہے۔ وَاِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ۔ یہ چوتھا انعام ہے۔ الکتاب اور الفرقان سے مراد تورات ہے کیونکہ
یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں۔ ان التوراۃ لھا صفتان کونہا کتابا منزلا وکونہا فرقانا تفرق بین الحق والباطل (کبیر صہ۲۴ ج ۱ کذا فی المعالم صہ۵۲ ج ۱) لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ تاکہ ایک جامع
نظام زندگی تمہارے ہاتھ آجائے اور تم زندگی کے ہر شعبہ میں سیدھی راہ پر چل کر رضائے الٰہی حاصل کرسکو۔ پانچواں انعام۔ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے
اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا تو انہیں توبہ کرنے کی تلقین فرمائی فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ یعنی جنہوں نے گوسالہ کی پوجا نہیں کی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے اس کی پوجا کی ہے۔
ای لیقتل بعضکم بعضا۔۔۔۔۔ وروی انہ امر من لم یعبد العجل ان یقتل من عبد (روح صہ۲۶ ج ۱) توبہ کی اصل تو یہ ہے کہ آدمی گذشتہ گناہوں پر نادم ہو اور آئندہ کیلئے گناہوں کے ترک کا عزم مصمم کرے
مگر اسرائیلیوں کی توبہ کی قبولیت کے لئے قتل نفس کو شرط قرار دیا گیا۔ لان اللہ تعالیٰ اوحی الی موسیٰ علیہ السلام ان شرط توبتہم قتل النفس (کبیر صہ۲۵ ج ۱) ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ
یعنی گناہ پر اصرار کرنے سے توبہ بہتر ہے کیونکہ اس سے تم گناہِ شرک سے پاک ہو جاؤ گے اور آخرت میں ابدی زندگی پاؤ گے۔ لما انہ طہارۃ عن الشرک ووصلۃ الی الحیاۃ الابدیۃ والبھجۃ السرمدیۃ۔
(ابو السعود صہ۵۳ ج ۱) فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ جب تم نے سچی توبہ کرلی اور قتل ہونے کے لئے تیار ہو گئے اور تم میں سے کچھ قتل بھی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بقیہ سے قتل کا حکم اٹھا لیا اور سب کی توبہ قبول کرلی ان اللہ تعالیٰ لما
امرھم بالقتل رفع ذلک الامر عنہم قبل فنائھم بالکلیۃ فکان ذلک نعمۃ فی حق اولئک الباقین الخ (کبیر صہ۵۲۶ ج ۱) اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے جب اس نے ان کے دلوں
کا اخلاص دیکھا تو ان کی توبہ قبول کرلی اور انہیں معاف کر دیا۔ ۱۱۳ یہ چھٹا انعام ہے یعنی جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہم تمہارے بیان کی تصدیق نہیں کریں گے جب حضرت
موسیٰ علیہ السلام تورات لیکر اپنی قوم کے پاس آئے اور قبولِ توبہ کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد ان سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو تو ان میں بعض گستاخ اور ضعیف الایمان قسم کے لوگوں نے کہا کہ جب تک ہم
خود تورات کے متعلق اللہ کا حکم نہیں سنیں گے اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ نیز ان میں سے بعض نے کہا کہ تورات کے احکام مشکل ہیں ہم سے ان پر عمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مشکل
احکام نافذ فرمائے جس طرح آج کل نئی روشنی سے متأثر ذہنیت رکھنے والے مسلمان کہتے ہیں کہ جی قرآن کے کئی ایک احکام تو بڑے ہی سخت ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور ہی کیلئے موزوں تھے مگر اس ترقی یافتہ زمانہ میں تو وہ
بالکل ہی ناقابل عمل ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر نیک اور برگزیدہ آدمیوں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں انہوں نے پس پردہ اپنے کانوں سے اللہ کا کلام سنا مگر پھر بھی مطمئن نہ ہوئے اور
ایک اور مہمل اور ناممکن مطالبہ پیش کر دیا کہ اللہ کا کلام تو ہم نے سن لیا مگر ہمیں کامل اطمینان صرف اسی صورت میں ہوگا کہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ۔ صاعقہ سے مراد گرجدار آواز ہے۔
صیحۃ سماویۃ خروا لھا صعقین میتین (روح صہ۲۶۱ ج ۱) یہ مطالبہ چونکہ نہایت گستاخانہ اور محض ضد و عناد پر مبنی تھا۔ طلبِ ہدایت کے لئے نہیں تھا اسلئے انکو اس کی پاداش میں ایک گرجدار آواز کے ذریعے ہلاک کر دیا
گیا۔ لانھم لو لیسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک صہ۳۹ ج ۱) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحیل فانھم ظنوا انہ تعالیٰ یشبہ الاجسام فطلبوا رؤیتہ رؤیۃ الاجسام فی الجھات
والاحیاز المقابلۃ للرائی وھی محال اھ (بیضاوی صہ۲۵) وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ یعنی تم نے اپنی آنکھوں سے صاعقہ کے ذریعے ایک دوسرے کو مرتے دیکھا۔ ای ینظر بعضکم لبعض حین اخذکم الموت
(معالم صہ۵۳ ج ۱) ۱۱۴ تاکہ تم دوبارہ جی اٹھنے کی نعمت کی قدر کرو اور میری بھیجی ہوئی تورات کو مانو اور عقیدۂ توحید کے پابند رہو معتزلہ اور روافض نے اس آیت سے امتناع رؤیت باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال
صحیح نہیں کیونکہ اس سے امتناع فی الدنیا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مطلق امتناع۔ اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ فی نفسہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ممکن ہے لیکن دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوگا۔ البتہ
آخرت میں مومنین دیدار الٰہی سے مشرف و محظوظ ہوں گے۔ واھل السنۃ والسلف علی جوازھا فیہما ووقوعھا فی الاخرۃ (قرطبی صہ۴۰۳ ج ۱) ۱۱۵ یہ ساتواں انعام ہے۔ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام تھا حضرت
یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جب فرعون غرق ہو گیا اور اسرائیلی بالکل مطمئن ہو گئے تو انہیں قوم عمالقہ سے جو اس وقت ملک شام پر قابض تھے جہاد کرکے اپنا وطن آزاد کرانے کا حکم ملا تو
یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں جہاد کے لئے چل نکلے جب قریب پہنچے اور عمالقہ کی طاقت اور قوت کا پتہ چلا تو ہمت ہار بیٹھے اور ان سے لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر اللہ نے ان کو یہ سزا دی کہ وہ
پورے چالیس سال میدان تیہ میں سرگرداں اور مارے مارے پھرتے رہے۔ یہ جنگل بالکل چٹیل اور بے آب و گیاہ تھا۔ اس میں نہ سایہ کے لئے کوئی درخت تھا نہ پینے کے لئے پانی اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز۔ جب انہوں نے
دھوپ کی شکایت کی، اللہ نے ان پر بادل پھیلا کر سایہ مہیا فرما دیا۔ جب بھوک کی شکایت کی، من و سلویٰ کا انتظام کر دیا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اَلۡمَنُّ کے معنے ترنجبین کے ہیں وہ گوند
کے مشابہ ایک میٹھی چیز ہے جو اوس کی طرح صبح کے وقت پودوں پر گرتی ہے۔ اسرائیلی جب صبح اٹھتے تو پودوں پر انہیں ترنجبین کی بہت بڑی مقدار ملتی جسے وہ مزے سے کھاتے۔ والمشھور انہ الترنجبین وھو شیء
یشبہ الصمغ حلو مع شیء من الحموضۃ کان ینزل علیہم کالطل (روح صہ۲۶۳ ج ۱) اور سلویٰ ایک قسم کی بٹیریں ہیں وھو طائر یشبہ السمانی او ھو السمانی بعینہ (روح صہ۲۶۳ ج ۱) کان یبعث علیہم الجنوب فتحشر
علیہم السلوی وھی السمانی فیذبح الرجل منہا ما یکفیہ (مدارک صہ۳۹ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ جنوب کی طرف سے ہوا چلا دیتا جس کے ساتھ بٹیریں اڑتی چلی آتیں اور وہ انہیں پکڑ کر ذبح کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک
سہولت بھی مہیا کی کہ بٹیریں ان سے بھاگتی نہیں تھیں وہ جب چاہتے پکڑ لیتے تھے۔ كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ قرآن مجید میں گذشتہ واقعات کے سلسلہ میں جہاں کہیں صیغۂ امر استعمال ہو گا اس سے پہلے قَالَ یا
قُلۡنَا وغیرہ حسب موقع محذوف ہو گا (رضی صہ) وقلنا لھم کلوا من الطیبات (مدارک صہ۳۹ ج ۱، روح صہ۲۶۴ ج ۱، قرطبی صہ۴۰۸ ج ۱) ۱۱۶ اسرائیلیوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی اور اس سے اللہ
کا انہوں نے کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ اس ناشکری کا وبال خود انہیں پر پڑا۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ وہ صرف اتنا ہی من و سلویٰ جمع کریں جتنا وہ کھا سکیں اور آئندہ
کے لئے جمع نہ کریں مگر وہ حرص و لالچ کے بندے باز نہ آئے اور انہوں نے ذخیرہ اندوزی کرکے اللہ کی نافرمانی کی اور اس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ۱۱۷ یہ پہلا عذاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تو میدان
تیہ ہی میں وفات ہو چکی تھی اور حضرت یوشع علیہ السلام آپ کے جانشین ہو چکے۔ ادھر بنی اسرائیل کے وہ بڑے بوڑھے سرکش بھی ختم ہو چکے تھے جنہوں نے جہاد سے انکار کیا تھا۔ اب حضرت یوشع علیہ السلام نے نوجوانوں کی نئی پود کو
جہاد عمالقہ پر آمادہ کیا اور ملک شام کو فتح کر لیا اس کے بعد انہیں بیت المقدس کے شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا یہاں القریہ سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے۔ وھو اختیار قتادۃ والربیع وابی مسلم الاصفہانی

اللہ بیت المقدس (کبیر صفحہ ۵۳۴ ج ۱) ف۱۱۸ یہاں دنیوی لذائذ سے متمتع ہونے کی اباحت فرمائی۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ۔ الباب سے مراد بیت المقدس کا دروازہ ہے والمراد بھا علی المشھور احد ابواب بیت المقدس وتدعی الاٰن باب حطۃ قال ابن عباس (روح صفحہ ۲۶۵ ج ۱) وھو قول الضحاک ومجاھد وقتادۃ (کبیر صفحہ ۵۳۴ ج ۱) اور سجدًا سے مراد اصطلاحی سجدہ نہیں بلکہ محض انحناء اور جھکنا مراد ہے اور بعض نے اسے تواضع اور خضوع پر محمول کیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد اصطلاحی سجدہ ہو یعنی پیشانی کا زمین پر رکھنا قال الحسن اراد بہ نفس السجود الذی ھو الصاق الوجہ بالارض (کبیر صفحہ ۵۳۵ ج ۱) امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ اگر سجدہ سے مراد اصطلاحی سجدہ ہو تو سجدہ کی حالت میں دروازے سے داخل ہونا ناممکن ہے مگر اشکال صرف اسی صورت میں ہے جبکہ دروازے سے فصیلِ شہر کا دروازہ مراد ہو لیکن اگر دروازہ سے بیت المقدس کی مسجد کا دروازہ مراد ہو جیسا کہ امام نسفی فرماتے ہیں باب القبۃ التی کانوا یصلون الیھا (مدارک صفحہ ۳۹ ج ۱) اور سجدًا

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ

اور جب تم نے کہا اے موسٰی ہم ہرگز تیرا یقین نہ کریں گے جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

کو سامنے ف۱۱۵ پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے تاکہ تم احسان مانو ف۱۱۶ ف۱

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ

اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور

السَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا

سلوٰی ف۱۱۷ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں۔ اور انہوں نے ہمارا کچھ

وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف۱۱۷ ف۱ اور جب ہم نے کہا داخل ہو

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ

اس شہر میں ف۱۱۷ ف۲ اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے ف۱۱۸ اور

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخشدے ف۱۱۹ تو معاف کر دینگے ہم تمہارے

خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

قصور اور زیادہ بھی دینگے نیکی والوں کو ف۱۲ پھر بدل ڈالا

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو کہدی گئی تھی ان سے ف۱۲۰ پھر اتارا ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۶ ۳ ۶

ظالموں پر عذاب آسمان سے ف۱۲۱ ان کی عدول حکمی پر ف۳ ﴿۵۹﴾

حال مؤکدہ نہ ہو بلکہ حال مقدرہ ہو جیسا کہ یا یہا النبی انا ارسلناک شاہدًا میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔ (کشاف صفحہ ۳۴۴ ج ۲) تو اس صورت میں اصل عبارت یوں ہوگی وادخلوا باب المسجد مقدرین لکم السجود وقت حصولکم فیہ۔ اور مقصد یہ ہے کہ اس شہر میں کھانے پینے کی چیزیں کثرت اور فراوانی سے موجود ہیں۔ خوب فراخی سے کھاؤ پیو اور ساتھ بطور شکر نعمت خدا کے گھر میں حاضر ہو کر اس کی عبادت بجا لاؤ حضرت شیخ رحمہ اللہ اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں ف۱۱۹ حِطَّةٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای مسئلتنا حطۃ (مدارک صفحہ ۳۹ ج ۱، کبیر صفحہ ۵۳۵ ج ۱) یعنی ہماری درخواست گناہوں کی معافی ہے نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ یہ ادخلوا اور قولوا دونوں کا جواب ہے۔ یعنی جب تم میری عبادت بجا لاؤ گے اور مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو گے تو میں تمہارے تمام گناہ معاف کر دونگا۔ سنزید المحسنین محسنین سے مخلصین کاملین مراد ہیں جیسا کہ حدیث جبریل میں احسان کی تفسیر میں ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ مطلب یہ کہ گناہوں کی معافی تو ان سب کے لئے ہے جو مذکورہ حکم کی تعمیل کرینگے مگر مخلصین کو مزید انعام واکرام سے نوازا جائیگا۔ یا محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ماضی میں خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی مثلاً گوسالہ کی پوجا نہیں کی اور من وسلوٰی کا ذخیرہ نہیں کیا وغیرہ (قرطبی صفحہ ۴۱۵ ج ۱) ف۱۲۰ ان میں سے جو نافرمان اور بد خو و غلط کار تھے انہوں نے اللہ کی طرف سے تلقین کردہ الفاظ کو چھوڑ کر تمسخر واستہزاء کے طور پر کچھ اور ہی الفاظ اپنے شروع کر دیئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے حِطَّةٌ کے بجائے حنطۃٌ کی رٹ شروع کر دی (قرطبی صفحہ ۴۱۱ ج ۱، روح صفحہ ۲۶۶ ج ۱ وغیرہ) قولی مخالفت کے ساتھ ساتھ انہوں نے عملاً بھی اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ چنانچہ دروازے سے جھک کر گذرنے کے بجائے اکڑتے اور اتراتے ہوئے گذرے۔

مرا انعام سادس ۴

مرا انعام سابع ۱۷

مرا عذاب اول ۴

موضح القرآن ف۱ جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل خلاص ہو کر چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے تو سارے دن ابر رہتا دھوپ کا بچاؤ اور اناج نہ پہنچا تو من وسلوٰی اترتا کھانے کو من ایک چیز تھی میٹھی دھنیے کے سے دانے رات کو برستی لشکر کے گرد ڈھیر ہو رہتی صبح کو ہر آدمی اپنی قوت کے برابر چُن لاتا اور سلوٰی ایک جانور کا نام ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہوتے اندھیر اڑتے پکڑ لاتے کباب کر کر کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے ف۲ اس جنگل میں پھنسے تھے اپنی تقصیر سے سورۂ مائدہ میں اس کا بیان ہے۔ پھر ایک کھانے سے تھک گئے تب ایک شہر میں پہنچایا اور حکم کیا کہ دروازے میں سجدہ کر کر جاؤ اور حطۃ کہو یعنی گناہ اترے۔ ف۳ یعنی ٹھٹھے سے حِطَّةٌ کے بدلے کہنے لگے حنطۃٌ یعنی گیہوں اور سجدے کے بدلے لگے سرین پر پھسلنے پھر شہر میں جاکر ان پر طاعون پڑی یعنی وبا پھوڑے کی دو پہر میں قریب ستر ہزار آدمی مرے۔

فتح الرحمن ف۱ بنی اسرائیل مامور شدند بجہاد عمالقہ وایشاں دراں باب تغافل کردند پس معاقب شدند بافتادن در بیابان چہل سال و آنجا چوں آب طعام وخیمہ ہا مفقود شد خدائے تعالیٰ بدعا موسیٰ علیہ السلام من وسلوٰی نازل ساخت واز سنگے دوازدہ چشمہ رواں کرد وابر را سایہ باں گردانید۔ قدر ایں نعمتہا نشناختند وکفر نعمت کردند اشارت بدیں قصہ است ایں آیت ۱۲ ف۲ یعنی دیہی کہ در زمان حضرت موسیٰ فتح شدہ بود ۱۲

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے ١٢٢ تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو

الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

پتھر پر سو بہہ نکلے اس میں سے بارہ چشمے ١٢٣

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ ١٢٤ کھاؤ اور پیو

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (٦٠)

اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے ١٢٤ ف١

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر ١٢٥

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اُگتا ہے زمین سے

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ

کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے بدلے اس چیز کے جو

خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ

بہتر ہے ١٢٦ اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گی جو مانگتے ہو اور

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی ١٢٧ اور پھرے اللہ کا غضب

مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

لے کر یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو ١٢٨

١٢١ جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کے حکم کو تمسخر سے بدل دیا ان پر آسمانی عذاب نازل کیا گیا۔ یہ عذاب طاعون کی بیماری کی صورت میں ان پر مسلط کیا گیا۔ والمراد به الطاعون (بیضاوی ۲۵ ج ۱) وقال ابن زید بعث اللہ علیہم الطاعون (کبیر ۵۲۴ ج ۱) بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یہ عذاب ان پر ان کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے نازل کیا گیا۔ بسبب فسقهم المستمر (ابوالسعود ۵۳۹ ج ۱) ١٢٢ یہ آٹھواں انعام ہے۔ یہ واقعہ بھی میدانِ تیہ میں پیش آیا۔ وہاں جب اسرائیلیوں کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا۔ جمهور المفسرین اجمعوا علٰی ان هذا الاستسقاء کان فی التیہ (کبیر ۵۴۴ ج ۱) تو انہوں نے خدا کے حکم سے پتھر پر عصا مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ، الحجر میں الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے کسی مخصوص اور معین پتھر کی طرف اشارہ ہے کان حجرا معینًا بدلیل انه عرفه بالالف اللام۔ (معالم ۵۵ ج ۱) ١٢٣ اسرائیلیوں کے بارہ قبیلے تھے اور ان میں باہم منافرت اور نااتفاقی تھی اس لئے ہر قبیلے کے لئے الگ الگ چشمہ جاری کر دیا کہ کہیں پانی پیتے پیتے آپس میں برسر پیکار نہ ہو جائیں لکونهم کانوا اثنی عشر سبطا و کان بینهم تضاغن وتنافس فاجرٰ اللہ تعالیٰ لکل سبط عینا یردها لا یشرک فیها احد من السبط الاٰخر فی الاشارة الشمناء۔ (روح ۲۷۷ ج ۱) قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ یعنی ہر قبیلے کو اپنی گھاٹ معلوم ہو گئی اور ہر قبیلے کو بتا دیا گیا کہ وہ صرف اپنی ہی گھاٹ سے پانی پی سکتے ہیں۔ ١٢٤ یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اور اس کا دیا ہوا رزق کھا پی کر اس کی زمین پر اس کی نافرمانی کر کے شر و فساد مت بپا کرو مفسدین حال مؤکدہ لعاملہا ہے۔ (شرح شذور الذہب ابن ہشام ۲۴۷) ١٢٥ یہ دوسرا عذاب ہے۔ یہ واقعہ بھی میدان تیہ کا ہے۔ جب بنی اسرائیل سالہا سال تک ایک ہی طرز کا کھانا یعنی من و سلویٰ کھا کھا کر اکتا گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ وہ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے مختلف قسم کی ترکاریاں اور غلے پیدا کرے فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی دعا اقرب الی الاجابۃ ہوتی ہے۔ اس سے زندہ بزرگ سے دعا کرانے کا جواز نکلتا ہے۔ وَفُوْمِهَا۔ فوم کے معنی گیہوں اور لہسن دونوں کے آتے ہیں لیکن یہاں لہسن مراد ہے۔ وهو مروی عن ابن عباس ومجاهد واختیار الکسائی (کبیر ۵۴۴ ج ۱) ١٢٦ استفہام اظہار تعجب کیلئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم عمدہ چیز کے عوض گھٹیا چیز کا مطالبہ کر رہے ہو۔ من و سلویٰ کی ان کی طلب کردہ اشیاء پر ترجیح اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ من و سلویٰ ایک قیمتی اور نہایت لذیذ غذا ہے اور ترکاریوں کی نسبت زیادہ مفید بھی ہے نیز ان کے حاصل کرنے میں کوئی تکلیف و دقت نہیں (روح ۲۷۷ ج ۱) اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ ان کا مطالبہ منظور ہوا اور انہیں اجازت مل گئی کہ وہ قرب و جوار کے کسی شہر میں چلے جائیں۔ انہیں منہ مانگی چیزیں مل جائیں گی۔ ١٢٧ الذلة سے مراد رسوائی اور المسکنۃ سے مراد فقر و احتیاج ہے والذلة الذل والصغار والمسکنۃ الفقر (قرطبی ۴۳۰ ج ۱) اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی اور ضد و عناد کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت و رسوائی اور تنگدستی و محتاجی ہمیشہ کے لئے مسلط کر دی گئی۔ دنیا میں یہ قوم جہاں بھی ہے ذلیل و خوار اور فقیر و محتاج ہے۔ اگر ان میں دولتمند ہیں بھی تو گنتی کے چند آدمی باقی رہے عوام تو ان کا شمار دنیا کی مفلس ترین اقوام میں ہے اب اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی حکومت بھی دنیا کے نقشہ پر نمودار ہو گئی ہے مگر یہ حکومت حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں اپنے مخصوص سیاسی مفادات کے پیش نظر ایک کاغذی ڈھانچہ سا کھڑا کر رکھا ہے اس کی اپنی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی کوئی منفرد پالیسی ہے اگر آج امریکہ اس کی امداد سے دست کش ہو جائے تو سورج ڈھلنے سے پہلے اسرائیلی حکومت کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ باء و کے معنی یہاں استحقوا اور استوجبوا کے ہیں (کبیر ۵۴۶ ج ۱، ابن کثیر ۱۰۳ ج ۱، روح ۲۷۷ ج ۱) یعنی قوم بنی اسرائیل کفر و عصیان اور قتل انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے غضب الٰہی کی مستحق ٹھہری

موضح القرآن ف ۱ اس جنگل میں پانی نہ ملا تو ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے بارہ قوم تھے کسی میں لوگ زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اس سے پہچان لیا جب لشکر کوچ کرتا تو وہ پتھر ساتھ اٹھا لیتے جب قیام ہوتا تو رکھ دیتے

فتح الرحمٰن ف ۱ یعنی بنی اسرائیل دوازدہ قبیلہ بودند برائے ہر قبیلہ یک چشمہ معین شد ۱۲

عذاب ثانی ۲

۱۲۸ آیات سے اللہ کی توحید کی آیتیں مراد ہیں یا اس سے مراد کتب سماویہ اور معجزات انبیاء ہیں ای یکذبون بآیات اللہ ای بکتابہ ومعجزات انبیائہ کعیسٰی ویحییٰ وزکریا ومحمد علیہم السلام
یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ یہ مضارع بھی کانوا کے تحت داخل ہے کان ماضی جب کسی فعل مضارع پر داخل ہو تو اس سے عام طور پر فعل میں دوام و استمرار کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تکذیب آیات اور قتل
انبیاء ان کی عادت مستمرہ ہو چکی تھی۔ ایک طرف تو وہ توحید کا انکار کرتے تھے اور دوسری طرف توحید بیان کرنے والے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے۔ اور یہی ان کے استحقاقِ غضب کا سبب بنی بِغَیْرِ الْحَقِّ کی قید
سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان کا قتل صرف ناحق ہی ہو سکتا ہے پھر بغیر الحق کی قید بڑھانے سے کیا فائدہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل انبیاء علیہم السلام ایک بہت بڑا گناہ اور عظیم
جرم ہے اس لئے اس کی قباحت اور شناعت کو تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لئے اس قید کی صراحت کی گئی۔ تعظیم للشنعۃ والذنب الذی اتوہ (قرطبی ص۴۳۲ ج ۱) ۱۲۹ ذٰلِکَ سے کفر بالآیات اور قتل انبیاء
کی طرف اشارہ ہے اشارۃ الی الکفر والقتل الواقعین سببًا لما تقدم (روح ص۲۷۷ ج ۱) بما میں با سببیہ اور ما مصدریہ ہے خدا کی نافرمانی
اور حدود شکنی نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب
اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے لگے۔ کیونکہ جس طرح چھوٹی چھوٹی نیکیاں
بڑی نیکیوں کی طرف لے جاتی ہیں اسی طرح بعض اوقات چھوٹے چھوٹے
گناہ بڑے گناہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ ای جرھم العصیان
والتمادی فی العدوان الی ما ذکر من الکفر وقتل الانبیاء علیہم
السلام فان صغار الذنوب اذا دووم علیہا ادت الی کبارھا
کما ان مداومۃ صغار الطاعات مؤدیۃ الی تحری کبارھا۔
(ابو السعود ص۵۴۳ ج ۱ کذا فی البیضاوی ص۴۳ ج ۲) یہاں تک نوع اول
کی تفصیل تھی۔ ۱۳۰ یہ آیت نوعِ اول کا تتمہ ہے اور الذین اٰمنوا
سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے ای من اٰمن
بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (بحر ص۲۳۹ ج ۱) وَالَّذِیْنَ هَادُوْا۔
یہودیت کے پیرو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت وَالنَّصٰرٰی
دین عیسوی کے متبعین وَالصّٰبِئِیْنَ یہ لوگ بھی اہل کتاب ہی
کا ایک گروہ ہیں فرقۃ من اہل الکتاب (ابن کثیر ص۱۰۳ ج ۱)
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہر فرقہ اپنے لقب اور نام پر خوش ہے مگر اصل
ذریعہ نجات یہ القاب اور انتسابات نہیں ہیں بلکہ نجات کا مدار تو ایمان
اور عملِ صالح پر ہے۔ یہاں یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ آیت میں صرف
اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ پر ایمان
لانا نجات کے لئے کافی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری
نہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو
اس کی تمام صفات کمال اور نعوت جلال میں وحدہٗ لاشریک، یکتا
اور بے مثل مانا جائے اور اسکے تمام احکام کی تعمیل کی جائے لہٰذا یہ جملہ
ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالملٰئکہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔
قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان بالرسل
(کبیر ص۵۵ ج ۱) دوسری بات یہ ہے یہاں ایمان باللہ کا ذکر اجمالی ہے و
قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں اسکی تفصیل موجود ہے چنانچہ سورۂ
حجرات رکوع ۲ میں ارشاد ربانی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ اس آیت میں صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ
اللہ کے تمام رسولوں پر بھی ایمان لائیں اور ایمان بھی ایسا لائیں جو ریب و تردد اور ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہو اور پھر ان کی عملی زندگی بھی اس ایمان کے عین مطابق ہو اور رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ

وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
اور خون کرتے تھے نبیوں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے
وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ
اور حد سے بڑھ جاتے تھے ۱۲۹ بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے ۱۳۰ اور جو لوگ
هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر
وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کیلئے ہے ان کا ثواب ان کے
رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَ
رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۱ اور
اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
جب لیا ہم نے تم سے قرار ۱۳۱ اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو
خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے ۱۳۲ اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم
تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ
ڈرو ف۲ پھر تم پھر گئے اس کے بعد ۱۳۳ سو اگر
لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾
نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم خراب ہوتے ۱۳۴
وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي
اور تم (اے موجودہ اسرائیلیو) خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے
السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾
دن میں ۱۳۵ تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل ۱۳۶

ع ٧

موضح القرآن ف۱ یعنی کسی فرقے پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک اپنے اپنے وقت میں جس نے یہ کیا ثواب پایا یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی پر مغرور رہتے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد
ہیں ہم ہر طرح خدا کے یہاں بہتر ہیں۔ یہودی کہتے ہیں حضرت موسیٰ ؑ کی امت کو اور نصاریٰ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ ؑ کی امت کو، صابئین بھی ایک فرقہ ہیں حضرت ابراہیم ؑ کو مانتے ہیں۔ ف۲ جب توریت
اتری تو کہنے لگے ہم سے اتنے حکم نہ ہو سکیں گے تب پہاڑ اوپر آیا کہ گر پڑے تب ڈر کر قبول کیا۔

فتح الرحمٰن ف۱ حاصل معنیٔ آیت آنکہ آدمی در اصل از ہر فرقہ کہ باشد چوں ایمان آورد از اہل نجات بود خصوصیت فرقہ معتبر نیست ۱۲

اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں اور سب کو اللہ کے سچے رسول مانیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا (سورہ نساء ع ۲۱) اس آیت سے دونوں باتیں واضح طور پر معلوم ہو گئیں۔ اول یہ کہ جس طرح اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ دوم یہ کہ بلا تفریق تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا نجات اور ایمان کے لئے کافی نہیں ہے بعض پیغمبروں کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے۔ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یوم آخرت اور اس میں جو کچھ ہونیوالا ہے سب پر ایمان لائے۔ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ یوم آخرت پر ایمان اٰمَنَ بِاللّٰہِ میں داخل ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ذکر صراحت سے کیا گیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اگرچہ آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر ان کا تصور آخرت قرآن کے پیش کردہ تصور سے بالکل جداگانہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں صرف یہودی یا نصرانی ہی جنت میں جائیں گے۔ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یوم آخر پر ایمان لانے کا علیحدہ ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ آخرت پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے اس کے احوال بیان فرمائے ہیں کہ آخرت میں کسی قوم یا گروہ کی اجارہ داری نہیں ہوگی بلکہ وہاں صرف ایمان اور عمل صالح کام آئیں گے۔

نوعِ ثانی

(اس میں نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کے باپ دادوں کی تین خباثتیں اور شرارتیں بیان کی گئی ہیں۔)

۱۳۱ؔ یہ پہلی خباثت ہے۔ یہاں میثاق سے مراد تورات پر عمل کرنے کا عہد و میثاق ہے بقول مافی التوریۃ (مدارک ص۳۷ ج۱) بالمحافظۃ علی مافی التوریۃ (ابو السعود ص۵۵ ج۱) وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو تو انہوں نے کہا کہ یہ احکام سخت ہیں جب تک اللہ خود ہم سے ہمکلام نہ ہو اور اسے ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہم نہیں مانیں گے جس طرح آج کل مغرب زدہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام سخت ہیں جو موجودہ زمانے کے لئے غیر مفید ہیں اس لئے ان میں ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس پر انہیں صاعقہ بھیج کر ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا مگر اس کے بعد پھر بھی وہ تورات کو ماننے پر تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ تورات پر عمل کرنے کا عہد کرو ورنہ پہاڑ گرا کر تمہیں ہلاک کر دیا جائیگا تو اس پر سب نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دین میں تو جبر و اکراہ نہیں تو پھر اسرائیلیوں پر پہاڑ لٹکا کر انہیں تورات پر عمل کرنے پر کیوں مجبور کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً قبول اسلام پر کسی کو مجبور کرنے کی اسلام میں قطعاً کوئی اجازت نہیں البتہ قبول اسلام کے بعد اگر کوئی شخص اسلام کے دستور حیات سے بغاوت کرے گا تو اسے ہرگز برداشت نہیں کیا جائیگا۔ اسلام صرف چند مذہبی رسوم و احکام کا نام نہیں بلکہ وہ احکم الحاکمین کی حکومت و سلطنت کا کامل دستور اور مکمل آئین ہے اس لئے اسے قبول کرنے کے بعد اس سے بغاوت کو بشرط ضرورت جبر و اکراہ اور قوت و طاقت کے ذریعے روکا جائیگا بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو۔ جیسا کہ دنیا کی تمام حکومتوں کا اصول ہے کہ وہ اپنے دستور اور آئین سے بغاوت و سرکشی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتیں۔ اسرائیلی چونکہ اسلام قبول کر چکے تھے اور اب اس کے دستور (یعنی تورات) سے جو اس وقت اسلام کا دستور تھا سے بغاوت کر رہے تھے۔ اس لئے اسے برداشت نہیں کیا گیا اور بجبر و اکراہ ان سے تورات پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا۔ **۱۳۲ؔ** اس سے پہلے قُلۡنَا محذوف ہے یعنی ہم نے کوہ طور ان کے اوپر کھڑا کر کے ان سے کہا کہ تورات کی صورت میں جو احکام ہم نے تمہیں دیئے ہیں ان کی سختی سے پابندی کرو وَ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡهِ اور اس کتاب کو درس و تدریس کے ذریعے یاد رکھو اس میں غور و فکر کرو اور اس کے امر و نہی پر عمل کرو واحفظوا ما فیه وادرسوا ولا تنسوه ولا تغفلوا عنه (مدارک ص۳۷ ج۱) کبیر ص۵۵۶ ج۱) ای تدبروه واحفظوا اوامره ووعیده ولا تنسوه ولا تضیعوه (قرطبی ص۴۳۷ ج۱) لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ تاکہ تم دنیا کی تباہی اور آخرت کے عذاب سے بچ سکو لکی تنجوا من الهلاک فی الدنیا والعذاب فی العقبیٰ (معالم ص۵۴ ج۱) **۱۳۳ؔ** یہ اشارہ مذکورہ عہد و پیمان کی طرف ہے یعنی پختہ عہد و پیمان کے بعد پھر تم نے حسب عادت قدیمہ اس سے اعراض کیا۔ اور اسے پس پشت ڈال دیا من بعد اخذ ذلک المیثاق المؤکد (ابو السعود ص۵۵ ج۱) ای اعرضتم عن الوفاء بالمیثاق بعد اخذه وخالفتم (روح ص۲۸۰ ج۱) **۱۳۴ؔ** لیکن اس عہد شکنی کے باوجود اللہ نے اپنی خاص نوازش و مہربانی سے تمہیں موقع پر فوراً ہلاک نہ کیا اور سنبھلنے کے لئے تمہیں مزید مہلت دیدی اگر وہ ایسا نہ کرتا تو دنیا سے کب کا تمہارا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ ولولا فضل اللہ تعالیٰ علیکم بالامهال وتاخیر العذاب لکنتم من الهالکین (ابو السعود ص۵۵ ج۱)

۱۳۵ؔ سبت یعنی ہفتہ کا دن دین یہود میں متبرک و مقدس دن تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیسائیوں کے لئے اتوار ہے ہفتہ کے دن انہیں مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا مگر انہوں نے خدا کے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور ہفتہ کے دن بھی شکار سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک سزا دی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور جن اسرائیلیوں کا یہ واقعہ ہے وہ ساحل سمندر پر واقع ایلہ نامی گاؤں کے باشندے تھے (روح ص۲۸۱ ج۱ کبیر ص۵۵۳ ج۱) **۱۳۶ؔ** ہم نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انہیں ذلیل بندر بنا دیا یہ مسخ حقیقی اور حسی تھا مجازی اور معنوی نہیں تھا اور مسخ کے بعد تین دن کے اندر اندر سب ہلاک ہو گئے۔ وظاهر القرآن انهم مسخوا قردة علی الحقیقة وعلی ذٰلک جمهور المفسرین وهو الصحیح ...... ولم یعیشوا اکثر من ثلثة ایام (روح ص۲۸۳ ج۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موجودہ بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے اسلاف کے عصیان و عدوان کا یہ واقعہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو یہ تمہاری آبائی تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے اور ان کا جو حشر ہوا وہ بھی تمہیں بخوبی معلوم تو اب اس واقعہ سے اندازہ کر لو کہ اگر تم اسی طرح عصیان و عدوان اور تمرد و سرکشی میں رہے تو تم پر بھی قہر خداوندی نازل ہو کر رہے گا۔ انه تعالیٰ لما اخبرهم بما عامل به اصحاب السبت فکانه یقول لهم اما تخافون ان ینزل علیکم بسبب تمردکم ما نزل علیهم من العذاب فلا تغتروا بالامهال الممدود علیکم (کبیر ص۵۵۳ ج۱) **۱۳۷ؔ** ها کی ضمیر مذکورہ سزا کی طرف راجع ہے نَکَالًا نکال کے معنی عبرت کے ہیں نکالا عبرة تنکل المعتبر بها ای تمنعه وتردعه (ابو السعود ص۵۵ ج۱) لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهَا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس واقعہ کے ظہور کے وقت قرب و جوار میں موجود تھے۔ ای لمن قرب منها (نہر ص۲۴۷ ج۱) لما حولها من القریٰ (بحر ص۲۴۵ ج۱) وَمَا خَلۡفَهَا وہ لوگ جو اس زمانہ کے بعد ہوں گے۔ ای من جاء بعدهم (نہر) وما یحدث بعدها من القریٰ التی لم تکن (بحر) یعنی ہم نے اس سزا کو موجودہ لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دیا کہ وہ اسے یاد کر کے خدا سے ڈرتے رہیں اور اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکیں وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ متقین سے بنی اسرائیل کے وہ لوگ مراد ہیں جو اسرائیلیوں کو سبت میں شکار کرنے سے روکتے تھے۔ یہ واقعہ ان کے لئے بھی نصیحت آموز ہے اور اللہ کی اطاعت اور اس کی حدود کی پابندی کرنے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیتا ہے یا متقین سے عام پرہیزگار اور خدا ترس لوگ مراد ہیں الذین نهوهم عن الاعتداء من صالحی قومهم او لکل متق سمعها (مدارک ص۳۸ ج۱) **۱۳۸ؔ** یہ دوسری خباثت ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا مگر وہ خبث باطن کی وجہ سے اس حکم کو مذاق سمجھنے لگے اور اس معاملہ کو چالیس سال تک ٹالتے رہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو اس کے عزیزوں نے اس کی دولت حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو شور و غل بپا کر دیا اور معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے انہیں گائے ذبح کر کے اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم سے لگانے کا حکم دیا تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتا دے۔ اس واقعہ کا پہلا حصہ بعد میں وَ اِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِیۡهَا میں مذکور ہے اور وَاِذۡ قَالَ

لـه ان روایات کے متعلق حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں۔ الظاهر انها ماخوذة من کتب بنی اسرائیل وهی مما یجوز نقلها ولکن لا تصدق ولا تکذب فلهذا لا یعتمد علیها الا ما وافق الحق عندنا واللہ اعلم (ابن کثیر ص۱۱۰ ج۱) س ب

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ
پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ۱۳۷ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور
مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ
نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے ف۱ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے ۱۳۸ ف۱ وہ بولے کیا تو ہم
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾
سے ہنسی کرتا ہے ۱۳۹ کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں سے
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ
بولے کہ پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے ۱۴۰ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ
ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے
ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ ۱۴۱ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے
صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ
زرد خوب گہری ہے اسکی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے دعا کر
لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ
ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم کی ہے وہ ۱۴۲ کیونکہ اس گائے میں شبہ پڑا ہے ہم کو
وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ میں واقعہ کا آخری حصہ مذکور ہے۔ واقعہ کی ترتیب کو اس لئے بدلا گیا تاکہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ان کی دو خباثتوں کی واضح طور پر نشاندہی کی جاسکے اول گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں لیس وپیش اور ٹال مٹول دوم بے گناہوں پر قتل کا الزام۔ اگر واقعہ کو اصل ترتیب سے ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دو مستقل واقعے ہیں جیسا کہ گذشتہ واقعات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ وَاِذْ سے جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب مستقل واقعات ہیں۔ نیز بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم اور گائے حاصل کرکے ذبح کرنے کے درمیان چالیس سال کا طویل وقفہ تھا (مدارک ص۴۴ ج ۱، کبیر ص۵۶۶ ج ۱) نعش کا اتنا عرصہ بے گور وکفن پڑا رہنا اور پھر متعفن نہ ہونا یہ امور بھی عقل وقیاس سے بعید ہیں۔ اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ دو مستقل واقعے ہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو طویل لیس وپیش اور جستجو کے بعد جب وہ مطلوبہ گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں تو قتل کا واقعہ پیش آگیا ہو اور انہیں اس گائے کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا ہو تاکہ وہ زندہ ہوکر اپنے قاتل کی نشاندہی کرے وقیل انہ یجوز ان یکون ترتیب نزولہا علی موسی علیہ السلام علی حسب تلاوتہا بان یامرھم اللہ تعالیٰ بذبح البقرۃ ثم یقع القتل فیؤمروا بضرب بعضہا (روح ص۲۹۵ ج ۱، قرطبی ص۴۴۵ ج ۱) لیکن ایک سوال باقی رہ جائیگا کہ اس صورت میں گائے ذبح کرنے کے حکم کی وجہ کیا ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک واقعہ ہونے کی صورت میں جس چیز کو مفسرین کرام نے ذبح کیلئے گائے ہی کو منتخب کرنے کی حکمت کہا ہے اس صورت میں وہی ذبح بقرہ کی علت ہوگی مصریوں کے ساتھ مدتوں رہنے کی وجہ سے اسرائیلی بھی گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہوچکے تھے۔ وہ گائے کی پوجا کرتے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود انہیں گوسالہ پرستی سے قدرے انس باقی تھا اگرچہ عملی طور پر وہ گائے کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن گوسالہ پرستی سے وہ پورے طور متنفر بھی نہیں تھے جبھی تو سامری کے گوسالہ کو دیکھتے ہی اسکے سامنے سجدہ ریز ہوگئے اس لئے ان کے سابق معبود کو ان کی نظروں میں ذلیل کرنے اور انہیں اس کی عبادت سے کلی طور پر متنفر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ توحید کی جڑیں انکے دلوں کی گہرائیوں میں پھیل کر خوب مضبوط ہوسکیں۔ وقیل انما امروا بذبح البقرۃ دون غیرھا من البہائم لانہا افضل قرابینہم و لعبادتہم العجل فاراد اللہ ان یہون معبودھم عندھم (مدارک ص۴۴ ج ۱) وانما اختص البقر من سائر الحیوانات لانہم کانوا یعظمون البقر ویعبدونہا من دون اللہ فاختبروا بذلک الخ (بحر ص۲۵۰ ج ۱) **۱۳۹** اسرائیلی سمجھے کہ گائے تو ایک مقدس اور معظم جانور ہے بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے یا انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے پتہ لگانے کو بعید از عقل سمجھا اس لئے کہا ہو نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ کیونکہ احکام خداوندی کی تبلیغ میں تمسخر کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی لان الہزء فی اثناء تبلیغ امر اللہ سبحانہ جہل وسفہ (ابو السعود ص۵۵۹ ج ۱) **۱۴۰** اب یہاں کر اسرائیلیوں کے تعنت اور حکم خداوندی کے امتثال میں لیت ولعل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہاں مَا هِيَ کے ذریعے گائے کی حقیقت مختصہ سے سوال نہیں ہے بلکہ یہ سوال محض ایضاح حال کیلئے ہے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ یعنی وہ نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی الفارض اسم للمسنۃ التی انقطعت ولادتہا من الکبر والبکر اسم للصغیرۃ التی لم تلد من الصغر (روح ص۲۹۶ ج ۱) عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ یہ ماقبل کی تاکید ہے عوان اسے کہتے ہیں جو دونوں عمروں کے درمیان ہو وسط بین السنین (معالم ص۲۲ ج ۱) ای لا ھی صغیرۃ ولا ھی مسنۃ (قرطبی ص۴۴۸ ج ۱) فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ یعنی حکم کی تعمیل کرو اور زیادہ سوال وجواب نہ کرو۔ ای من ذبح البقرۃ ولا تکثروا السؤال

موضح القرآن ف۱ یہ قصہ سورۂ اعراف میں ہے۔

فتح الرحمن ف۱ مترجم گوید شخصے را از بنی اسرائیل کشتہ یافتند وکشندۂ آں معلوم نبود خدا تعالیٰ حکم فرمود کہ گاؤ را ذبح کنند وبعضوی از آں مقتول را بزنند تا زندہ شود واز قاتلان خود خبر دہد القصہ گاؤ را بمبلغ خطیر خریدہ کردند وبزدند مقتول زندہ شد وپسران عم خود را نام برد کہ ایشاں کشتند پس قاتلاں را بقصاص رسانیدند واز بار قاتل را از میراث محروم ساختند واللہ اعلم ۱۲

ولا تتعنتوا (روح ص۲۸۵ ج ۱) تجدید للامر وتاکید وتنبیہ علی ترك التعنت فما ترکوہ (قرطبی ص۴۴۹ ج ۱) ۱۴۱ جب عمر کے متعلق اطمینان ہوگیا تو اب رنگ کے متعلق سوال کردیا صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا فاقع کے معنی تیز زرد رنگ والے کے ہیں شدید الصفرۃ تکاد من صفرتہا تبیض (ابن کثیر ص۱۱۱ ج ۱) تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ یعنی اس کا تیز اور گہرا زرد رنگ بدنما نہ ہو بلکہ ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر راحت اور سرور محسوس کریں
۱۴۲ یہ اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کے خبث باطن کی انتہا ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس وپیش کررہے ہیں اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا یعنی مذکورہ بالا اوصاف تو بہت سی گایوں میں پائے جاتے ہیں ان سے گائے کی تعیین نہیں ہوتی اس لئے مزید وضاحت فرمائی جائے وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ بار بار سوال کی وجہ سے گائے کے حصول میں دشواری بڑھ رہی تھی اس لئے اب انہوں نے اپنی غلطی محسوس کی اور اس پر نادم ہوئے اور آخری سوال میں اپنی کامیابی کو مشیت ایزدی سے معلق کیا گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم مطلوبہ گائے حاصل کرکے ہی دم لیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے (قرطبی ص۴۵۲ ج ۱) ۱۴۳

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ
وہ ایک گائے ہے محنت کرنیوالی نہیں ۱۴۳ جو جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیتی کو
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں بولے اب لایا تو ٹھیک بات
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ
پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے اور جب مار ڈالا تھا تم
نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے ۱۴۴ اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم
تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ
چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس کا ایک حصہ اسی طرح زندہ کرے گا
اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ
اللہ مردوں کو ۱۴۵ اور دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو ف۱ پھر
قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
تمہارے دل سخت ہوگئے اس سب کے بعد ۱۴۶ سو وہ ہوگئے جیسے پتھر
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ
یا ان سے بھی سخت ۱۴۷ (کیونکہ) پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں
مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ
نہریں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے
الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَمَا
پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ
اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے ۱۴۸ اب کیا تم اے مسلمانو توقع رکھتے ہو کہ

ع ۸

تیسری خباثت (۳)

بنی اسرائیل کی پانچویں جماعتوں کا ذکر (۲)

یعنی اس سے محنت کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ یہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ مُسَلَّمَةٌ بے عیب ہو بریئۃ من العیوب (معالم ص۶۲ ج ۱) لَا شِيَةَ فِيْهَا وہ یک رنگ ہو اور اس میں کسی دوسرے رنگ کا داغ دھبہ نہ ہو ای لیس فیہا لون یخالف معظم لونہا ھی صفراء کلہا لا بیاض فیہا ولا حمرۃ ولا سواد (قرطبی ص۴۵۴ ج ۱) جِئْتَ بِالْحَقِّ یہاں حق بمعنی حقیقت ہے یعنی اب تم نے مطلوبہ گائے کی ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی ہے۔ ای اظہرت حقیقۃ ما امرنا بہ فالحق ھنا بمعنی الحقیقۃ (روح ص۲۹۰ ج ۱) فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ یعنی ان کی طبیعت گائے کے ذبح کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے بار بار سوال کرتے تھے۔ ذبح تو کیا مگر بڑی مشکل سے بنی اسرائیل کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔ مگر انہوں نے ازراہِ تعنت اس میں موشگافیاں شروع کردیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اوصاف کی گائے کے لئے ایک طرف تو انہیں بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی اور دوسرا عرصہ دراز تک اس کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کوئی سی گائے لیکر ذبح کرڈالتے تو ان کا کام بن جاتا۔ لو ذبحوا ای بقرۃ ارادوا لاجزأتہم ولکن شددوا علی انفسہم فشدد اللہ تعالیٰ علیہم (روح ص۲۹۰ ج ۱)۔

۱۴۴ یہ تیسری خباثت ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق یہ مذکورہ واقعہ کا پہلا حصہ ہے جسے بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ مستقل واقعہ ہے جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا۔ ادّٰرَءْتُمْ درء سے ماخوذ ہے جسکے معنے ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں اور یہ اصل میں تدارءتم تھا۔ تا کو قرب مخرج کی وجہ سے دال سے تبدیل کیا گیا اور پھر اسے ساکن کرکے دوسرے دال میں ادغام کردیا گیا اور ابتدا میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا۔ باب تفاعل کا خاصہ مشارکت ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے ہر شخص قتل کا الزام دوسرے پر پھینکنے لگا۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ یعنی جس چیز کو تم مسلسل چھپانے کی کوشش کررہے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ہ کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے کیونکہ نفس مؤنث معنوی ہے۔ اس کی طرف مذکر ومؤنث دونوں ضمیریں راجع ہوسکتی ہیں اور بَعْضِهَا کی ضمیر گائے کی طرف راجع ہے مطلب یہ کہ گائے کے بدن کا کوئی سا حصہ مقتول کے بدن سے لگا دو تو وہ زندہ ہوکر قاتل کا پتہ بتا دیگا۔ وقال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الضمیر فی بعضہا راجع الی النفس ایضا ومعناہ اضربوا النفس القتیلۃ ببعض نفسہا کاللید ونحوھا واللہ اعلم ۱۴۵ یہ جملہ معترضہ ہے جو اس واقعہ کی عبرت اور موعظت کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ اس واقعہ میں منکرین حشر ونشر کے لئے عبرت ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے اس مردہ کو زندہ کردیا تھا اسی طرح وہ تمام مُردوں کو زندہ کرے گا۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ قدرت کے یہ نشانات اس لئے ظاہر فرماتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور تاکہ تم عقل سے کام لیکر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کرسکو ویریکم ایتہ علی انہ قادر علی کل شیء لعلکم تعقلون فتعملون علی قضیۃ عقولکم وھی ان من قدر علی احیاء نفس واحدۃ قدر علی احیاء

موضح قرآن ف۱ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا۔ اس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ اس کے وارث ہر کسی پر دعویٰ کرتے حق تعالیٰ نے اس طرح اس مرے کو جلایا۔ اُس نے بتایا کہ ان وارثوں ہی نے مارا تھا۔

جمیعها (مدارک ص۳۲ ج ۱) یعنی جو ذات ایک مردہ کو زندہ کرسکتی ہے وہ سب کو خلعت حیات دوبارہ عطا کرسکتی۔ اس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ۱۴۶ ذالک سے تمام گذشتہ واقعات، انعامات، آیات اور معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ ما سبق من الأیات التی علموها (روح ص۲۹۵ ج ۱) یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان تمام آیات ومعجزات اور تخویفات وتبشیرات کے بعد تمہارے دل نرم ہوجاتے ہیں۔ ان میں خوف پیدا ہو جاتا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ ـــــــ کے حکام کی پیروی کرتے اور سچی نیت سے اس کی اطاعت کرتے مگر اس کے باوجود تمہارے دل سخت ہوگئے اور تم نے بڑھ چڑھ کر حدود اللہ کو توڑا اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کی۔ ثُمَّ یہاں تراخی بیان کے لئے نہیں بلکہ استبعاد کیلئے ہے۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما يزيلها (ابو السعود ص۵۳ ج ۱) یعنی قبول حق کی طرف ان کے دل ذرا مائل نہ ہوئے مذکورہ بالا عبرتناک اور عبرت انگیز واقعات کے مشاہدہ کرنے کے بعد نرم ہونے کے بجائے ان کے دل اور سخت ہوگئے ۱۴۷ اور سخت بھی کیسے پتھر کی طرح بلکہ پتھر سے بھی سخت وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ کیونکہ پتھر تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ الواو تعلیلیة (کذا فی المغنی لابن هشام ص۳۳ ج ۱) وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ اور کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے تھوڑا بہت پانی نکل آتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو خوفِ خدا کے مارے گر پڑتے ہیں۔ پتھروں سے پانی کا نکلنا تو کوئی بعید نہیں البتہ پتھروں کے خوفِ خدا سے گرنے پر شبہ کیا جاسکتا ہے مگر یہ بھی کوئی بعید نہیں کیونکہ تمام جمادات کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا شعور عطا کیا ہوا ہے جسے شعور بسیط کہتے ہیں۔ اور اس شعور کی بنا پر جمادات میں خوف ومسرت، حُبّ وبُغض اور دیگر اعراض پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں احد پہاڑ کے متعلق آتا ہے۔ احد جبل یحبنا ونحبه یعنی احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پتھر تو پھر بھی کسی درجہ میں تأثر قبول کرتے ہیں مگر ان کے دل اتنے سخت ہیں کہ ان میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ والمعنی ان الحجارة تتاثر وتنفعل وقلوب هؤلاء لا تتأثر ولا تنفعل عن امر اللہ تعالیٰ اصلًا۔

يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ
وہ مانیں تمہاری بات ۱۴۸ اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ
اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۷۵ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا
اور وہ جانتے تھے اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم
اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا
مسلمان ہوئے ۱۴۹ اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ
تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو
بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۷۶ اَوَلَا
اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے ف ۱ کیا اتنا بھی نہیں
يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ
يُعْلِنُوْنَ ۷۷ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ
ظاہر کرتے ہیں ۱۵۱ اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں نہیں خبر رکھتے
الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۷۸
کتاب کی ۱۵۲ سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ
سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر
يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ
کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے ۱۵۳ تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول

النصف

۱۴۸ پہلی جماعت (محرفین) ۱۲

۱۴۹ دوسری جماعت (منافقین) ۱۲

۱۵۱ تیسری جماعت (ان پڑھ مریدین) ۱۲

۱۵۲ چوتھی جماعت (مال دنیوی کی خاطر احکام خداوندی کو تبدیل کرنے والے) ۱۲

۱۴۸ یہ ان کی بداعمالیوں پر وعید ہے یعنی جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور انہیں ساری بداعمالیوں کی ضرور سزا دیگا۔ یہاں تک نوع ثانی ختم ہوئی جس میں ان کی خباثتوں کا ذکر تھا۔ اب آگے اس نوع کا تتمہ ہے جس میں خباثت کے لحاظ سے یہودیوں کے پانچ گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ احبار ورہبان یعنی یہودیوں کے علماء اور درویشوں کا ہے جو سمجھ بوجھ کر تورات میں تحریف کرتے تھے۔ دوسرا گروہ منافقین یہود کا تھا۔ تیسرا گروہ ان پڑھ اور جہلاء کا تھا جو مولویوں اور پیروں کی بنائی ہوئی باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ چوتھا گروہ ان علماء یہود کا تھا جو تحریری طور پر تورات کی تحریف کرتے تھے۔ اور پانچواں گروہ ان صاحبزادگان کا تھا جن کو اپنے آباؤ اجداد پر ناز تھا۔ ۱۴۹ یہاں ہمزۂ استفہام انکار وتوبیخ کے لئے اور خطاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہے مطلب یہ کہ آپ ان یہود سے یہ توقع نہ رکھیں کہ یہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ ان کے اس وقت یہ پانچ گروہ ہیں اور ان سب کی خباثت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان سے ایمان کی توقع بیکار ہے وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس فریق سے یہود کے وہ علماء مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے۔ المراد بالفریق من کان فی زمن محمد علیہ الصلوٰة والسلام (کبیر ص۵۵ ج ۱) قال مجاهد الذین یحرفونه والذین یکتمونه هم العلماء منهم (ابن کثیر ص۱۱۵ ج ۱) اور کلام اللہ سے مراد تورات ہے ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ یہود کے علماء اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری

موضح قرآن ف ۱ وہ جو ان میں منافق تھے خوشامد کے واسطے اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں کے پاس بیان کرتے اور وہ جو مخالف تھے ان کو اس پر الزام دیتے کہ اپنے علم میں سے ان کے ہاتھ سند کیوں دیتے ہو۔ ۱۲

رسول نبی اور توراۃ میں جس آخری پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں مگر جان بوجھ کر وہ ان آیتوں میں تحریف کرتے جن میں آپ کے اوصاف مذکور ہوتے تھے۔ ان کی یہ تحریف کسی غلط فہمی پر مبنی نہ تھی بلکہ دیدہ و دانستہ تھی عمدوا الی ما انزل اللہ فی کتابہم من نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فحرفوہ عن مواضعہ (ابن کثیر ص۱۱۵ ج ۱) یہاں تحریف عام ہے لفظی اور معنوی دونوں کو شامل ہے۔ علماء یہود دونوں طرح کی تحریف کیا کرتے تھے کبھی توراۃ کی آیتوں کے الفاظ ہی تبدیل کر دیتے اور کبھی انکے مضمون کو اس طرح مسخ کر کے بیان کرتے کہ اصل مطلب سے انہیں کوئی تعلق ہی باقی نہ رہ جاتا۔ قرآن مجید کے الفاظ میں تو تحریف ناممکن ہے۔ البتہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے یہودیوں کے جانشین مولویوں اور پیروں کی آج امت محمدیہ میں بھی کمی نہیں۔ قرآن مجید کی معنوی تحریف کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ پنجاب کے ایک پیر قرآن مجید کی ایک آیت اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ یہاں اَنَا کی خبر محذوف ہے اصل میں یہ آیت یوں تھی انما انا انا بشر مثلکم یعنی میں تو میں ہوں اور بشر تمہاری طرح ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بڑے بڑے

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ
سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں سے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو
مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ
اپنی اس کمائی سے ۱۵۱ وا ف۱ اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر
اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا
چند روز گنے چنے ۱۵۵ کہدو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار
فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ
جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ ۱۵۶ اور
اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۱۵۷ اور جو ایمان لائے اور عمل کئے
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں
خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ
ہمیشہ رہیں گے ف۲ اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ
کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی ۱۵۸ اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور
ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ
کنبہ والوں سے اور یتیموں سے اور محتاجوں سے ۱۵۹ اور کہیو سب لوگوں سے

ع ۹ ۱۱ ۹

مولویوں اور پیروں کو یہ کہتے ہوئے سنیں گے کہ قرآن میں جہاں کہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی غیر خدا کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں عبادت سے مراد بندگی ہے۔ غائبانہ دعا و پکار مراد نہیں۔ اسی طرح مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت ہیں نہ کہ اللہ کے نیک بندے حالانکہ عبادت کے معنی صحیح حدیث میں پکارنا اور دعا کرنے کے ہیں۔ نیز من دون اللہ سے خود قرآنی تصریحات کے مطابق کہیں انبیاء اور کہیں فرشتے مراد ہیں۔ کہیں اولیاء اللہ اور کہیں جن مراد ہیں اور کہیں بت بھی مراد ہیں مگر یہ مولوی اور پیر اصل حقیقت کو جانتے بوجھتے ہوئے محض حقیر دنیا کی خاطر عوام کو اصل بات نہیں بتلاتے مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ ۱۵۰ یہ منافقین یہود کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی جب منافقین یہود ان یہودیوں سے ملتے جو منافق نہیں تھے۔ قَالُوْا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے تو انہیں اپنے ایمان کا یقین دلاتے اور ان کی خوشامد کیلئے ان سے کہہ دیتے کہ حضور علیہ السلام کی صفات و نعوت تورات میں مذکور ہیں اور وہ تمام صفات آپ پر منطبق ہوتی ہیں لیکن یہ منافق اپنے لیڈروں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹ پلاتے کہ تم وہ اسرار مسلمانوں کو کیوں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم کو تورات میں بتائے ہیں ای تخبرون المؤمنین بما بینہ اللہ تعالیٰ لکم خاصۃ من نعت نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح ص۲۹۹ ج ۱) لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ یعنی قیامت کے دن اللہ کے سامنے تمہارے ان اقراروں سے تم پر احتجاج کریں گے اس لئے تم عقل سے کام لو اور اس معاملے میں احتیاط برتو۔ ۱۵۱ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے اگر ان کے منافقین مسلمانوں کو نہیں بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی مسلمانوں کو بتا دیگا۔ فحینئذ یظہر اللہ تعالیٰ للمؤمنین ما ارادوا اخفائہ بواسطۃ الوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیحصل المحاجۃ (ابو السعود ص۳۸۸) تو مسلمانوں کو پھر بھی احتجاج کا موقع مل جائے گا۔ ۱۵۲ یہ تیسرا گروہ ہے جاہل اور کندۂ ناتراش مریدوں اور عقیدتمندوں کا کہ جو غلط سلط باتیں اپنے علماء اور فقراء سے سن لیں بس انہیں کو دین سمجھ لیا۔ یہ خود تو تورات پڑھ نہیں سکتے تھے اس لئے سنی سنائی باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اِلَّآ اَمَانِيَّ من گھڑت قصوں جھوٹی آرزوؤں اور تمناؤں کے بغیر جو انہوں نے اپنے غلط کار اور محرف علماء سے سن رکھی تھیں اور وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ الا اکاذیب اخذوھا تقلیدا من شیاطینھم المحرفین (روح ص۳۰۰ ج ۱) اکاذیب مختلقۃ سمعوھا من علمائھم فنقلوھا علی التقلید (بحر ص۲۷۵ ج ۱) وہ آرزوئیں اور تمنائیں کیا تھیں وہ بھی سن لیجئے علماء یہود نے عوام کو بتا رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے گناہوں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اور ہمارے آباء و اجداد یعنی انبیاء علیہم السلام انہیں بخشوا لیں گے۔ اور جنت ہمارے اور ہمارے مریدین ہی کے لئے ہے۔ اور اگر ہم میں سے کوئی دوزخ میں گیا بھی تو چند ہی دنوں کے لئے جائے گا۔ جس طرح آج کل کے بناوٹی پیروں نے اپنے مریدوں کو یہی کچھ سکھا رکھا ہے۔ چنانچہ ان کے مریدین علانیہ کہتے ہیں۔ ہمیں نماز پڑھنے کی

حاشیہ:
سے بکاؤ ین جماعت ۱۲ (پیر اور صاحبزادے)
ے تحریف محمدی ۱۲
ے بشارت محمدی ۱۲
ے فرقہ ثالث ۱۲ (موجودہ بنی اسرائیل کی خباثتیں) ۱۲

موضح قرآن۔ ف۱ یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کو انکی خوشی کے موافق باتیں جوڑ کر لکھ دیتے ہیں اور نسبت کرتے ہیں خدا یا رسول کی طرف ۱۲ ف۲ گھیر لیا گناہ نے یعنی گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ ۱۲

فتح الرحمٰن۔ ف۱ مترجم گوید یکے از عقائد باطلہ یہود آں بود کہ می گفتند یہود بنا شند در دوزخ مگر روزے چند و ایں خطاء است زیرا کہ دخول جنت موقوف بر ایمان بخدا و روز قیامت و پیغمبر زمانیست جنس پیغمبر و غیر آں اعتبار ندارد و اشارت بہمیں معنیٰ است دریں آیت ۱۲

ضرورت نہیں۔ ہم نے اپنا ہاتھ کامل پیر کے ہاتھ میں دے رکھا ہے وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں پل صراط سے پار کر دیں گے۔ اور اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اور یہ بیچارے نمازی تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ داما نہم ان اللہ یعفو عنھم ویرحمھم ولا یؤاخذھم بخطایاھم وان اٰباءھم الانبیاء یشفعون لھم (بحر ص ۲۷۵ ج ۱، روح ص ۳۰۱ ج ۱) وان الجنۃ لا یدخلھا الا من کان ھودًا وان النار لا تمسھم الا ایامًا معدودۃ (روح ص ۳۰۲ ج ۱) وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ہ مگر یہ سب ان کے اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ف ۱۵۳ یہ چوتھا گروہ ہے اور یہ بھی ان کے خواص اور علماء ہی کی ایک جماعت ہے۔ انہوں نے یہ کیا کہ اپنی طرف سے تورات کے چند نسخے تیار کئے اور تورات میں جہاں کہیں توحید کا بیان تھا یا حضور علیہ السلام کا ذکر اور آپ کی نعت تھی اسے اس طرح بدل ڈالا کہ اصل سے اسے کوئی نسبت ہی نہ رہی۔ پھر اصل تورات کے نسخے چھپا ڈالے اور اپنے ہاتھوں سے تیار کئے ہوئے محرف نسخے اپنے عوام اور مشرکین عرب میں تقسیم کر دیئے اور کہتے یہ تھے کہ دیکھو یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں تو اس نبی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی اس توحید کا بیان ہے جو وہ پیش کرتا ہے (روح ص ۳۰۲ ج ۱) اس جرم کی سنگینی اور ان بدکردار علماء کی تحقیر و تذلیل کے پیش نظر ان کا ذکر ویل و ہلاکت اور ذلت و رسوائی کی وعید شدید کے ساتھ کیا ہے۔ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط اس تحریف و تبدیل سے ان کا مقصد کوئی دین کی خدمت نہیں بلکہ محض دولت دنیا کی خاطر انہوں نے ایسا کیا۔ دولت دنیا خواہ ڈھیروں ہو مگر آخرت اور دین کے مقابلے میں وہ بالکل حقیر اور بے حقیقت ہے اس حقارت کے پیش نظر اسے قلیل فرمایا۔ ف ۱۵۴ یہ ماقبل کی تفصیل ہے پہلے وعید کا صرف اجمالی ذکر تھا اب اس کے ساتھ اس کی علت کا بھی ذکر ہے۔ اور لفظ ویل کے تکرار سے وعید میں شدت اور مبالغہ پیدا ہو گیا ہے۔ الفاء لتفصیل ما اجمل ما فیہ من التنصیص بالعلۃ ولا یخفی ما فی ھذا الاجمال و التفصیل من المبالغۃ فی الوعید والزجر والتھویل (روح ص ۳۰۳ ج ۱) یعنی ان کی اس وعید کا سبب ان کی تحریف و تبدیل اور وہ حرام کمائی ہے جو وہ تحریف کے ذریعے کماتے ہیں ف ۱۵۵ یہ پانچواں گروہ صاحب زادگان کا ہے جنہوں نے مکر و فریب سے عوام کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ چونکہ اللہ کے پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ان کی نسل پاک پشتوں سے نکلی ہوئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر کوئی مواخذہ نہیں کرے گا اور بڑے بڑوں کی طفیل انہیں معاف کر دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ دعویٰ نقل فرمایا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ (مائدہ ع ۳) اور اگر ہمیں سزا دی بھی گئی تو وہ محض معمولی سی اور چند دنوں کیلئے ہو گی قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا۔ یہ یہودیوں کے مذکورہ دعویٰ کی تردید ہے یعنی جہنم سے محفوظ رہنے کیلئے تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ تمہیں اس سے محفوظ رکھے گا یعنی اگر اس نے ایسا عہد کیا ہوا ہے تو پھر تو وہ یقینًا اسے پورا کرے گا مگر یہ ظاہر ہے کہ اللہ نے تم سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا۔ یا عہد سے مراد عہد توحید ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے اللہ سے توحید کا عہد کر لیا ہے کیونکہ جس نے اللہ سے توحید کا عہد کیا ہوا ہے اللہ نے بھی اسے جہنم سے بچانے کا عہد کیا ہوا ہے۔ قال ابن مسعود عھدًا بالتوحید یدل علیہ قولہ تعالیٰ الا من اتخذ عند الرحمٰن عھدًا یعنی قول لا الٰہ الا اللہ (معالم ص ۶۶ ج ۱) وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان معنی الاٰیۃ ھل قلتم لا الٰہ الا اللہ و اٰمنتم واطعتم (روح ص ۳۰۳ ج ۱) ف ۱۵۶ بلٰی حرف استدراک ہے ماقبل کی نفی اور مابعد کا اثبات کرتا ہے۔ وبلٰی وبل حرفا استدراک ومعناہ ھی نفی الخبر الماضی واثبات الخبر المستقبل (معالم ص ۶۶ ج ۱) یہ بھی یہودیوں کے غلط دعووں اور ان کی جھوٹی آرزوؤں کی تردید ہے یعنی جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے اور دل میں کئی امیدیں اور آرزوئیں پال رکھی ہیں ایسا نہیں بلکہ ہر بدکردار کو خواہ وہ کوئی ہو اس کے بداعمال کی ضرور سزا ملے گی یقول اللہ تعالیٰ لیس الامر کما تمنیتم ولا کما تشتھون بل الامر من عمل سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ ...... فھذا من اھل النار (ابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۱) اور سیئہ سے یہاں کفر و شرک مراد ہے۔ وذھب کثیر من السلف الی انھا ھھنا الکفر (روح ص ۳۰۴ ج ۱) سیئۃ شرکًا عن ابن عباس ومجاھد وغیرھما رضی اللہ عنھم (مدارک ص ۴۶ ج ۱) اور ممکن ہے کہ سیئہ سے مراد مطلق معصیت ہو جو سب کو شامل ہو۔ واحاطت بہ خطیئتہ اور گناہوں نے اسے گھیر لیا ہو یہاں تک کہ اس پر نیکی کی تمام راہیں بند کر دی ہوں اور اس پر گناہوں کا اس قدر غلبہ ہو کہ اس کے پلے کوئی نیکی نہ ہو یہاں تک کہ ایمان بھی مفقود ہو۔ لہٰذا اس صورت میں یہ آیت مومنین کو شامل نہ ہو گی۔ بلکہ صرف مشرکین اور کفار ہی سے متعلق ہو گی لہٰذا معتزلہ اور خوارج کا اس آیت سے استدلال کہ مومن عاصی مخلد فی النار ہو گا باطل ہو گیا۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ اور خلود سے یہاں دوام مراد ہے۔ ف ۱۵۷ کفار و مشرکین کی وعید کے بعد یہاں مومنین صالحین کے لئے خلود فی الجنۃ کی خوشخبری بیان کی ہے اور یہاں بھی خلود سے مراد دوام ہے۔ امام سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو لطیف نکتے بیان فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ عمل کا عطف ایمان پر اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کی حقیقت سے خارج ہے اور اس کا جزو نہیں کیونکہ جزو کا عطف کل پر نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ اصحاب نار کی وعید بیان کرتے وقت حرف فاء استعمال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد ماقبل پر مرتب اور اس کا نتیجہ ہے لیکن اصحاب جنت کو خلود فی الجنۃ کی خوشخبری سناتے ہوئے حرف فاء استعمال نہیں فرمایا تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل نار کا خلود فی النار ان کے اعمال سیئہ کا نتیجہ ہے اور اہل جنت کا خلود فی الجنۃ محض اللہ کی مہربانی اور اس کے لطف و کرم سے ہے (روح ص ۳۰۴ ج ۱) یہاں تک نوع ثانی ختم ہوئی۔

نوع ثالث

اس میں نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کی خباثتیں اور شرارتیں بیان کی گئی ہیں یعنی ضد و عناد اور عدوان و عصیان کوئی تمہارے اسلاف ہی میں منحصر نہیں تھا تم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ یعنی جو احکام تورات میں تم تمام بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے اور جو عہود تم سے لئے گئے تھے تمہارے اسلاف نے ان احکام کو ٹھکرایا اور ان عہود کو توڑا اب تم بھی اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے سرتابی کر رہے ہو اور اس کے عہود مواثیق کو پاش پاش کر رہے ہو۔ ف ۱۵۸ یہ موجود بنی اسرائیل کی پہلی خباثت ہے۔ بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے تورات میں ان احکام کی پابندی کا عہد لیا گیا تھا۔ سب سے پہلا عہد جو ان سے لیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اسی کو کارساز اور مالک و مختار سمجھیں اور اسے ہی حاجات میں پکاریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ توحید چونکہ حق اللہ ہے اور تمام اعمال کی روح و جان ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ لَا تَعْبُدُوْنَ بظاہر خبر ہے لیکن معنیٰ کے لحاظ سے امر ہے اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ امر بصورت خبر زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ قال الزمخشری خبر بمعنی الطلب وھو اٰکد (ابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۱) وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا درجہ ہے اور ان میں پھر والدین کے حقوق سب پر مقدم ہیں اس لئے حق اللہ کے بعد ماں باپ سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ توحید کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وبالوالدین لا تعبدون پر معطوف ہے۔ اور اس کا متعلق تُحْسِنُوْنَ محذوف ہے اور اِحْسَانًا اس فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کے بعد والدین کے حقوق کما حقہٗ ادا کرو۔ والدین کے حقوق بہت ہیں مثلًا ان کا اکرام و احترام کرنا، ان کے جائز احکام کی تعمیل کرنا، ادب سے اور نرمی سے باتیں کرنا، ان کی مالی اعانت کرنا وغیرہ۔ والدین کے یہ حقوق بہرحال لازم ہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کرنے پر مجبور کریں تو اس معاملہ میں ان کی اطاعت جائز نہیں البتہ ان سے حسن سلوک فرض ہے۔ ف ۱۵۹ ان سب کا عطف الوالدین پر ہے۔ والدین کے بعد رشتہ داروں یتیموں اور غریبوں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ یہاں حسن سلوک سے مراد ان کی مالی اعانت ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ط اور بنی اسرائیل سے اس امر کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ تمام لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آئیں حُسْنًا قولًا محذوف کی صفت ہے۔ ای قولوا للناس قولا حسنا اور حسنًا کو بطور مبالغہ قولًا پر محمول کیا گیا ہے یعنی لوگوں سے ایسی گفتگو کرو جو سراپا حسن اخلاق ہو وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ بنی اسرائیل سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا عہد بھی لیا گیا تھا۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ سے وہی نماز و زکوٰۃ مراد ہے جو بنی اسرائیل پر فرض تھی۔ ف ۱۶۰ لیکن تم نے یہ عہد پورا نہ کیا بلکہ ان احکام سے روگردانی کی، توحید کو چھوڑ دیا اور شرک

اختیار کرلیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام اور اپنے دوسرے بزرگوں کو خدا کے نائب اور کارساز مانا۔ انسانی حقوق پا مال کئے۔ نماز و زکوٰۃ سے لاپرواہی کی اور تم میں سے بہت تھوڑے اس عہد پر قائم رہے۔ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ اعراض اور عہد شکنی تم سے کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے تمہاری عادتِ قدیمہ ہی یہی ہے۔ تمہارے آباء و اجداد کا بھی یہی شیوہ تھا۔ اب تمہارا دستور بھی یہی ہے ای وانتم قوم عادتکم الاعراض والتولی عن المواثیق (روح صـ۳۱۵ ج ۱) آج اگر دیکھا جائے تو بنی اسرائیل کے یہ تمام حالات مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکے ہیں جس طرح وہ اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو خدا کا شریک بناتے اور پکارتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حدیں توڑتے تھے بالکل اسی طرح آج اہل اسلام بھی کر رہے ہیں۔ ۱۶۱ یہ دوسری خباثت ہے۔ بنی اسرائیل سے تورات میں یہ بھی عہد لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں اتفاق سے رہیں اور خانہ جنگیوں سے اجتناب کریں۔ اپنے کسی بھائی کو اس کے گھر سے نہ نکالیں اور نہ ہی کسی کو قتل کریں۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ اور تم نسلاً بعد نسلٍ اس عہد و پیمان کا اقرار کرتے چلے آئے ہو اور آج بھی تم معترف ہو

حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا

نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰت پھر تم پھر گئے مگر

قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا

تھوڑے سے تم میں ۱۶۰ اور تم ہو ہی پھرنے والے اور جب لیا ہم نے

مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ

وعدہ تمہارا کہ نہ کروگے خون آپس میں اور نہ نکال دوگے

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ

اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم

تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

مانتے ہو ۱۶۱ پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو

اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ

آپس میں ۱۶۲ اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے ۱۶۳

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ

چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے ۱۶۴ اور اگر

يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دیکر چھڑاتے ہو ۱۶۵ حالانکہ حرام ہے تم پر

اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ

ان کا نکال دینا بھی تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور

تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ

نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام

مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں ۱۶۶ اور قیامت کے دن

۱۔ پہلی خباثت

۲۔ دوسری خباثت

کہ تم نے اس عہد کا اقرار کیا اور اسے قبول کیا۔ ۱۶۲ یہاں سے اسرائیلیوں کی عہد شکنی کا بیان ہے۔ یعنی تمہیں خانہ جنگی سے منع کیا تھا مگر تم پختہ اقرار کے باوجود باز نہ رہے اور اپنے بھائی بندوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آرہے تھے۔ مدینہ میں اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں میں یہودی بھی ایک اقلیت کی حیثیت سے آباد تھے اور ان کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر مشہور تھے۔ اقلیت کو ہمیشہ دوسروں کے سہارے جینا پڑتا ہے اس لئے بنی قریظہ نے قبیلہ اوس سے معاہدہ کرلیا اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کے حلیف بن گئے۔ اوس اور خزرج کے درمیان آئے دن خونریز لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اس لئے ان کے معاہد یہودیوں کو بھی اپنے اپنے حلیف قبیلہ سے مل کر ان لڑائیوں میں حصہ لینا پڑتا تھا اور اس طرح ایک طرف کے یہودیوں کے ہاتھوں دوسری طرف کے کئی یہودی قتل ہوجاتے تھے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۶۳ مذکورہ جنگ و جدال اور قتل و غارت کے دوران فریقین میں سے کئی خاندانوں کو اپنے گھر چھوڑ کر بے خانماں ہونا پڑتا۔ ہر فریق کی اپنے گھروں سے بے دخلی کا سبب دوسرے فریق کے یہودی بنتے کیونکہ یہودیوں کا ایک فریق اپنے حلیف کافروں سے مل کر فریق ثانی کے حلیف یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتا۔ اس لئے اخراج کو ان کی طرف منسوب کیا۔ ۱۶۴ تظاہرون اصل میں تتظاہرون تھا ایک تاء بغرض تخفیف حذف کردی گئی ہے اور یہ تخرجون کی ضمیر سے حال ہے۔ علیھم میں ھم ضمیر فریقًا کی طرف راجع ہے جو معنیً جمع ہے۔ اثم سے مراد خدا کی نافرمانی اور عدوان سے مراد ظلم ہے۔ بالاثم والعدوان بالمعصیۃ والظلم (معالم صـ۶۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ تم اپنے بھائیوں کے خلاف غیر اقوام کی مدد کرتے ہو اور یہ مدد بھی کسی نیک اور تعمیری کام کے لئے نہیں ہوتی۔ اس میں ایک طرف تو تم خدا کی نافرمانی کرتے ہو۔ کیونکہ اس نے تمہیں اپنے بھائی بندوں کے قتل اور اخراج سے منع کیا ہے اور دوسری طرف قتل و اخراج کے ذریعے اپنے بھائیوں پر ظلم کرتے اور ان کی حق تلفی کرتے

ہو۔ ۱۶۵ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہودیوں کے ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کے ہاتھوں قید ہوجاتے تو یہ لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ لوگ کہتے کہ خدا نے ہمیں فدیہ دیکر قیدیوں کو چھڑا لینے کا حکم دیا ہے ہم اس لئے ایسا کرتے ہیں۔ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ یہ جملہ بھی تخرجون کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی فدیہ دیکر قیدی کو چھوڑنے کے حکم پر تو تم عمل کرتے ہو مگر اپنے بھائیوں کو ان کے گھروں سے نکالتے وقت یہ خیال نہیں کرتے ہو کہ ایسا کرنا تم پر حرام ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ استفہام تہدید اور دھمکی کے طور پر ہے اور الکتاب سے مراد تورات ہے کیونکہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے یعنی تم نے تورات کے ایک حصے کو مان لیا اور ایک حصہ کو ٹھکرا دیا فدیہ دینے کے حکم پر عمل کرلیا اور قتل و اخراج سے نہی کی پرواہ نہ کی۔ ۱۶۶ خدا کے بعض حکموں کو ماننا اور بعض کو رد کردینا یہ بہت بڑا جرم ہے اور خدائی احکام کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر اور استہزاء ہے اس آیت میں اس جرم کی سزا بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا وہ دنیا و آخرت میں مغضوب اور مقہور ہوگا۔ دنیا میں ذلت و رسوائی کے سوا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ یہودیوں کا یہی حشر ہوا کہ اس کے چند ہی سال بعد بنی نضیر کو ذلت و خواری سے جلاوطن کیا گیا اور بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو

غلام بنایا گیا۔ ۱۶۷ اور قیامت کے دن انہیں بہت ہی سخت عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اشد العذاب سے مراد جہنم کا ابدی عذاب ہے اور وہ سب سے سخت اس لحاظ سے ہوگا کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوگا والمراد به الخلود فی النار واشد یته من حیث انه لا انقضاء له (روح ص۳۱۲ ج ۱) ۱۶۸ یہ گذشتہ وعید کے لئے ایک قسم کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ گھات میں ہے۔ وہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں وہ تمہارے اعمال کی تم کو پوری پوری سزا دیگا۔ ان آیتوں کے مخاطب وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے لیکن اب پوری امت محمدیہ بھی ان احکام کی مخاطب اور مکلف ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال ان بنی اسرائیل قد مضوا وانتم تعنون بھذا یا امة محمد وبما یجری مجراه (روح ص۳۱۲ ج ۱) ۱۶۹ ان لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی حالانکہ آخرت حاصل کرنیکا پورا پورا سامان ان کے پاس موجود تھا۔ خدا کی کتاب تورات ان کے پاس موجود تھی مگر انہوں نے اس پر عمل کرکے سامانِ آخرت تیار کرنیکی بجائے اسے دُنیا حاصل کرنیکا ذریعہ بنایا۔ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان کے عذاب میں قطعاً کوئی تخفیف نہیں ہوگی نہ دنیوی سزا میں نہ اخروی میں وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ہ فعل مجہول لاکر اور فاعل کا ذکر نہ کرکے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مذکورہ عذاب سے بچانے کے لئے انہیں کسی طرف سے کسی قسم کی مدد نہیں پہنچے گی نہ دولت دنیا کے ذریعے انہیں عذاب سے چھڑا جاسکے گا، نہ ان کے اسلاف کی وجاہت اور بزرگی کام آسکے گی اور نہ ہی انہیں اپنے ان بزرگوں کی سفارش اور کارسازی سے نجات مل سکیگی، جن کو انہوں نے خدا کے نائب اور کارساز سمجھے رکھا۔ یہ بات کوئی بنی اسرائیل ہی سے مخصوص نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا ایک عالمگیر اور اٹل قانون ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے اور اس کی طرف سے آنیوالی تکلیفوں سے کسی کو کوئی بھی نہیں بچاسکتا۔

یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں ۱۶۷ اور اللہ بے خبر نہیں
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ
تمہارے کاموں سے ۱۶۸ ف۱ ف۲ یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی
الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
آخرت کے بدلے ۱۶۹ سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب
وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ
اور نہ ان کو مدد پہنچے گی اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب ۱۷۰
وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ
اور پے در پے بھیجے اسکے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسےٰ
مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط
مریم کے بیٹے کو معجزے صریح ۱۷۱ اور قوت دی اس کو روح پاک سے
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُكُمُ
پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو
اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا
تو تم تکبر کرنے لگے ۱۷۲ پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو
تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ
تم نے قتل کردیا ۱۷۳ ف۳ اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے
اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَلَمَّا
اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں ۱۷۴ اور جب
جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے ۱۷۵ جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو

ع ١٠

ما تمہ نوع ثالث ۱۲

مقدمہ نوع رابع۔ احکام کو ماننا نہ ماننا تو درکنار تمہارے بڑوں نے تو پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو قتل کرتے رہے ۱۲

مرم تتمہ نوع رابع ۱۲

مقدمہ نوع خامس تمہارے بڑوں نے بعض انبیاء کی تکذیب کی اور تم باوجود علم کے آخری پیغمبر کی تکذیب کررہے ہو ۱۲

نوع رابع

اس میں بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی انتہائی کج روی اور سنگدلی کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اول تکذیب رسل، دوم قتل انبیاء، یعنی احکام کا ماننا نہ ماننا ایک طرف رہا تمہارے اسلاف کی کج روی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خدا کے احکام لانے والے اس کے پیغمبروں کی تکذیب کی اور سرے سے انہیں مانا ہی نہیں اور پھر تکذیب ہی پر بس نہیں کی بلکہ بعض انبیاء علیہم السلام کو تو وہ سنگدل قتل کرنے سے بھی نہ چوکے۔ ۱۷۰ تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ ؑ کو شریعت کا ایک دستور دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے احکام دیئے گئے۔ الکتٰب سے تورات مراد ہے۔ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں تمہیں تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد بھی انبیاء ورسل کا سلسلہ جاری رکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں کی تعداد میں پیغمبر بھیجے دکانوا الی زمن عیسی علیه السلام اربعة آلاف (روح ص۳۱۶ ج ۱) بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں مثلاً حضرات یوشع، شمعون، داؤد، سلیمان، عزیر، حزقیل، الیاس، یونس، زکریا اور یحییٰ علیہم الصلوٰة والسلام۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ ۱۷۱ البیّنات یعنی واضح اور کھلے دلائل، اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور مادر زاد اندھے کو تندرست کرنا وغیرہ یا البیّنات سے انجیل مراد ہے کیونکہ اس کی آیتیں بھی رُشد وہدایت کی واضح نشانیاں تھیں۔ المعجزات الواضحات من احیاء الموتٰی وابراء الاکمه والابرص والاخبار بالمغیبات او الانجیل (ابو السعود ص۶۱۳ ج ۱) قرآن مجید میں کسی پیغمبر کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرکے ذکر نہیں کیا گیا البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اکثر والدہ کی نسبت سے ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک طرف تو ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

موضح قرآن ف۱ یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ پھنسے تو چھوڑانے کو موجود ہوتے ہو اور آپ ان کے ستانے میں قصور نہیں کرتے اور خدا کے حکم پر چلنے ہو تو دونوں جگہ چلو۔ ف۲ روح القدس کہتے ہیں حضرت جبریلؑ کو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے۔

فتح الرحمٰن ف۱ منع کردہ شدند از کشتن و جلا وطن کردن و در ظلم مددگاری نمودن و فرمودہ شدند بفدا اسیران و ایشاں از ہمہ احکام بفداء اسیران عمل کردند پس زیرا کہ موافق نفس ایشاں افتاد و دریں طاعت نفس است طاعت خدا نیست ۱۲

کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی باپ ہوتا تو انہیں اس کی طرف منسوب کیا جاتا نہ کہ والدہ کی طرف، دوسری طرف ان عیسائیوں کی تردید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں فرمایا وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا یا جزو، بلکہ وہ ایک انسان اور بشر ہے۔ اور ایک عورت کا بیٹا ہے۔ ہاں اپنی پیغمبرانہ عظمت وشان کے لحاظ سے خدا کا محبوب اور مقرب پیغمبر ہے۔ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ روح قدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور روح القدس سے تائید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے نفخ سے ان کا حمل قرار پایا، ولادت کے وقت ان کی موجودگی کی وجہ سے شیطان کے اثر سے محفوظ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں جاتے روح القدس ساتھ ہوتے۔ اسی طرح یہودیوں کی سازشِ قتل سے ان کو بچایا۔ یہ روح القدس سے تائید بھی ایک معجزہ تھا یہاں بھی واضح فرما دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود علو مرتبت اور صاحب عزم پیغمبر ہونے کے ہماری تائید اور تقویت کے محتاج تھے۔ جب وہ خود محتاج تھے تو اوروں کی کیا مدد کریں گے۔ **۱۷۲ھ** تمہیں سمجھانے کے لئے ہم نے ہزاروں پیغمبر بھیجے۔ تورات و انجیل میں واضح

مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
جو ان کے پاس ہے اور پہلے (سے اس بارے میں) بتایا کرتے تھے
كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ
کافروں کو پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے **۱۷۳ھ**
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ
سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر **ف ۵۲** بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے
اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ
اپنے آپ کو **۱۷۴ھ** کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ
يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ
اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے
فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
سو کما لائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے
مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
ذلت کا اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو
قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر **۱۷۵ھ** اور نہیں مانتے اس کو جو
وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ
سوا اس کے ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے کہہ دو
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ
پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
ایمان رکھتے تھے **۱۷۶ھ** اور آ چکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر **۱۸۰ھ**

۵۲ تتمہ نوع خامس ۱۲

۵۳ نوع خامس کے بعد یہود کے ایک قول باطل کا شکوہ ۱۲ ۵۴ ان کے قول باطل کی تردید پانچ وجوہ سے یہ وجہ اول ہے ۱۲

۵۵ دوسری وجہ ۱۲ ۵۶ تیسری وجہ ۱۲ ۵۷ چوتھی وجہ ۱۲

دلائل کے ساتھ تمہیں مسئلہ توحید سمجھایا، تمہارے اطمینانِ قلب کی خاطر پیغمبروں نے معجزے دکھائے مگر اس کے باوجود جب بھی کوئی پیغمبر دعوت توحید لیکر آیا اور خدا کی طرف سے دوسرے احکام تمہیں دیئے جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں ہوتے تھے تو تم نے فوراً ان کا انکار کیا اور غرور سے انکو حقیر سمجھا اور تمہارا یہ رویہ کسی ایک پیغمبر کے ساتھ نہیں تھا بلکہ تم نے ہر پیغمبر کی آمد پر یہی کچھ کیا۔ **۱۷۳ھ** خدا کا ہر پیغمبر پیغامِ توحید لیکر آیا اور پیغامِ توحید جھوٹے پیروں غلط کار مولویوں دنیا پرست سرمایہ داروں اور لیڈروں کے لئے پیغامِ موت ہے کیونکہ پیغامِ توحید کو ماننے سے نذریں نیازیں جاتی ہیں، عوام پر سے بناوٹی تقدس اور مصنوعی اقتدار کا اثر باطل ہو جاتا ہے یہودیوں میں یہ طبقے موجود تھے اس لئے جب بھی کوئی پیغمبر آتا یہ لوگ اس کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے اور ڈٹ کر اس کی مخالفت اور تکذیب کرتے۔ اور اگر موقع مل جاتا تو اسے قتل کر ڈالتے یہ ان کی انتہائی خباثت اور سنگدلی تھی (کبیر بتغیر یسیر) **۱۷۴ھ** یہ نوع رابع کا تتمہ ہے۔ اور موجودہ یہودیوں کا مقولہ ہے۔ غُلْفٌ اغلف کی جمع ہے اور اغلف اسے کہتے ہیں جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو مطلب یہ کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے تمہاری دعوت اور وعظ و تبلیغ کا اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں یہ لفظ غُلُفٌ ہے جو غلاف کی جمع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے دل تو پہلے ہی سے علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے علوم کی ضرورت نہیں۔ قال ابن عباس ای قلوبنا ممتلئة علما لا نحتاج الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا غیرہ (قرطبی ص۲۵ ج ۱) بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔ بَلْ اضراب کے لئے ہے یعنی ایمان سے ان کی نفرت کی وجہ وہ نہیں جو انہوں نے بیان کی ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلسل انکار اور ضد و عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں راندۂ درگاہ کر دیا ہے۔ انہیں اپنی رحمت سے دور کر کے ان سے ایمان کی توفیق چھین لی ہے۔ اس سے مراد ہر تباہ ہے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ قلیلا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ اور مَا معنیٔ قلت کی تاکید کیلئے ہے (روح ص۱۹ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ وہ بہت ہی تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔ اس تھوڑے سے ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو وہ بعض چیزوں پر لاتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ یا یہاں قلت عدم پر محمول ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ملعون و مقہور ہونے کی وجہ سے وہ ذرا ایمان نہیں لائیں گے۔ معناہ لا یؤمنون اصلا لا قلیلا ولا کثیرا (کبیر ص۱۲ ج ۵)

موضح قرآن **ف** جب غلبہ کافروں کا دیکھتے تو دعا مانگتے کہ نبی آخر الزمان شتاب پیدا ہو، جب پیدا ہوا تو آپ ہی منکر ہوئے۔

فتح الرحمٰن **ف ۵۲** تعریض است بآں قصہ کہ یہود خیبر با غطفان جنگ می کردند و ہزیمت می یافتند آخر دعا کردند بحق محمد نبی امی کہ خروج او در آخر الزمان موعود است مارا نصرت دہ بعد ازاں فتح یافتند ۱۲

نوعِ خامس

نوعِ رابع میں یہودیوں کے اسلاف کی کج روی اور سنگدلی کا نمونہ پیش کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی تلقین و تبلیغ معجزات انبیاء علیہم السلام اور تورات و انجیل کی آیات بینات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب یہاں موجودہ یہودیوں کی کج روی اور شرارت کا ذکر ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ رشد و ہدایت کے مذکورہ دلائل اور افہام و تفہیم کے معتبر ذرائع کی موجودگی میں کفر و انکار کے ساتھ ساتھ ان کے خبثِ باطن کا یہ حال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور قرآن کے نزول سے قبل یہ لوگ ان دونوں کو مانتے تھے مگر جب ان کی جانی پہچانی ہوئی یہ چیزیں سامنے آئیں تو بغض و حسد اور ضد و عناد کی وجہ سے دونوں کا انکار کر دیا۔ ف۱۷۵ کتاب سے مراد قرآن ہے اور تنوین اظہارِ عظمت کیلئے ہے۔ ھو القران و تنکیرہ للتفخیم (ابو السعود ج۱ ص۱۶۲) مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لا ــــــ مَا مَعَهُمْ سے مراد تورات ہے یعنی قرآن مسئلہ توحید میں، تردید شرک میں، نبوت میں اور دیگر کئی احکام میں تورات کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ قرآن کی صداقت کی ایک دلیل تو یہ ہوئی وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ یہاں یستفتحون بمعنی یفتحون ہے کیونکہ باب استفعال کی ایک خصوصیت موافقت مجرد ہے جیسے استقر بھی بمعنی قر ہے اور فتح کے معنی بتلانے اور خبر دینے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے من قولھم فتح علیہ اذا علمہ ووقفہ کما فی قولہ تعالی۔ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (روح ص۳۲۰ ج۱) یعنی یہی یہودی اس سے پہلے کفار اور مشرکین کو بتایا کرتے تھے۔ عرب میں جو آخری نبی پیدا ہونے والا ہے اس کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا ہے اور اس نبی پر اللہ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوگی۔ ای یعرفون المشرکین ان نبیا یبعث منھم وقد قرب زمانہ (روح ص۳۲۰ ج۱، بحر ص۳۰۳ ج۱) یہ قرآن اور حضور کی صداقت پر دوسری دلیل ہے۔ ف۱۷۶ جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب آگئی اور خدا کا وہ رسول بھی آگیا جن کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے تو انہوں نے محض بغض و حسد اور ضد و عناد کی وجہ سے اور اپنے نفوس و اقتدار کی حفاظت اور حرص دنیا کی خاطر ان دونوں کا انکار کر دیا۔ بغیا وحسدا وحرصا علی الریاسۃ (مدارک ص۵۲ ج۱) كَفَرُوْا لما اولی کا جواب ہے اور لما ثانیہ اولی کی تاکید ہے یا لما اولی کا جواب محذوف ہے اور یہ لما ثانیہ کا جواب ہے فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ان کافروں کے لئے کفر و انکار کی وجہ سے خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ نہ دنیا میں ایمان کی توفیق نصیب ہوگی نہ آخرت میں نجات نصیب ہوگی۔ ف۱۷۷ یہاں اشتراء کے معنے بیچنے کے ہیں یعنی جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانیں بیچ دی ہیں اور جس کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ یہ نوعِ خامس کا تتمہ ہے۔ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یہ بئس کا مخصوص بالذم ہے یعنی جس بُرے کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ آیات بینات کا کفر و انکار ہے اور بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد قرآن ہے جس کا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ کے الفاظ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ و المراد بما انزل اللہ کتب مصدق (روح ص۳۲۲ ج۱) بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ ــــــ بَغْيًا اَنْ يَّكْفُرُوْا کا مفعول لہ ہے اور ان کے کفر و انکار کی علت بیان کر رہا ہے اور مِنْ فَضْلِهٖ سے وحی مراد ہے۔ اور مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب نے قرآن کا انکار کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں کیا وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور انکار محض بغض و حسد کی بنا پر کر رہے ہیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آخری نبی بھی ہمارے خاندان بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ تو بنی اسمٰعیل میں پیدا ہو گیا ہے تو حسد کرنے لگے کہ بنی اسمٰعیل کے پیغمبر پر کیوں وحی نازل ہوئی ہے۔ انھم ظنوا ان ھذا الفضل العظیم بالنبوۃ المنتظرۃ یحصل فی قومھم فلما وجدہ فی العرب حملھم ذلک علی البغی والحسد (کبیر ص۶۲۰ ج۱) یعنی وہ دوہرے غضب کے مستحق ہو گئے ایک غضب تو توحید کو چھوڑ شرک کرنے اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے نازل ہوا، اور دوسرا غضب آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کی وجہ سے وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اور ان کافروں کے لئے ایسا عذاب تیار ہے جو ان کے بغض و عناد اور کبر و غرور کو توڑ کر انہیں ذلیل و خوار کر دے گا۔ اب آگے یہود کے دعوائے ایمان کی تردید و تکذیب ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پانچ دلیلیں قائم فرمائی ہیں۔

یہود کے ایک قولِ باطل کی تردید

یہاں تک افہام و تفہیم اور تبلیغ و ارشاد کے تمام ذرائع اور طریقے استعمال کرنے کے بعد آگے یہودیوں کی انتہائی ضد اور ہٹ دھرمی کا شکوہ کیا جا رہا ہے اور ان کی غلط بیانی کا مسکت جواب دیا جا رہا ہے۔ ف۱۷۸ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کی کتاب کو مانتے ہیں ہم کب اس کا انکار کرتے ہیں ہاں مگر صرف اس کو جو ہم پر نازل ہوئی۔ یعنی ہم تو صرف اپنی کتاب تورات کو مانتے ہیں اس کے سوا کسی اور کتاب کو نہیں مانیں گے۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق یہ قَالُوْا پر معطوف اور یہ قول یہود کے لئے بطور تتمہ لایا گیا ہے وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ یہ یہود کے کذب دعوی کی پہلی اور دوسری دلیل ہے اگر وہ اپنے دعوی میں سچے ہوتے تو قرآن پر ضرور ایمان لاتے۔ کیونکہ قرآن خود تعلیمات حقہ کا حامل اور اصول دین میں پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن ان کی ضد اور عصبیت کی حد یہ ہے کہ قرآن باوجودیکہ حق ہے اور پھر قرآن کوئی نئی اور غیر مانوس بات بھی پیش نہیں کرتا بلکہ وہ وہی دعوتِ توحید پیش کرتا ہے جو ان کی تورات میں موجود ہے مگر چونکہ یہ قرآن ان کی قوم کے کسی آدمی پر نازل نہیں ہوا اس لئے وہ اسے نہیں مانتے ف۱۷۹ یہ یہودیوں کے دعوی ایمان میں جھوٹے ہونے کی تیسری دلیل ہے یعنی تمہارا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء کو مانتے ہو نیز اس وحی اور کتاب کو مانتے ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے اگر تمہارا اپنی قوم کے انبیا اور اپنی کتاب پر ایمان ہوتا تو تم نے اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کیا ہوتا؟ کیونکہ تورات تو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ وہ تو انبیاء علیہم السلام کے اتباع کا حکم دیتی ہے۔ اس سے یہودیوں کے ایمان بالانبیاء اور ایمان بالنبوۃ کے دعوی کی حقیقت معلوم ہو گئی ف۱۸۰ یہ یہودیوں کے کذب دعوی کی چوتھی دلیل ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس توحید باری کے واضح دلائل لیکر آئے کہ اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں۔ الاظھر ان یراد بھا الدلائل الدالۃ علی الوحدانیۃ فانہ ادخل فی التفریع بما بعد (روح ص۳۲۵ ج۱) ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ ــــــ بعدہ کی ضمیر کا مرجع جملہ ماقبل کا مضمون ہے۔ ای بعد مجیٔ موسی علیہ السلام بھا (روح ص۳۲۵ ج۱) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید کے دلائل واضحہ کے ساتھ آمد کے بعد تم نے گوسالہ کو معبود اور کارساز بنالیا۔ اور اس کی نذریں اور منتیں دینا شروع کر دیا۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ اور اس شرک اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے اس سے ان کے دعوائے توحید کا پول اور کذب ظاہر ہو گیا۔ ف۱۸۱ یہ یہودیوں کے کذب دعوی کی پانچویں دلیل ہے یعنی تورات کو بھی تم نے ہرگز نہیں مانا جب تورات تمہارے سامنے پیش کی گئی تو تم نے اسے ماننے اور اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ تورات کو منوانے کے لئے ہم نے کوہ طور کو اٹھا کر تمہارے سروں پر کھڑا کیا، تمہارے سروں پر پہاڑ کھڑا کر کے تمہیں یہ حکم دیا گیا تورات کے احکام کو قبول کرو اور ان پر مضبوطی سے عمل کرو۔ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق تو ان ظالموں نے زبان سے تو ماننے کا اقرار کر لیا لیکن عملی طور پر نافرمانی کی اور اسے نہ مانا۔ یا واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا دونوں باتیں انہوں نے مختلف اوقات میں کہی تھیں سمعنا تو اس وقت کہا جب پہاڑ ان کے سر پر لا کر کھڑا کیا گیا اور عصینا اس وقت کہا جب پہاڑ ہٹا دیا گیا۔

۱۸۲ یہ لوگ تورات پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ کفر و شرک سے انہیں خاص انس رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامری کے گوسالہ کی محبت ان کے دلوں میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی اور شرک و بت پرستی کی محبت ان کے رگ و پے میں اس طرح جاری و ساری تھی جس طرح کپڑے میں رنگ اور جسم کی گہرائیوں میں پانی سرایت کر جاتا ہے۔ کما یدل علیہ النصبغ الثوب الشراب اعماق البدن (بیضاوی ۳۱ ج ۱) اس گوسالہ پرستی کی گہری محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے اس میں پس و پیش کیا تو کیا تورات شرک اور بت پرستی کی اجازت دیتی ہے؟ ۱۸۳ اگر واقعی تم مومن ہو تو بھلا ایمان بھی جو تم سے ایسے ناشائستہ اور بُرے افعال کا ارتکاب کرا رہا ہے یعنی قتل انبیاء، شرک اور گوسالہ پرستی اور تورات کا انکار یہ تمام موبقات اور افعال شنیعہ مقتضائے ایمان کے خلاف ہیں۔ لہٰذا تمہارا اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ ہدایت اور وحی پر بھی ایمان نہیں ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾
پھر بنا لیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو
وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو ۱۸۱
خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا
پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے
وَ عَصَیْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب ان کے کفر کے ۱۸۲
قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
کہہ دے کہ بُری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
ایمان والے ہو ۱۸۳ کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا
اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے ۱۸۴ تو تم مرنے کی
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ
آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو وال حلہ اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت
اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ
کی کبھی بھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ ۱۸۵ اور اللہ خوب جانتا ہے
بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ
گنہگاروں کو اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص
عَلٰى حَیٰوةٍ ۚۛ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ
زندگی پر ۱۸۶ اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی ۱۸۷ چاہتا ہے ایک ایک ان کا

معانقۃ ۲

منزل ۱

یہود کو مباہلہ کا چیلنج

جس طرح آج کل کے بعض پیشہ ور گدی نشین اپنے مریدوں کے سامنے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں اس لئے وہ اور ان کے مرید خیر و عافیت سے ضرور جنت میں جائیں گے اسی طرح یہودیوں کے مولوی اور پیر بھی دعویٰ کرتے تھے کہ جنت میں صرف وہی اور ان کے پیروکار جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے افہام و تفہیم کی انواع کے بیان اور ان کے ایک باطل قول کی تردید کے بعد ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ یہ چیلنج ان کے اسی سب سے بلند بانگ دعویٰ کے جواب میں ہے کہ ہم اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لئے ہم خدا کے چہیتے اور محبوب ہیں اور جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا۔ سبب نزولہا قولھم لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ الخ وَنَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ الخ ولَنْ تَمَسَّنَا التَّارُ الخ (روح ص ۳۲۲ ج ۱، قرطبی ج ۲، معالم ص ۱ ج ۱، ابن کثیر ص ۱۲۸ ج ۱) تو اس کا جواب مباہلہ سے دیا گیا۔

۱۸۴ الدار الآخرۃ سے مراد جنت ہے اور الناس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ یعنی ہر فریق دوسرے کی موت کی تمنا کرے یعنی موت کی بددعا کرے جیسا کہ مباہلہ میں ہوتا ہے۔ ای ادعوا بالموت علی الکاذب من الفریقین والمراد منہ المباھلۃ کما صح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ من السلف (جامع البیان ص ۱۶، قرطبی ص ۳۳ ج ۱) اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو آؤ اور مباہلہ کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں تمنیٔ موت سے اپنی موت کی تمنا مراد ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ سے اپنے لئے موت مانگو کیونکہ جس شخص کو یقین ہو کہ وہ جنت میں جائے گا اس کی دلی خواہش یہ ہوگی کہ وہ اس دنیا کے جھمیلوں سے نجات پائے اور آخرت کی طرف منتقل ہو کر جنت میں اپنا بسیرا کرے۔ ۱۸۵ یہودیوں کو اپنی سابقہ بداعمالیوں کی بنا پر اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں اس لئے وہ مباہلہ پر کبھی تیار نہ ہوں گے اور نہ ہی موت کی آرزو کریں گے۔ انہم فی دعواھم کاذبون (معالم ص ۷ ج ۱، قرطبی ص ۳۳ ج ۲) وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے اور ان کی تدبیروں اور ہتھکنڈوں سے خوب واقف ہے۔

۱۸۶ تجد میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ھم کی ضمیر ان یہودیوں کی طرف ہے جن کا پہلے ذکر ہو رہا ہے یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ لوگ زندگی پر بڑے حریص ہیں اور تمام لوگوں سے بڑھ کر انہیں زندگی پیاری ہے کیونکہ انہیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنا بدانجام معلوم ہے یا ان کی حرص کی وجہ یہ تھی کہ عوام الناس پر ان کے تقدس و اقتدار کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور نذر و نیاز کی بے حساب آمدنی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس مفت کے عیش و عشرت کی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔

۱۸۷ من حیث المعنیٰ اس کا عطف الناس پر ہے یعنی یہ یہودی تو مشرکوں سے بھی بڑھ کر زندگی پر حریص ہیں کیونکہ مشرکوں کو آخرت میں عذاب کا کوئی ڈر نہیں تھا اس لئے کہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں تھے اور نہ ہی ہندوؤں کے مولویوں اور پیروں کی طرح انہیں نذر و نیاز کی آمدنیاں وصول ہوتی تھیں۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ ھُمْ کی ضمیر بھی ان یہودیوں کی طرف راجع ہے یہ ان کی حرص کی زیادتی کا مزید بیان ہے۔

موضح قرآن ف۱ کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جاوے گا اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یقیناً بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟ **فتح الرحمن**: ف۱ یعنی از تحریف یہود آں بود کہ می گفتند داخل نہ خواہد شد در بہشت ہیچ کس مگر یہود و این خطا است زیرا کہ علامت بہشتیاں مشتاق شدن بملاقات خدا است و ایشان از مرگ ہراساں بودند و اشارت بہمیں معنی است درین آیت ۱۲

یعنی ان میں سے ہرایک کی یہ آرزو ہے کہ اسے ایک ہزار سال زندگی ملے وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ ـــ ما نافیہ ہے هُوَ اسکا اسم اور بِمُزَحْزِحِهٖ اس کی خبر ہے اور اَنْ يُّعَمَّرَ مبتدا کا بیان ہے۔ یعنی طویل عُمر کا دیا جانا عذاب سے نہیں بچاسکتا کیونکہ ہزار سال کے بعد آخر موت ہے ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور ان کے تمام ظاہر و باطن اعمال سے باخبر ہے اسلئے لامحالہ انہیں ان کے اعمال کی سزا دے گا۔

یہودیوں کے شبہات کا ازالہ

افہام و تفہیم کے دوران مخاطب کے ذہن میں بعض شبہات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جبتک ان شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اس وقت تک مخاطب کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ سات رکوعات میں یہودیوں کو سمجھانے اور ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے افہام و تفہیم کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کئے گئے ہیں ۔ اب آخر میں انکے تین شبہات کا جواب دیا جا رہا ہے ۔

پہلا شبہ:۔ یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں تو کہنے لگے کہ جبریلؑ فرشتہ تو ہمیشہ عذاب ہلاکت اور خطسالی کا پیغام لایا کرتا ہے ۔ نیز جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اس وقت جبریل ہی تھا جس نے اس ظالم بادشاہ کی مدد کی اور اس نے یہودیوں کو تہس نہس اور بیت المقدس کو برباد کر دیا ۔ اسی طرح یہ جبریلؑ ہمارے اندرونی راز اور پوشیدہ بھید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا ہے اس لئے یہ فرشتہ ہمارا دشمن ہے ۔ (بحر ص۳۱۹ ج ۱، روح ص۳۳ ج ۱) چونکہ توحید کا پیغام یہ فرشتہ لایا ہے ہم اسے ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں ۔ ہاں اگر يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کا پیغام ، يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ ، وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور دیگر احکام میکائیل فرشتہ نے لائے ہوتے تو ہم انہیں بخوشی قبول کر لیتے ۔ یہ اگرچہ حقیقت میں محض ضد پر مبنی اور نہ ماننے کا ایک لنگڑا بہانہ تھا لیکن ناصح حکیم جل مجدہٗ نے اس کا بھی نہایت متین اور معقول جواب دیا ہے ۔

الٓمّٓ ۱ ۵۲ البقرۃ ۲

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
کاش پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے
اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ قُلْ مَنْ
اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف تو کہدے جو کوئی
كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
ہووے دشمن جبریل کا ف۱ سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ
اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور
بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾
اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا ف۱ تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا ف
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کرینگے ان کا مگر
الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ
وہی جو نافرمان ہیں ف۱ کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دیگی اسکو ایک جماعت
مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ
ان میں سے ف۱ بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے اور جب پہنچا ان کے پاس
رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ
رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو انکے پاس ہے ف۱ تو پھینک دیا
فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ كِتٰبَ اللّٰهِ
ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو

منزل ۱

ع ۱۱

سابقہ مبالغہ کے بعد ۱ زیں دعویٰ توحید کے بارے میں یہودکے تین شبہات کا جواب
جواب شبہ اولیٰ
۳ شبہ اولیٰ یہ تھا کہ دعویٰ توحید لانے والا فرشتہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے ۱۳ سے تردید کی وجہ اول ۲
ہ دوسری وجہ ۲
ف تیسری وجہ ۲
یہ چوتھی وجہ ۲
کہ پانچویں وجہ ۲
ہ زجر اول ۲
و زجر ثانی ۲
ز شبہ ثانیہ کا جواب
شبہ ثانیہ یہ تھا کہ حضرت سلیمان عم سے غیر اللہ کو پکارنا ثابت ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ توحید الٰہ
کہ غلط ہے ۲

دوسرا شبہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہود سے بار بار فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس پر نازل کی گئی کتاب کوئی نیا مسئلہ نہیں پیش کر رہے بلکہ یہ وہی پیغام توحید پیش کر رہے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے ذریعے پیش فرمایا اور ان کے بعد آنے والے ہزاروں انبیائے کرام علیہم السلام جس کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے ہیں تو اس پر یہودیوں کے علماء نے کہا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے جو نظریہ پیش کیا ہے بعینہٖ تورات کا اور ہمارے پیغمبروں کا بھی یہی نظریہ تھا کیونکہ ہمارے اوراد و وظائف اور تورات میں تو غیر اللہ کو پکارنے کی اجازت موجود ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (عیاذاً باللہ) غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے اور اسی وجہ سے جن و انس پر انکی حکومت قائم تھی۔ اگر تورات میں اس کی اجازت نہ ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے اور عوام کو گمراہ کرنے کیلئے جادو کی پوتھیاں ان کو دکھاتے جو شیطانوں نے گھڑ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا دی تھیں (کبیر ص۳۶ ج ۱) یہودی یہ پوتھیاں لوگوں کو دکھاتے اور کہتے دیکھو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاص یادداشتیں ہیں اور ان میں غیر اللہ کو پکارنا لکھا ہے ۔

تیسرا شبہ:۔ تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ اگر غیر اللہ کو پکارنا ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ دو مقرب فرشتوں ہاروت اور ماروت کو جادو سکھلانے کے لئے کیوں دنیا میں بھیجتا؟ حالانکہ جادو میں غیر اللہ ہی کو پکارا جاتا ہے اور ارواح خبیثہ سے استمداد و استعانت کی جاتی ہے (اس کی مزید تحقیق آگے آرہی ہے) تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ سے استعانت کرنا جائز ہے ۔ اب ترتیب وار تینوں شبہات کے جوابات دیئے جاتے ہیں ۔

موضح قرآن ف۱ یہود نے کہا کہ یہ کلام لاتا ہے جبرئیل اور وہ ہمارا دشمن ہے کئی بار ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب کر گیا کوئی اور فرشتہ لاتا تو ہم مانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کرتے ہیں بے حکم نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہوا اللہ بے شک اس کا دشمن ہے ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ دیگر از ہفوات یہود آں بود کہ جبرئیل را دشمن می داشتند کہ عذاب بر امم سابقہ فرود آورد و ایں خطا است کہ جبرئیل مامور است از اسباب حق عز و جل وے را چہ اختیار ۱۲

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ اتَّبَعُوْا

اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں تھے اور پیچھے ہو لئے

مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ

اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمانؑ کی بادشاہت کے وقت ۱۹۳ھ اور کفر نہیں کیا

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

سلیمان نے ۱۹۴ھ لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھاتے تھے

النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے ۱۹۵ھ اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ

یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو ۱۹۶ھ پھر ان سے سیکھتے

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَ

وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں ۱۹۷ھ اور

مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور

يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا

سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے ۱۹۸ھ اور وہ خوب جان چکے ہیں

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ

کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اسکے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بری

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو ۱۹۹ھ اگر ان کو سمجھ ہوتی اور اگر وہ

پہلے شبہ کا جواب:- ۱۸۸ھ مَنْ شرطیہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے ای فعل اللّٰہ او وجہ لہا ادما اشبہ ھٰذا التقدیر (بحر ص۳۲۲ ج ۱) ای من کان عدوہ فلا انصاف لہٗ (جامع ص۱) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ آپؐ ان کے شبہ کا جواب دیں کہ جو شخص حضرت جبریلؑ کا دشمن ہے اس کی دشمنی بلا وجہ ہے اور انصاف پر مبنی نہیں آگے اس کی پانچ علتیں اور دلیلیں بیان کی گئی ہیں فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ یہ جزاء محذوف کی پہلی علت ہے یعنی جبریلؑ سے عداوت رکھنا تو بالکل بے معنی اور غیر منصفانہ حرکت ہے اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ آپؐ کے قلب پر نازل کیا ہے وہ اپنے پاس سے اور اپنی مرضی سے نازل نہیں کیا بلکہ وہ تو اللہ کا کلام ہے اور انہوں نے اللہ ہی کے حکم سے نازل کیا ہے اس لئے حضرت جبریلؑ سے دشمنی سراسر حماقت ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یہ جزاء محذوف کی دوسری علت ہے اور مُصَدِّقًا، نَزَّلَهٗ کی ضمیر منصوب سے حال ہے یعنی جو کتاب حضرت جبریلؑ نے اللہ کے حکم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے وہ بھی کوئی نئی اور انوکھی نہیں، بلکہ پہلی کتابوں کے بنیادی اور اصولی مضامین کی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہی دعوتِ توحید پیش کرتی ہے جو اس سے پہلے خود تورات نے پیش کی تھی هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ٭ دونوں مُصَدِّقًا پر معطوف ہیں۔ یہاں قرآن کی دو صفتیں اور بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اور کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ماننے والوں کو آخرت میں ابدی زندگی کی خوشخبری سناتا ہے تو ایسی کتاب لانے والے سے عداوت سراسر بے انصافی اور حماقت ہے۔ ۱۸۹ھ پچھلی آیت میں تو دلائل سے عداوتِ جبریلؑ کی غیر معقولیت بیان کی تھی اب اس آیت میں جبریلؑ اور دوسرے فرشتوں سے عداوت رکھنے والوں کا انجام بیان کیا ہے اس لئے یہ عداوت جبریلؑ کی غیر معقولیت کی پانچویں دلیل ہے۔ عَدُوٌّ عداوت سے اسم ہے اور عداوت محبت اور دوستی کی ضد ہے اور اس سے مراد ہر وہ فعل ہے جو دوستی اور محبت کے منافی ہو۔ تمام فرشتوں کے ذکر کے بعد جبریلؑ اور میکائیلؑ کی تخصیص باقی فرشتوں پر ان کی فضیلت اور برتری کے اظہار کے لئے ہے یا دونوں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ یہودیوں نے ان دونوں کا ذکر کیا تھا اور انہیں کے سبب سے یہ آیت نازل ہوئی۔ لان الیھود ذکروھما ونزلت الاٰیۃ بسببھما (روح ص۳۳۴ ج ۱) من شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔ تقدیرہٗ فھو کافر مجزی باشد العذاب (روح ص۳۳۴ ج ۱) یعنی جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا خصوصاً جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یہ جواب شرط محذوف کی علت ہے یعنی ان کی سزا کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں سزا دیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں سے دشمنی خدا کی ناراضی اور اسکے غضب کا موجب ہے آگے اہلِ کتاب کیلئے زجر و تنبیہ ہے۔ ۱۹۰ھ ہم نے آپؐ کو ایسے واضح دلائل اور ایسی کھلی نشانیاں دی ہیں کہ ان کا انکار صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہوں نے ضد و عناد کی وجہ سے فسق و فجور کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے المتمردون فی الکفر الخارجون عن الحدود (روح ص۳۳۵ ج ۱) یہ یہودی ضد و عناد اور تمرد و سرکشی میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ ایسے واضح دلائل کا بے کھٹکے انکار کر دیتے ہیں۔ ۱۹۱ھ ان کے طغیان و عصیان کا یہ حال ہے کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد کیا اسے پورا نہ کیا بلکہ ان میں ہمیشہ ایک بہت بڑی جماعت عہد شکنی پر کمر بستہ رہی۔ گویا عہد شکنی، غداری اور نافرمانی ان کی عادتِ قدیمہ اور قومی خصوصیت ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ــــ بلکہ ان کی اکثریت کا تو اپنی کتاب پر بھی مخلصانہ ایمان نہیں تھا صرف منافقانہ طور پر زبانی اقرار تھا لیکن ان کا عمل اسکے خلاف تھا۔ (کبیر ص۳۳۴ ج ۱) تو جن کے خبثِ باطن کا یہ حال ہو کہ اپنی کتاب اور اپنے رسول کو بھی نہ مانیں بھلا وہ دوسری قوم کے نبی اور اس کی کتاب کو کیوں ماننے لگے۔

دوسرے شبہ کا جواب:- ۱۹۲ھ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب ان اسرائیلیوں کے پاس خدا کا پیغمبر ایسا پیغام لے کر آیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تصدیق کرتا ہے اور جو دعوتِ توحید اور اصولِ دین انہوں نے بیان کئے ہیں ان کی تائید و توثیق کرتا ہے۔ صدق ما فیھا من قواعد التوحید واصول الدین واخبار الامم والمواعظ والحکم (روح ص۳۳۶ ج ۱) نَبَذَ فَرِيْقٌ

٭ یعنی سچی ہدایت اور خوشخبری کی علت ہے اور ہدیٰ اور بشریٰ

فتح الرحمٰن - ف۱ دیگر از ہفوات یہود آن بود کہ سحر میکردند و سلیمان علیہ السلام را ساحر میدانستند و این افترا بود بر سلیمان علیہ السلام و اشارت بہمیں معنیٰ است درین آیت ۱۲

مِّنَ الَّذِيْنَ یہ لَمَّا کا جواب ہے اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہی یہودی ہیں اور كِتٰبَ اللّٰهِ سے تورات مراد ہے اور یہ نَبَذَ کا مفعول ہے یعنی جب اللہ کا سچا پیغمبر تورات کی تصدیق کرتا ہوا ان کے پاس آیا تو ان تورات پر ایمان کے دعویداروں نے تورات کے احکام کو ٹھکرا دیا اور ان کی ذرا پرواہ نہ کی۔ تورات میں اس آخری نبیؐ کے ظہور کی پیشگوئی اور آپؐ کی صفات و علامات موجود تھیں اور تورات میں یہ حکم بھی موجود تھا کہ جب یہ نبی ظاہر ہو تو اس پر ایمان لانا۔ اور یہودیوں کے علماء اچھی طرح جانتے تھے کہ تورات میں جس پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں مگر اس کے باوجود آپ کو نہ مانا اور تورات کے حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ انہوں نے تورات کے حکم کی اس طرح لاپرواہی کی اور اسے اس طرح ٹھکرا دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ **۱۹۳ھ** شیاطین سے سرکش جن اور ابلیس کے چیلے مراد ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ والمتبادر من الشیاطین مردة الجن وھو قول الاکثرین (روح ص۳۳۶ ج ۱) ان یہودیوں نے تورات میں آخری نبیؐ پر ایمان لانے کے حکم ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ انہوں نے تو تورات کی دعوتِ توحید کو بھی پامال کر دیا اور اسے چھوڑ کر شیطانی جادو اور ٹونے ٹوٹکوں کے پیچھے پڑ گئے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں شیطانوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑے تھے۔ جب یہودیوں نے قرآن کی دعوتِ توحید کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پکار کا جواز ثابت کرنے کے لئے تورات پیش کی تو تورات مسئلہ توحید پر قرآن سے متفق نکلی تو اب یہودی اپنی خفت مٹانے کے لئے جادو کی وہ پوتھیاں نکال لائے جو شیطانوں نے لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے مومن وزیر آصف بن برخیا اور ہاروت و ماروت فرشتوں کے ناموں سے مشہور کر رکھی تھیں اور نسلاً بعد نسلٍ موجود ہوتی تک پہنچی تھیں۔ قال السدی عارضت الیھود محمدا صلے اللہ علیہ وسلم بالتوراة فاتفقت التوراة والقراٰن فنبذوا التوراة واخذوا بکتاب اٰصف وسحر ھاروت وماروت (قرطبی ص۴۱ ج ۲، کبیر ص۶۲۳ ج ۱، نیشاپوری ص۳۴۴ ج ۱) **۱۹۴ھ** جادو میں چونکہ غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے اس لئے ایسا جادو صریح شرک اور کفر ہے جب یہودی جادو، اور ٹونے ٹوٹکوں کی پوتھیاں نکال لائے اور کہا دیکھو، یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خاص نوشتے ہیں اور وہ جادو کیا کرتے اور غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے بلکہ اسی کی بنا پر وہ جنوں پر حکومت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعویٰ کی تردید و تکذیب فرما کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کفر و شرک سے برأت کا اعلان فرمایا کہ سلیمان پیغمبر نے تو ایسا کفر و شرک کبھی نہیں کیا جو یہ لوگ ان کے ذمے لگا رہے ہیں۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ___ لکن ماقبل کی نفی اور مابعد کے اثبات کے لئے آتا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ جادو، اور کفر و شرک نہیں کیا بلکہ یہ سب شیطانوں کی کارستانیاں ہیں۔ حضرت قتادہؓ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے ایک کتاب تیار کی جس میں جادو اور شرک تھا۔ اور لوگوں میں اس کی اشاعت کی اور اس میں لکھا ہوا جادو لوگوں کو سکھانے لگے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ کتابیں حاصل کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیں۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو جنوں نے وہ کتابیں پھر سے نکال لیں اور لوگوں میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ حضرت سلیمانؑ کے مخصوص نوشتے اور ان کا خاص علمی خزانہ ہے جسے انہوں نے ہم سے چھپایا ہوا تھا اور بعض نوشتوں کی ابتدا میں تو ان خبیثوں نے یہ الفاظ بھی بڑھا دیئے تھے۔ ھذا ما کتب آصف بن برخیا للملك سلیمان بن داؤد من ذخائر کنوز العلم۔ یعنی یہ علم کے ذخیروں میں سے وہ خزانہ ہے جسے آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے لکھا تھا۔ جنوں نے یہ کتابیں نکال کر لوگوں میں پھیلانا۔ اور انہیں سکھانا شروع کر دیں۔ (ھذا اکله من ابن جریر ص۳۳۹ ج ۱) رفتہ رفتہ یہی نوشتے اور پوتھیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کے پاس بھی پہنچ گئیں۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین آسمان کے قریب جا کر آئندہ کاموں سے متعلق فرشتوں کی باتیں سنتے اور ان میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کو بتاتے اور وہ ان تمام باتوں کو کتابوں میں لکھ کر لوگوں میں پھیلاتے اور انہیں سکھاتے۔ اور چونکہ کوئی بات سچی بھی ہو جاتی تھی اس لئے انہوں نے لوگوں میں مشہور کر رکھا تھا کہ جن غیب جانتے ہیں۔ اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص علم ہے اور اسی علم کے ذریعے انہوں نے جن و انس اور ہوا کو تابع کر رکھا ہے (مدارک ص۵۵ ج ۱، نیشاپوری ص۳۴۳ ج ۱) اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو شیاطین سے شیاطین الجن اور شیاطین الانس دونوں مراد ہونے چاہئیں کیونکہ اس کام کو شروع تو شیاطین الجن نے کیا تھا لیکن لوگوں میں اس کی تعلیم و اشاعت شیاطین الانس کے ذریعے ہوئی۔

تحقیق السحر:___ اس آیت میں جادو کو کفر کہا گیا ہے اس لئے جادو سے یہاں دواؤں کے ذریعے یا ہاتھ کی صفائی سے عجیب و غریب کرتب کھانے مراد نہیں کیونکہ بعض لوگ ان پر بھی جادو، اور سحر کا اطلاق کر دیتے ہیں اور یہ کفر بھی نہیں بلکہ اس سے جادو کی وہ تمام قسمیں مراد ہیں جن میں غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے اور ارواحِ خبیثہ سے استعانت کی جاتی ہے اور اس میں شرکیہ وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ ویستعان فی تحصیله بالتقرب الی الشیطان بارتکاب القبائح قولا کالرقی التی فیھا الفاظ الشرك الخ (روح ص۳۳۸ ج ۱) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادو کی تیرہ قسمیں ہیں اور سب کا خلاصہ غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ کو قادر اور عالم الغیب سمجھنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ جادوگر کی سزا قتل ہے اور قتل کے بعد نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اے برادر! دعا لغیر اللہ کہ بوئے آثار عجیبہ ظاہر می شود سحر است ہمیں است ماہیت دعائے دعوت قمری ای مرسل الرحمۃ و منزل النعمۃ و ورد دعوت عطارد کل ما حصل لی من الخیر فھو منك و نیز گوید ایتھا العالم بخفیات الامور و مطلع اھل السرائر و در تفسیر عزیزی است اگر سحر قولی یا فعلی کہ موجب کفر باشد مثل ذکر نام بتان و ارواح خبیثہ بہ تعظیمیکہ شایان رب العزت است مثلی اثبات عموم علوم و قدرت و غیب دانی و مشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ و غیر ذلک واقع شود بلاشبہ آن سحر کفر است و صاحب آں مرتد شود، انتہی مختصراً فی التوسل لابن تیمیہ ص۱۳۱ استغاثہ لغیر اللہ و اقسام لغیر اللہ سحر است"۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ "قاعدہ جلیلہ" میں فرماتے ہیں کہ جادو میں غیر اللہ کو پکارنا لازم ہے۔

جس طرح یہودیوں نے اللہ کے معصوم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ جادو، اور غیر اللہ کو پکارنے جیسا شرک لگا دیا تھا اور ثبوت میں غیر مستند نوشتے پیش کئے تھے۔ اسی طرح آجکل بھی قرآن کی خالص توحید کے مقابلہ میں شرک پسند پیر اور بدعت نواز مولوی اپنے شرکیہ اعمال و عقائد اور بدعات کو جائز ثابت کرنے کے لئے امام ابو حنیفہؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام شعرانیؒ اور دیگر بزرگانِ دین کا نام لیتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی غیر اللہ کو نہ صرف پکارنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود بھی پکارا کرتے تھے اور ثبوت "قصیدہ نعمانیہ، قصیدہ غوثیہ، لطائف المنن اور بہجۃ الاسرار" ایسی غیر مستند اور بے سروپا کتابیں پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ بزرگانِ دین اس قسم کی خرافات سے بالکل بری تھے۔ اگر قرآن کے مقابلہ میں ایسی عبارتیں اور کتابیں بزرگوں کی طرف منسوب کر کے پیش کی جائیں تو اگر واقعی وہ بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جیسے مذکورہ بزرگان تو اس نسبت کا صاف انکار کر دینا چاہیئے جس طرح وضاعوں اور کذابوں نے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جھوٹی حدیثیں لگا دی ہیں اسی طرح توحید کے غداروں اور سنت کے باغیوں نے یہ من گھڑت خرافات ان بزرگوں کے ذمہ لگا دی ہیں اور اگر ان عبارتوں کی نسبت ان بزرگوں کی طرف صحت سے ثابت ہو جائے تو ان میں تاویل کی جائے اور ان کا ایسا محمل بیان کیا جائے جو قواعدِ شرعیہ کے موافق ہو، اور اگر الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو کہا جائے کہ یہ کلمات اس شخص سے غلبۂ حال کی حالت میں صادر ہوئے ہوں گے جس میں وہ معذور رہے۔ بہر حال قواعدِ شرعیہ کے خلاف کسی کا کوئی قول قابل قبول نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور امام کیوں نہ ہو۔ شریعت اماموں اور ولیوں کے تابع نہیں بلکہ امام اور ولی شریعت کے تابع ہیں۔ **۱۹۵ھ** وَمَآ اُنْزِلَ میں مَا موصولہ ہے نافیہ نہیں جیسا کہ بعض کو غلطی لگی ہے اس کا عطف مَا تَتْلُوْا پر ہے یعنی یہودیوں نے تورات کا پیغامِ توحید چھوڑ چھاڑ کر شیطانی ٹوٹکوں اور ہاروت و ماروت کے جادو کی اتباع اور پیروی شروع کر دی۔ یہاں انزل سے مراد وحی نہیں بلکہ الہام کے ذریعے تعلیم مراد ہے۔ الانزال بمعنی الالھام والتعلیم (معالم ص۵۲ ج ۱) الملکین میں مشہور قرأت لام کے فتحہ سے ہے۔ القراءة المشھور بفتح اللام (کبیر ص۴۲۵ ج ۱) اسی بنا پر محققین کی رائے یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت دونوں فرشتے تھے جنہیں لوگوں کے امتحان اور ابتلاء کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا تھا۔ ذھب کثیر عن السلف الی انھما کانا ملکین من السماء وانھما انزلا الی الارض (ابن کثیر ص۱۳۷ ج ۱) وھذان الملکان

انزلا لتعلیم السحر ابتلاء من اللہ تعالیٰ للناس (روح ص۳۴۱ ج ۱)

ان فرشتوں کو زمین پر اتارنے کی وجہ کے متعلق علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سحر اور کا جادو کا چرچا عام تھا اور جادوگر بکثرت تھے بعض دفعہ جادوگر نبوت کا دعویٰ کر دیتے اور جادو کے عجیب و غریب کرتب دکھا کر لوگوں سے اپنی جھوٹی نبوت منوا لیتے۔ جادوگر لوگوں کو ایسے ایسے شعبدے دکھاتے کہ وہ حیران رہ جاتے سفلی عملیات اور جادو کے ٹوٹکوں سے عوام اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں حق سمجھنے لگے اور ان کے ذہنوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہو گئیں کہ وہ جادو اور معجزہ کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے۔ اس طرح جادو کے ذریعہ روز بروز گمراہی پھیل رہی تھی۔ لوگ انبیاء علیہم السلام، اللہ کے نیک بندوں اور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو ایک ہی سمجھنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور جادو اور معجزہ میں امتیاز قائم کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کر کے زمین پر بھیجا تاکہ لوگ جادو اور معجزہ کی حقیقت اور باہمی امتیاز کو سمجھ کر جادوگروں کے مکر و فریب سے بچ سکیں۔ (من الکبیر ص۴۵۲ ج ۱، والروح ص۳۴۲ ج ۱، والبحر ص۳۲۹ ج ۱)

یہودیوں نے ہاروت و ماروت کے متعلق ایک عجیب و غریب اور جھوٹا قصہ مشہور کر رکھا تھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے ان دونوں فرشتوں کو بطور آزمائش بشری لوازمات دے کر زمین پر بھیجا تو انہوں نے ایک کنجری زہرہ کے در غلانے پر بت کو سجدہ کیا۔ شراب نوشی کی، ایک آدمی کو ناحق قتل کیا۔ اور زہرہ کنجری سے منہ کالا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے زہرہ کنجری کو اسم اعظم بتا دیا اور وہ اس کے ذریعے آسمان پر چلی گئی تو اللہ نے اسے زہرہ سیارہ بنا دیا۔ ہاروت و ماروت اپنے گناہوں کی وجہ سے آسمان پر نہ جا سکے اور اب انہیں الٹا لٹکا کر عذاب دیا جا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض مفسرین نے یہ جھوٹا قصہ بلا نکیر اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے لیکن محققین مفسرین نے اس پر شدید انکار کیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ واعلم ان ہذہ الروایۃ فاسدۃ مردودۃ غیر مقبولۃ لانہ لیس فی کتاب اللہ ما یدل علی ذلک بل فیہ ما یبطلہا (کبیر ص۴۵۲ ج ۱) قرطبی لکھتے ہیں۔ قلنا ہذا کلہ ضعیف وبعید عن ابن عمر وغیرہ لا یصح منہ شیٔ (قرطبی ص۵۲ ج ۱) امام ابوحیانؒ رقمطراز ہیں۔ وہذا کلہ لا یصح منہ شیٔ والملائکۃ معصومون لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون (بحر ج ۱ ص۳۲۹) علامہ خازنؒ لکھتے ہیں۔ فبان بہذہ الوجوہ رکۃ ہذہ القصۃ (خازن ص۸ ج ۱) علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ امام رازیؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کر کے عراقی سے نقل فرماتے ہیں۔ ونص الشہاب العراقی علی ان من اعتقد فی ہاروت وماروت انہما ملکان یعذبان علی خطیئتہما مع الزہرۃ فہو کافر باللہ تعالیٰ العظیم (روح ص۳۴۱ ج ۱) یہ واقعہ "موضح قرآن" میں بھی ہے جو شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے نام پر کتابی صورت میں چھپی ہوئی ہے مگر محققین مثلاً محدث العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تفسیر شاہ عبدالقادر کی نہیں ہے کسی نے لکھ کر ان کے نام منسوب کر دی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی "موضح قرآن" صرف وہی حواشی ہیں جو قرآن مجید کے حاشیہ پر چھپے ہوئے ہیں بعض ناشرین نے اب ان میں بھی کچھ رد و بدل کر دیا ہے **۱۹۶** یُعَلِّمٰنِ تعلیم سے ہے۔ اور تعلیم کے معنی یہاں درس و تدریس کے نہیں ہیں بلکہ یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے۔ انہ من الاعلام لا من التعلیم فیعلمان بمعنی یُعْلِمَانِ (قرطبی ص۵۳ ج ۲) وقرأ طلحۃ بن مصرف یُعْلِمَانِ من الاعلام لا من التعلیم وعلیہا حمل بعضہم قراءۃ التشدید (روح ص۳۴۲ ج ۱) اور مِنْ زائدہ ہے تاکید استغراق کے لئے۔ (روح ص۳۴۳ ج ۱) فتنہ کے معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ واما الفتنۃ فی ہذا الموضع فان معناہا الاختبار والابتلاء (ابن جریر ص۳۴۸ ج ۱) الفتنۃ الاختبار والامتحان (ابوالسعود ص۶۵۳ ج ۱) یعنی جب کوئی ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے کے لئے آتا تو وہ پہلے ازراہ خیر خواہی اس پر واضح کر دیتے تھے کہ دیکھو جادو پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا کفر ہے اور ہم تو محض اس لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ جادو اور معجزہ کا فرق لوگوں پر واضح کر دیں لہٰذا جادو کے جو اصول ہم تمہیں بتلائیں گے ان کو ناجائز طور پر استعمال نہ کرنا اور اس طرح ہم تمہارے لئے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ دیکھنا کہیں جادو کے پیچھے پڑ کر اپنا ایمان نہ ضائع کر بیٹھنا۔ مذکورہ بیان سے ہاروت و ماروت فرشتوں کا دامن بھی شرک اور جادو سے پاک ہو گیا جو کہ یہودیوں نے ان کے ذمہ لگایا تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ خود جادو نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی غیر اللہ کو پکارتے تھے وہ تو اللہ کے حکم سے محض لوگوں کے امتحان کے لئے جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ **۱۹۷** فرشتوں کے روکنے کے باوجود لوگ اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے اور زیادہ تر خاوند بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرتے تھے۔ وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ جادو ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے سے جو بھی آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اس کی قضا سے ہوتے ہیں کیونکہ فاعل اور مؤثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں۔ یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں۔ قال سفیان الثوری الا بقضاءہ وقدرتہ ومشیتہ (معالم ص۸ ج ۱) اس لئے ضروری نہیں کہ ہر ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے کا اثر ظاہر ہو۔ **۱۹۸** یہ بدبخت یہودی جو کچھ سیکھ رہے ہیں اس کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا تو ان کے بس کی بات نہیں البتہ یہ جادو دنیا اور آخرت میں ان کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان ہے اور اس میں انہیں ذرہ برابر فائدہ نہیں۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا۔ علموا کا فاعل یہودیوں کے علماء ہیں۔ قیل عائد علی علماء الیہود (بحر ص۳۳۳ ج ۱) اشْتَرٰہُ میں ضمیر مفعول مَا تَتْلُوْا کی طرف راجع ہے جس سے مراد جادو ہے۔ اور اشتراء سے مراد استبدال ہے۔ ای استبدال ما تتلوا الشیاطین بکتاب اللہ (ابوالسعود ص۶۵۷ ج ۱) یعنی ان یہودیوں کے مولویوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جس نے خدا کی کتاب کو چھوڑ کر اس پر جادو اور سحر کی پوتھیوں کو ترجیح دی اور توحید سے منہ موڑ کر شرک اور غیر اللہ کو پکارنے میں لگ گیا وہ آخرت میں سخت بدنصیب ہو گا۔ خدا کی کتاب سے تورات یا قرآن مراد ہے۔ علامہ ابوحیانؒ ایک صورت یہ بھی لکھتے ہیں کہ اشتراہ کی ضمیر تورات یا قرآن شریف کی طرف عائد ہو، اور اشتراء بمعنی بیع ہو یعنی جس نے تورات یا قرآن کو چھوڑ اس کے عوض جادو کی کتابوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ او کتابہم الذی باعوہ بالسحر او القراٰن لانہ تعوضوا عنہ بکتب السحر (بحر ص۳۳۳ ج ۱) **۱۹۹** بئس کا مخصوص بالذم محذوف ہے یعنی السحر اور شَرَوْا بمعنی بَاعُوْا ہے اور اَنْفُسَہُمْ سے پہلے لفظ حظوظ محذوف ہے یعنی یہ جادو جس کے عوض انہوں نے اپنی آخرت کا حصہ بیچ ڈالا ہے وہ بہت ہی بری چیز ہے۔ ای بئس ما باعوا بہ حظوظ انفسہم السحر (من البحر ص۳۳۴ ج ۱، والروح ص۳۴۶ ج ۱) لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ وہ اس سودے کے خسارے کو جانتے تھے مگر چونکہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا اس لئے ان سے علم کی نفی کی ہے۔ **۲۰۰** اگر یہ یہودی اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور جادو کو چھوڑ کر قرآن کے مطابق عمل کرتے۔ یہ ان معاندین کے لئے ترغیب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ وہ ایسے سرکشوں اور ضدیوں کے لئے بھی رشد و ہدایت کی تمام راہیں کھولتا ہے۔ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ یہ معنیً لَوْ کا جواب ہے یعنی اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو انہیں اللہ کی طرف سے اجر ملتا اور اللہ کا ثواب یقیناً سحر اور کفر سے بہتر ہے۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ اس حقیقت کو جانتے ہوتے۔

یہاں تک تو یہودیوں کے شبہات کا جواب تھا۔ اب آگے مسلمانوں کو یہودیوں کے ہتھکنڈوں اور ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہودی تحریف و تلبیس کے ماہر تو تھے ہی جس کی قرآن نے بھی شہادت دی ہے اور خود موجودہ تورات بھی ان کی تحریف اور تلبیس حق کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ یہودیوں نے سوچا کہ مسلمانوں میں علانیہ طور پر اور براہ راست شرک کا داخل کرنا تو بہت مشکل ہے لہٰذا کسی تدبیر اور سازش سے کام لینا چاہئے۔ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف منعطف کرانے کے لئے لفظ "رَاعِنَا" استعمال کرتے تھے اس لفظ کے چونکہ دو معنی تھے ایک صحیح اور ایک موہم شرک اس لئے منافقین یہود نے بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر آپ کو "رَاعِنَا" کے لفظ سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ بظاہر اس لفظ کے معنی بہت عمدہ تھے یعنی ہمارا بھی خیال فرمائیے۔ یہودیوں نے سوچا کہ جب یہ لفظ مسلمانوں میں رائج ہو چکا ہے تو ہمیں اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہیئے۔ کیونکہ اس لفظ کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ہماری نگہبانی اور حفاظت فرمائیے۔ راعنا فی اللغۃ ارعنا ولنرعک لان المفاعلۃ من اثنین فتکون من رعاک اللہ ای احفظنا ولنحفظک وارقبنا ولنرقبک (قرطبی ص۵۷ ج ۲) اس لفظ سے ان کا مقصد مسلمانوں میں غیر اللہ کے حافظ و ناصر ہونے کا خیال ڈالنا تھا تاکہ غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں شرک کا عقیدہ رائج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے موہم شرک لفظ سے منع فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موہم شرک الفاظ کا استعمال جائز نہیں۔ ان سے ہر حال میں اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آج کل بعض جاہلوں میں اسی قسم کے موہم شرک الفاظ رائج ہیں مثلاً "جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول نے چاہا" اور "یا پیر استاذ" اور "یا رسول اللہ" اور "یا خواجہ معین الدین اجمیری" وغیرہ وغیرہ۔ **۲۰۱** اللہ نے مسلمانوں کو "راعنا" کے لفظ سے منع فرما دیا کیونکہ یہ لفظ موہم شرک تھا اور اس کے تحت یہودیوں کی ناپاک نیتیں

تعیین اور لیس کی جگہ انظرنا کا لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا ۔ وَاسْمَعُوْا ۔ میرے امر و نہی کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو ۔ ای ما امرتکم بہ و نہیتکم عنہ بجد (روح ص۳۴۹ ج۱) اس سے ایسے الفاظ کہنے اور ایسی رسموں کی بنا رکھنے کی ممانعت ثابت ہوئی جو موہم شرک ہوں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الاٰیۃ کا اعلان کرنیکا حکم دیا تاکہ نصاریٰ کی طرح مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم الغیب اور مالک و مختار نہ سمجھنے لگیں ۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ میری قبر ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ وہ شرک کا اڈہ نہ بن جائے کذافی الخازن ص وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس کا تعلق لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے ہے یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا تو وہ اس کے مقابلہ میں جادو منتر پیش کر دیتے ہیں ۔ اب یہاں فرمایا گیا کہ وہ تو مشرک ہیں ہی اب تمہارے اندر بھی موہم شرک الفاظ کے ذریعے شرک پھیلانا چاہتے ہیں ۔ اَلْكٰفِرِيْنَ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد وہ سازشی یہود ہیں جنہوں نے بدنیتی سے لفظ راعنا استعمال کرنا شروع کیا تھا ۔ اب آگے اہل کتاب اور مشرکین کی ایک اور بری اور ناپاک خواہش کا ذکر کیا ہے ۔ ۲۰۲ يَوَدُّ ۔ وَدٌّ سے ہے جس کے معنی چاہنے اور پسند کرنے کے ہیں ۔ اور مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں من بیانیہ ہے اور وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ کا عطف اَهْلِ الْكِتٰبِ پر ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک اہل کتاب دوسرے مشرکین اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام اہل کتاب کافر ہیں جب تک وہ آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان نہ لائیں اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتے ۔ من الاولی للبیان لان الذین کفروا جنس تحتہ نوعان اھل الکتٰب والمشرکون (مدارک ص۵۳ ج۱، کبیر ص۶۲۵ ج۱) اور خَيْرٍ کو بعض مفسرین نے بعض معانی کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اسے عام رہنے دیا جائے تاکہ وہ تمام انواع خیر کو شامل ہو جائے ۔ او عام فی انواع الخیر کلھا لان المذکورین لایودون تنزیل جمیع ذلک علی المؤمنین عداوۃ وحسدا وخوفا من فوات الدراسۃ وزوال الریاسۃ (روح ص۳۵ ج۱) اب آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ یہودیوں کے خبث باطن اور تمہاری بدخواہی کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو وہ تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور وہ یہودی اور اسی طرح نصاریٰ اور مشرکین اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی انعام و اکرام یا کسی قسم کی بہتری اور بھلائی نازل ہو ۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ تم پر قرآن نازل ہو تمہیں

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا
ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو
يَعْلَمُوْنَ ۱۰۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ
سمجھ ہوتی ع ف۲ اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور
قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
کہو انظرنا ف۲ اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے
اَلِيْمٌ ۱۰۴ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
دردناک ف۲ نہیں دل چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں
وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ
اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے
وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے ف۲ اور اللہ بڑے فضل
الْعَظِيْمِ ۱۰۵ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ
والا ہے جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر
قَدِيْرٌ ۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
قادر ہے ف۲ ف۲ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور
الْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۰۷
زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار
اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ
کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے

ع ۱۲/۷

۱۰۲ از الہ شبہات کے بعد مسلمانوں کو یہود کی سازش (مسلمانوں میں کلمہ موہم شرک کی ترویج) سے آگاہ کیا گیا ہے ۔

۱۰۳ راعنا کی جگہ انظرنا کہنے کا حکم ۱۲

۱۰۴ یہ ما قبل سے بھی متعلق ہے اور دعوی توحید سے بھی ۱۲

موضح قرآن

ف۱ یعنی یہود نے اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ دیا اور لگے تلاش میں اعمال سحر کے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے آیا ایک حضرت سلیمانؑ کے عہد میں آدمی اور شیطان ملے رہتے تھے ، ان شیطانوں سے سیکھا اور وہ یہود اس کو نسبت کرتے حضرت سلیمانؑ کی طرف کہ ہم کو انہیں سے پہنچا ہے اور ان کو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا ۔ سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں اس کے عہد میں شیطانوں نے سکھایا ہے اور دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے وہ شہر بابل میں دو فرشتے تھے جو بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا جو کوئی طالب اس کا جاتا اول کہہ دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہیگا ۔ پھر اگر وہ چاہتا تو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر پاتے ہیں اور بغیر حکم خدا کچھ کر نہیں سکتے اور علم دین اور کتاب سیکھتے تو اللہ کے یہاں ثواب پاتے ۔ ف۲ یہود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے بعضی بات جو سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے "راعنا" یعنی ہماری طرف متوجہ ہو ان سے مسلمان بھی سیکھ کر کسی وقت یہ لفظ کہتے ۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہے تو اُنْظُرْنَا کہو اس کے بھی معنی یہی ہیں اور آگے سنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے ۔ یہود کو اس لفظ کے کہنے میں دغا تھی اس کو زبان دبا کر کہتے تو رَاعِيْنَا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں ۔ ف۳ یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعضی آیت نسخ ہوتی ہیں اگر اللہ کی طرف سے تھی تو پھر کیا عیب دیکھا جو اس کو موقوف کی ۔ اللہ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی میں تھا نہ پچھلی میں ہر حاکم ہر وقت جو چاہے سو حکم کرے ۔

فتح الرحمٰن ف۱ دیگر از مفوات یہود آں بود کہ در مجلس پیغمبر آمدہ لفظ راعنا میگفتند و ایں لفظ دو معنی است یکے آنکہ رعایت کن مارا وشفقت کن برما ۔ دیگر رعونت دارندہ یعنی ابلہ و قصد ایشاں سب بود حق سبحانہ مسلمانرا ازیں کلمہ نہی کرد برائے سد باب فساد و اشارت بہمیں معنی است دریں آیت ۔ ف۲ دریں آیت تعریض است بجواب یہود کہ انکار نسخ می کردند ۔ ۱۲

دشمنوں کے مقابلہ میں فخر حاصل ہو یا کسی قسم کا کوئی فائدہ اور نفع پہنچے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ تمام انواع خیر کے مستحق ہم ہی ہیں۔ اور ان کی یہ خواہش محض عداوت اور بغض و حسد پر مبنی تھی۔ نیز انہیں خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر وحی نازل ہو گئی تو ہمارے مدرسے اور ہماری آمدنی کی دکانیں بند ہو جائیں گی اور ہماری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ ۱۰۵ یہاں بھی لفظ رحمت عام ہے اور ان تمام انواع رحمت کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی وقت اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ الرحمۃ فی ھذہ الاٰیۃ عامۃ لجمیع انواعھا فقد منح اللہ بھا عبادہ قدیمًا وحدیثًا (قرطبی ص۶۲ ج۲) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی رحمت کا مستحق ہے اور جسے وہ چاہتا ہے اپنی نوازشات کے لئے منتخب کر لیتا ہے لوگوں کی خواہشات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بعض مفسرین نے خیر اور رحمت سے وحی مراد لی ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے انبیاء بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے رہے۔ جب آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیلؑ سے پیدا ہوئے تو یہودیوں نے تعصب اور حسد کی وجہ سے اسے ناپسند کیا۔ وقیل معنی الاٰیۃ ان اللہ تعالیٰ بعث الانبیاء من ولد اسحٰق فلما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ولد اسمٰعیل لم یقع ذلک بود الیھود ومحبتھم (معالم ص۶۹ ج۱) لیکن مشرکین کے بغض و حسد کیلئے یہ وجہ موزوں نہیں بلکہ یہ چیز تو ان کے لئے باعث فخر ہے کیونکہ وہ سب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تو بہت وسیع ہے اس لئے بعض کی محرومی اس کی مشیت اور حکمت کے تحت ہے نہ کہ اس کے فضل اور مہربانی کی کمی کی وجہ سے۔ وان حرمان بعض عبادہ لیس لضیق فضلہ بل لمشیتہ وما عرف فیہ من حکمتہ (روح ص۳۵۱ ج۱)

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اصل عداوت تو دعوت توحید سے تھی اور وہ اس عداوت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی تو راعنا جیسے موہم شرک الفاظ مسلمانوں کی زبانوں سے کہلا کر ان میں شرک داخل کرنے کی کوشش کرتے اور کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈہ اور بے جا اعتراضات کرتے کبھی بکتے یہ لوگ اس قابل نہیں کہ اللہ کی طرف سے ان پر وحی یا کوئی بھلائی نازل ہو اور کبھی کہتے کہ اگر یہ قرآن خدا کا کلام ہے تو اس کے احکام کیوں بدلتے رہتے ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ایک حکم دیتا ہے پھر اس کے خلاف دوسرا حکم صادر کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد کا اپنا کلام ہے خدا کا کلام نہیں۔ نزلت لما قال المشرکون او الیھود الا ترون الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یامر اصحابہ بامر ثم ینھاھم عنہ ویامرھم بخلافہ .... ما ھذا الا کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقولہ من تلقاء نفسہ (روح ص۳۵۱ ج۱) اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط پروپیگنڈے کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور مالک و مختار ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ ۱۰۶ نسخ سے مراد یہ ہے کہ آیت کا حکم اٹھ جائے لیکن اس کی تلاوت باقی رہ جائے۔ اور انساء سے مراد یہ ہے کہ حکم اور تلاوت دونوں اٹھ جائیں (بحر ص۳۴۳ ج۱) یہ راعنا کو منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کہنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا۔ یعنی اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں تو وہ بھی ہماری حکمت اور مصلحت کے عین مطابق ہوتا ہے اور ہم منسوخ شدہ حکم کی جگہ اس سے زیادہ مفید اور زیادہ آسان یا نفع اور سہولت میں اس کے برابر دوسرا حکم نازل کر دیتے ہیں۔ ای بما ھو انفع لکم واسھل علیکم واکثر لاجرکم او مثلھا فی المنفعۃ والثواب الخ (معالم ص۸ ج۱) اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یہاں استفہام تقریری ہے اور اس کا مخاطب ہر سامع ہے۔ ھذا الاستفھام معناہ التقریر .... والاولیٰ ان یکون المخاطب السامع (بحر ص۳۴۳ ج۱) مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بنائے ہوئے احکام میں رد و بدل اور محو و اثبات کا اسے پورا پورا اختیار ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس سے اصل دعویٰ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہ انسانوں کی تمام حاجتیں اور ضرورتیں پوری کر سکتا اور ان کی تمام مشکلات آسان کر سکتا ہے۔ تو پھر اس کے سوا کیوں کسی اور کو پکارا جائے اور کیوں کسی اور سے استعانت کی جائے۔ اس آیت کا دوسرا ربط یہ ہے کہ اگر ہم کوئی ایسی رسم منسوخ کر دیں جو موہم شرک ہو تو اس کی جگہ اس سے بہتر طریقہ رائج کر دیتے ہیں جس طرح راعنا کا لفظ منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کا لفظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

فائدہ ۔ متقدمین حضرات نسخ کو اس کے وسیع معنوں میں لیتے تھے یعنی وصف آیت کے مطلق تغیر کو نسخ کہتے تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک پانچ سو سے بھی زیادہ آیتیں منسوخ ہیں لیکن متاخرین نے نسخ کو محدود معنی میں استعمال کیا یعنی آیت کا حکم مع التلاوۃ یا بدون التلاوۃ اٹھا دینے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس مفہوم کے پیش نظر بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ نہیں ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے الاتقان میں بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن امام ولی اللہ دہلویؒ الفوز الکبیر کے باب دوم فصل دوم میں اس مفہوم کے تحت صرف پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں اور باقی تمام آیتوں کی توجیہہ فرماتے ہیں لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان پانچ آیتوں کو بھی منسوخ نہیں مانتے تھے اور حضرت شاہ صاحب کی طرز پر ان پانچوں آیتوں کی ایسی توجیہہ فرماتے تھے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں آیتوں کا حکم بھی تا قیامت باقی ہے۔ ان پانچوں آیتوں کی توجیہہ اپنی اپنی جگہ آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ بعض لوگ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک حکم دیکر پھر اسے واپس کیوں لیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ کے معنی پہلا حکم واپس لینے کے نہیں بلکہ اس سے پہلے حکم کی مدت کی انتہا کا بیان مقصود ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اس مدت تک تھا۔ اس کے بعد کے لئے نہیں۔ ۱۰۵ یہاں بھی استفہام تقریر کے لئے ہے اور خطاب ہر سامع کو ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــــ ملک السموٰت والارض مبتدا مؤخر اور لہ خبر مقدم ہے۔ اور اس کی تقدیم افادہ حصر کیلئے ہے یعنی زمین و آسمان کی سلطنت اور زمین و آسمان میں ہونے والے تمام امور کا اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہے وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ یہ جملہ اَنَّ کی خبر پر معطوف ہے پہلا مِنْ ابتدائیہ اور استغراق عموم نفی کے لئے ہے (روح ص۳۵۵ ج۱، ابو سعود ص۶۷۵ ج۱) یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی تمہارا حمایتی اور یار و مددگار نہیں۔ نہ کوئی نوری نہ ناری نہ خاکی۔ یہ آیت اصل دعویٰ یعنی اعبدوا ربکم سے متعلق ہے اور اس پر عقلی دلیل ہے یعنی جب زمین و آسمان کی سلطنت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور اس کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں تو حاجات و مشکلات میں غائبانہ طور پر صرف اسے ہی پکارو اور اس کی عبادت اور دعا میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی حافظ و ناصر اور نگہبان نہیں۔ اس لئے غیر اللہ کے لئے کوئی ایسا لفظ مت استعمال کرو جس سے اس قسم کے شرک کا وہم بھی ہو مثلاً حضور علیہ السلام کو راعنا سے خطاب کرنا وغیرہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مشرکین مکہ ایک درخت کو مقدس مانتے تھے۔ اس درخت پر کھانے پینے کی اشیاء کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اس کی تعظیم بجا لاتے اور پوجا کرتے تھے اور اسے ذات انواط کہتے تھے بعض مسلمانوں نے بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ایسا درخت مقرر فرما دیں تاکہ ہم بھی اس پر نذریں منتیں چڑھا کریں۔ مسلمانوں کا یہ سوال بعینہ ان اسرائیلیوں کی طرح تھا جنہوں نے ایک بت پرست قوم کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سفارش کی تھی کہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ایسا بت بنا دیں تاکہ ہم اس کی پوجا کریں۔ اس لایعنی سوال پر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں تنبیہ فرمائی (من الکبیر ص۶۶۵ ج۱ و النیشاپوری ص۳۵۸ ج۱) مگر اس روایت میں ایک بات کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ جن صحابہ کرامؓ کا خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سالہا سال تزکیہ فرمایا ہو۔ اور جنہوں نے براہ راست شمع محمدی سے اپنے سینے نور توحید سے روشن کئے ہوں۔ ان سے یہ سوال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے یہ آیت چونکہ مدنی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مدینہ ہی میں پیش آیا۔ مدینہ میں سینکڑوں یہود منافقانہ طور پر مسلمان تھے۔ کیونکہ ان کا اصل مقصد اسلام کا جامہ اوڑھ کر اسلام کی تخریب کرنا تھا۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان یہودیوں نے راعنا کا لفظ رائج کر کے مسلمانوں میں شرک داخل کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی اسی طرح ان منافقین یہود نے ہی حضور علیہ السلام سے یہ ذات انواط مقرر کرنے کا سوال کیا تھا گویا کہ مسلمانوں میں شرک داخل کرنے کے لئے انہوں نے یہ ایک اور حربہ استعمال کیا۔ جو اس وقت کامیاب نہ ہو سکا۔ ۱۰۶ یہاں "اَمْ" منقطعہ بمعنی "بَلْ" ہے اور مفید اضراب ہے یعنی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے (بحر ص۳۴۶ ج۱) اور تریدون سے خطاب بتفصیل بالا منافقین یہود کو ہے یعنی تم نے اس بات میں غور نہ کیا کہ اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار اور حافظ و ناصر نہیں اور تم نے راعنا کے ذریعے مسلمانوں میں شرک پھیلانے کی کوشش ترک نہ کی بلکہ شرک کی

بنیاد پر رکھنے کے لئے الٹے سیدھے مطالبات پیش کر دیئے۔ تمہارے یہ مطالبات بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے تھے ۲۰۷ کفر کو ایمان سے تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دے اور بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کر ے۔ ای یختارہ ویاخذ ہ لنفسہ (ابو السعود ص۲۶۶ ج ۱) یعنی جس شخص نے پیغمبر سے معاندانہ سوالات کر کے کفر اختیار کیا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ ۲۰۸
اہل کتاب سے بعض مفسرین نے علماء یہود مراد لئے ہیں لیکن یہ کوئی علماء یہود ہی سے مخصوص نہیں۔ عیسائی پادریوں کی بھی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے اور آج پادری لوگ جس سرگرمی سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں وہ اس بات کا بین ثبوت ہے۔ آیت میں لَوْ مصدریہ ہے اور کفاراً یردونکم کا مفعول ثانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ یہ اہل کتاب تمہیں اسلام سے پھیر کر دوبارہ کافر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں کبھی تو موہم شرک الفاظ تمہاری زبانوں سے کہلواتے ہیں اور کبھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری مشرکانہ رسوم جاری کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ ۲۰۹ حَسَدًا ــــ وَدَّ کا مفعول لہ ہے یعنی وہ مسلمانوں کا ارتداد محض ذاتی

قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ
اس سے پہلے ۲۰۶ اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا
سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ
سیدھی راہ سے ۲۰۷ ف۱ دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا
لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا
کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں ۲۰۸ بسبب اپنے دلی حسد
مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ
کے ۲۰۹ بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ہے ان پر
الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ
حق سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جبتک بھیجے اللہ اپنا حکم ف۱
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ
بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قائم رکھو نماز کو اور
اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ
دیتے رہو زکوٰۃ ۲۱۰ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے بھلائی
تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ
پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس ۲۱۱ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب
بَصِیۡرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ اِلَّا مَنۡ
دیکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو
کَانَ ہُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی ؕ تِلۡکَ اَمَانِیُّہُمۡ ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا
ہوں گے یہودی یا نصرانی ۲۱۲ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہدے لے آؤ
بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ٭ مَنۡ اَسۡلَمَ
سند اپنی اگر تم سچے ہو کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا

الثلثة

۱۰ امور مصلحہ کا بیان

۲۰ فائدہ بحث پر پانچ شکووں کا بیان یہ پہلا شکوہ ہے ۱۲

بغض وعداوت اور حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں اور اس بغض وحسد کا سرچشمہ ان کی نفسانی خواہشات ہیں۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے کے سلسلے میں ان کی سرگرمیاں کسی غلط فہمی یا نادانی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں دیدہ دانستہ کر رہے ہیں۔ تورات کے بیانات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔ اس لئے اب وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، محض رشک وحسد کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ۔ امر سے مراد حکم جہاد ہے۔ والمراد بہ الامر بالقتال (روح ص۳۵۴ ج ۱) اہل کتاب کی مذکورہ حرکتوں پر مسلمانوں کا اشتعال لازمی تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انتقامی کارروائی سے فی الحال منع فرمایا۔ اور عفو ودرگزر کا حکم دیا یعنی جہاد کا حکم آنے تک صبر وسکون اور عفو ودرگذر سے کام لو۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وہ جب چاہے گا ان سرکشوں اور معاندوں سے انتقام لے گا اور اسلام اور اہل اسلام کی مدد کریگا ۲۱۰ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ جب تک جہاد کا حکم نہیں آتا اس وقت تک نماز، زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی احکام کی پابندی کرتے رہو۔ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ امور مصلحہ میں سے ہیں ان سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے جس سے ایک طرف تو دشمنوں کی تکلیف واذیت پر صبر وسکون کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف ان سے عقیدۂ توحید میں پختگی اور استواری پیدا ہوتی ہے جو مسلمان کو دشمنان توحید اور باغیان اسلام سے جہاد کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ ۲۱۱ پہلے عفو ودرگذر اور نماز وزکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ یہاں انہیں احکام کی ترغیب فرمائی کہ اگر تم ان میں سے کوئی سا نیک کام کرو گے تو وہ ضائع نہیں کیا جائیگا بلکہ اس کا ثواب اللہ کے پاس محفوظ رہیگا جسے تم آخرت میں اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ یہ بھی ما قبل کی تاکید ہے یعنی تمہیں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا بدلہ بھی ملیگا کیونکہ تمہاری ہر نیکی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے لہٰذا نیکی کے ضائع ہونے کا وہاں ادنیٰ احتمال بھی نہیں۔

اہل کتاب اور مشرکین مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ استعمال کر چکے۔ ان میں شرک پھیلانے اور انہیں گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکے انہیں ہر موقع پر ناکامی اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑا تو اب انہوں نے پینترا بدل کر ایک اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا یعنی اپنے غلط اور مشرکانہ عقائد اور اعمال کو عجیب رنگ آمیزی اور ملمع سازی سے مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے لگے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ان ناشائستہ حرکات کا شکوہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معقول وجوہ سے انکی اصلاح بھی فرمادی ہے

پانچ شکوے

پہلا شکوہ ۲۱۲ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ آخرت میں نجات صرف یہودیوں کی ہوگی اور عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے

موضح قرآن ف۱ یعنی یہود کے بہکائے سے تم اپنے نبی پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی پاس لائے تھے۔ شبہے نکالنے گویا یقین چھوڑ کر انکار پکڑنا ہے ۱۲ فتح الرحمن ف۱ یعنی امر کند بجہاد ایشان ۱۲

گناہوں کا کفارہ اور نجات دہندہ سمجھتے تھے اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ وہ پیرزادے اور پیغمبرزادے ہیں۔ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ اس لئے جنت صرف انہی کے لئے ہے۔ درحقیقت یہود و نصاریٰ اس دعویٰ سے اسلام پر ضرب لگانا چاہتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام سے برگشتگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نجات تو صرف ان کے دین سے وابستہ ہے۔ لہٰذا ان کے دین کی موجودگی میں دین اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ آگے اس دعویٰ کی تردید ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۔ امانی کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے کہ اس سے مراد ان کی باطل اور جھوٹی خواہشات ہیں اور ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ ای شھواتھم الباطلۃ التی تمنوھا (معالم وخازن ص۸۳ ج۱) یعنی یہ محض آرزوئیں ہی آرزوئیں ہیں قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ یہود و نصاریٰ کی تبکیت اور انہیں لاجواب کرنے کے لئے ان سے ان کے دعوٰی پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی اگر تم اپنے مذکورہ دعوٰی میں سچے ہو تو اس پر کوئی دلیل پیش کرو۔ اس کے بعد نجات اخروی کا اصل قانون بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۳ ۔ بلیٰ یہود و نصاریٰ

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ

منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنیوالا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اسکا اپنے رب کے پاس ۲۱۳

۱۳ ع ۹ ۱۲

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ

اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۲۱۴ ف۱ اور یہود تو کہتے ہیں کہ

الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى

نصاریٰ نہیں کسی راہ پر ۲۱۵ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ۲۱۶ ان ہی کی سی بات

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

اب اللہ حکم کریگا ان میں قیامت کے دن جس بات میں وہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

جھگڑتے تھے ۲۱۷ ف۱ اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں

اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا ۲۱۸ اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں ایسوں کو

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ

لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ۲۱۹ ان کیلئے

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ف۲ ف۲

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ ۲۲۰

(حاشیہ: ۲۱۴ سے دوسرا شکوہ ۱۲ — ۲۱۷ سے تیسرا شکوہ ۱۲ — ۲۲۰ متعلق بمن اظلم ممن منع مساجد اللہ ۱۲)

کے دعوٰی کی تردید و تکذیب کے لئے لایا گیا ہے وَجْهَهٗ کے معنی چہرے کے ہیں لیکن یہاں مجازاً اس سے مراد ذات یا ارادہ اور قصد ہے۔ یعنی اس نے اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔ اخلص له نفسه او قصدہ فلم یشرك به تعالٰی غیرہ او لم یقصد سواہ۔ (روح ص۳۶۶ ج۱) وَهُوَ مُحْسِنٌ اَسْلَمَ کے فاعل سے حال ہے۔ جب یہود اور نصاریٰ نے دعوٰی کیا کہ ان کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ تو اس کا جواب دیا گیا کیوں نہیں جس نے بھی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور صرف اسی کا ہو کر رہ گیا اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا۔ اور ہر کام میں صرف اللہ کی رضا کو مدنظر رکھا تو اس کا اجر ہرگز ضائع نہیں ہوگا بلکہ خدا کے یہاں محفوظ رہیگا۔ تو معلوم ہوا جنت میں صرف وہ جائے گا جو مشرک نہ ہو۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کا دعوٰی غلط ہے کہ ان کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ کیونکہ وہ تو حضرت عزیر اور حضرت مسیح کی عبادت کرتے اور ان کو پکارتے تھے۔

۲۱۴ اس جملے کی تینوں ضمیریں مَنْ کی طرف راجع ہیں کیونکہ وہ معنیً جمع ہے۔ یعنی ان لوگوں کو آخرت میں نہ گذشتہ زمانہ پر افسوس ہوگا نہ آئندہ کا غم ستائے گا۔

دوسرا شکوہ:۔ ۲۱۵ یہودیوں نے کہا کہ نصاریٰ کا دین باطل ہے کیونکہ وہ تثلیث اور الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ انہوں نے شرک کو اپنا دین بنایا ہوا ہے لہٰذا ان کا دین غلط ہے وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ اور عیسائی بولے کہ یہودیوں کا دین باطل ہے اور غلط ہے کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام اور انجیل مقدس کو نہیں مانتے ۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۔ الکتاب میں الف لام جنس کے لئے ہے اور اس سے مراد تورات اور انجیل ہے یعنی یہ دونوں فریق اپنی اپنی کتاب پڑھتے ہیں اور پھر ایسا دعوٰی کرتے ہیں جس کی تردید خود ان کی اپنی کتاب کرتی ہے یا الکتاب سے مراد تورات ہے کیونکہ تورات کو نصاریٰ بھی مانتے ہیں مطلب یہ کہ دونوں فریق ایک ہی کتاب کو مانتے ہیں۔ پھر اس کے باوجود ایک دوسرے کے دین کا ابطال کرتے ہیں۔ ۲۱۶ اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی جو لوگ علم نہیں رکھتے جن کے پاس کتاب اور اللہ کا دیا ہوا رشد و ہدایت کا علم نہیں ہے۔ یہاں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ وھم مشرکوا العرب فی قول الجمھور (روح ص۳۶۶ ج۱)

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۔ ان اہل کتاب اور اہل علم کی طرح مشرکین عرب بھی ایسے ہی دعاوی کیا کرتے تھے ۔ اور اپنے دین جاہلیت اور شرک کے سوا باقی تمام ادیان کو باطل سمجھتے تھے ۔ قالوا لاهل كل دين ليسوا على شیء

موضح قرآن ف۱ جن پاس علم نہیں وہ عرب لوگ ہیں کہ آگے حضرت ابراہیم ؑ کا دین رکھتے تھے پھر آخر بہک بت پوجنے لگے۔ ایسے شخص کو مشرک کہنے وہ اپنی ہی راہ حق بتاتے تھے ۔ ف۲ نصاریٰ آپ کو منصف جانتے تھے اور یہود کو ظالم کہ انہوں نے حضرت عیسٰی ؑ سے دشمنی کی اور ہم نے ان کو مانا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا تو مسجد بیت المقدس کو ویران کیا اور یہود کی مسجدیں اجاڑیں یہود کی ضد سے یہ کیا انصاف ہے کہ آدمیوں کی ضد سے اللہ کی مسجدیں ویران کریں اور فرماتا ہے کہ یہ بھی لائق نہیں کہ اس ملک میں حاکم رہیں۔ آخر اللہ نے وہ ملک شام مسلمانوں کے ہاتھ لگایا۔

فتح الرحمٰن ف۱ دیگر از مقولات اہل کتاب آں بود کہ ہر فرقہ از یہود و نصاریٰ دیگر را انکار میکرد واشارت بہمیں معنی است ایں آیت ۱۲ ف۲ دریں آیت تعریض است بکفار مکہ واشارت بمغلوب شدن ایشاں واللہ اعلم۔ دیگر از مقولات یہود آں بود کہ چوں استقبال بیت المقدس منسوخ شد استہزا می کردند۔ اشارت بہمیں معنی است دریں آیت ۱۲

(مدارک ص۵۵ ج ۱) قالوا فی نبیہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ انہم لیسوا علی شیء من الدین (معالم ص۹۳ ج ۱) جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کا یہ دعویٰ بھی عرب کے جاہل مشرکوں کے دعویٰ کی طرح سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔ ۲۱۷ بینہم کی ضمیر یہود ونصاریٰ کی طرف راجع ہے۔ یوم القیٰمۃ فیما دونوں ظرفیں یحکم کے متعلق ہیں۔ فیہ یختلفون کے متعلق ہے یعنی دنیا میں تو یہ جھگڑتے ہی رہیں گے۔ ان کے جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ تو قیامت کے دن خدا ہی کرے گا۔

تیسرا شکوہ ۔ ۲۱۸ من یہاں استفہام انکاری کیلئے ہے یعنی خدا کے گھروں سے روکنے والوں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ ولا یراد بالاستفہام حقیقتہ وانما ھو بمعنی النفی فیؤل الی الخبر ای احد اظلم من ذلک (روح ص۳۶۳ ج ۱) من منع اور مساجد اللہ میں مفسرین نے بعض روایات کی بنا پر تخصیص کی ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ

بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ہے ول اور کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد ۲۲۱

سُبْحَانَهُ ۖ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ

وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں ۲۲۲ سب

لَّهُ قَانِتُونَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا

اسی کے تابعدار ہیں نیا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا ۲۲۳ اور جب

قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾ وَ

حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے اور

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا

کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے ۲۲۴ کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی

آيَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ

ہمارے پاس کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات ۲۲۵

تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

ایک سے ہیں دل ان کے بیشک ہم نے بیان کردیں نشانیاں ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں ف۱

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ

بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دیکر ۲۲۶ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں

أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا

دوزخ میں رہنے والوں کی ف۲ اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ

النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ

نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا تو کہہ دے جو راہ اللہ بتادے

هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي

وہی راہ سیدھی ہے۔ اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس

نکالا۔ اور بیت المقدس کو مسمار کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مقام حدیبیہ پر بیت اللہ سے روکا لیکن بہتر یہ ہے کہ آیت اپنے عموم پر رہے۔ اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہو جو مسجدوں کو غیر آباد کرے خواہ انہیں گرا کر خواہ ان میں خالص توحید کے ذکر سے روک کر خواہ ان میں شرک کی تبلیغ اور غیر اللہ کی پکار کے ذریعے۔ وظاھر الآیۃ العموم فی کل مانع وفی کل مسجد وخصوص السبب لا یمنعہ (روح ص۳۶۳ ج ۱) مساجد اللہ مبدل منہ ہے اور ان یذکر فیہا اسمہ بدل الاشتمال ہے۔ اور اللہ کے ذکر سے یہاں مطلق ذکر مراد نہیں کیونکہ اس سے تو دنیا کا کوئی کافر سے کافر انسان بھی نہیں روک سکتا۔ بلکہ ذکر اللہ سے نفی شرک اور توحید کے ساتھ اللہ کا ذکر مراد ہے۔ ای ان یذکر فیہا اسمہ وحدہ کذا قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے گھروں میں خالص توحید کے ساتھ خدا کے ذکر سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی یا مشرک اور خواہ کوئی آج کل کا بناسپتی مسلمان۔ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ۚ تخریب عام ہے۔ خواہ عمارت کے گرانے سے ہو خواہ خالص توحید کے ساتھ خدا کے ذکر اور نماز سے روکنے کے ذریعہ ہو۔ **۲۱۹** انہیں تو خدا کے گھروں میں ان کی تعظیم و حرمت کی بنا پر ڈرتے ڈرتے داخل ہونا چاہیئے تھا۔ چہ جائیکہ یہ ظالم ان کی تخریب کے درپے ہو جاتے۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ایسے ظالموں کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذاب جہنم ہے۔ **۲۲۰** اس آیت میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ اگر کفار و مشرکین تمہیں مسجدوں سے روکیں تو تم فکر مت کرو۔ مشرق و مغرب اور باقی تمام اطراف اللہ ہی کی ہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہوا کرو وہیں سے قبلہ رخ ہو کر میری عبادت کرلیا کرو اور نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ تم جہاں بھی اسے پکاروگے وہ تمہاری پکار سنے گا۔ ای ففی ای مکان فعلتم التولیۃ شطر القبلۃ (روح ص۳۶۵ ج ۱، مدارک ص۵۵ ج ۱) اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور رحمت بہت وسیع ہے اور وہ بندوں کے مصالح سے بخوبی واقف ہے اسی لئے اس نے عبادت کے معاملہ میں کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی کہ یہاں عبادت کرو اور یہاں نہ کرو۔

چوتھا شکوہ ۔ ۲۲۱ قالوا کا فاعل یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہ ہیں۔ کیونکہ تینوں کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اتخذ اللہ ولدا سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے لئے حقیقی اولاد ثابت نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کو اس قدر پیارے

موضح قرآن ف یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخصوص ایک طرف نہیں اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو وہ متوجہ ہے۔ ۱۲ **ف۲** یعنی اگلی امت جو موجود تھے وہ بھی اپنے نبی سے یہی کہتے تھے جواب کے لوگ کہنے لگے ۱۲ **ف۳** یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا ۱۲

فتح الرحمٰن **ف۱** دیگر از سفوات اہل کتاب آں بود کہ یہود عزیر را و نصاریٰ عیسیٰ را ابن خدا می گفتند خدا تعالیٰ نازل کرد ۱۲

ہیں کہ اس نے ان کو بیٹے بنالیا ہے اور بیٹے سے ان کی مراد نائب و مختار ہے یعنی جس طرح بیٹا اپنے باپ کا نائب ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے اختیارات میں سے کچھ اختیارات دیکر اور اپنے نائب بنا کر دنیا میں بھیجا ہوا ہے۔ اب وہ اللہ کے عطائی اختیارات مثلاً علمِ غیب، حاجت روائی، مشکل کشائی وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔ ان کی غائبانہ پکار سنتے اور ان کی حاجات و مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اب آگے اس کا جواب ہے ۲۲۲ زمین و آسمان کی ہر مخلوق خدا کی مملوک اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے خواہ انبیاء ہوں یا ملائکہ۔ خواہ اللہ کے نیک بندے اور دیگر اشیاء۔ لہٰذا یہ سب خدا کے مملوک ہوئے تو پھر اس کے بیٹے کس طرح بن سکتے ہیں۔ نیز بیٹے کی ضرورت تو اسکو ہوتی ہے جو محتاج ہو اور فانی ہو تاکہ اس کا نام زندہ رہے اور اس کا کوئی وارث ہو سکے۔ تو اللہ تعالیٰ تو محتاج نہیں اور نہ وہ فانی ہے وہ زمین و آسمان کا تنہا مالک و بادشاہ ہے۔ زمین و آسمان کے تمام اختیارات اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے اسے کسی نائب یا وارث کی ضرورت نہیں۔ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق جن میں حضرت عزیرؑ حضرت مسیحؑ اور ملائکہ کرام بھی شامل ہیں سب خدا کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ اور اس کی ربوبیت کے مقر اور اسکے دربار میں اپنی عبدیت کے معترف ہیں۔ اور اپنی حاجات میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کے بیٹے کیونکر بن سکتے ہیں بلکہ وہ تو اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ۲۲۳ وہ زمین و آسمان کو بغیر کسی کی مدد کے اور بغیر کسی سابقہ مثال کے از سرِ نو پیدا کرنے والا ہے اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا۔ یہاں قضٰی بمعنیٰ اراد ہے۔ ای اراد شیئًا (روح ص ۳۶۶ ج ۱) یعنی وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ تو بس ارادہ کرتے ہی وہ چیز وجود میں آجاتی ہے کُنْ کہنے سے ہوجانا یہ سرعت اور جلدی سے کنایہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ لفظ کن بولتا ہے تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ وہاں تو صرف ارادہ کی دیر ہوتی ہے کہ چیز پیدا ہوجاتی ہے وھٰذا مجاز عن سرعة التکوین وتمثیل ولا قول ثم (مدارک ص ۶۶ ج ۱) تو جب اللہ اتنا زبردست اور قادر ہو کہ صرف ارادہ کرے اور کام ہوجائے تو تم ہی بتاؤ کہ اسے نائبوں کی کیا ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی دلبند و نائب نہیں۔

پانچواں شکوہ ۲۲۴ چوتھا شکوہ توحید میں گڑبڑ کرنے سے متعلق تھا۔ اور یہ رسالت پر جرح وقدح سے متعلق ہے۔ الذین لا یعلمون سے بعض نے مشرکین عرب مراد لئے ہیں اور بعض نے یہود و نصاریٰ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے تینوں گروہ مراد ہوں کیونکہ بے جا اور معاندانہ سوال تینوں گروہوں سے ثابت ہیں مشرکین کے مطالبہ کیا تھا فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء ع ۱) اور یہود و نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہے يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء ع ۲۲) باقی رہی یہ بات کہ مشرکین تو بے علم

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ وقف منزل

علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنیوالا اور نہ مددگار ۲۳۰

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا ۲۳۱ ف۱ وہی

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۹

اس پر یقین لاتے ہیں ۲۳۲ اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ۲۳۳ ف۲

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے تم پر کئے

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ

اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر ۲۳۴ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى

کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے ۲۳۵ ف۳ اور جب آزمایا

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ

ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں ۲۳۶ پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ

سب لوگوں کا پیشوا ۲۳۷ بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا

عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً

میرا قرار ظالموں کو ۲۳۸ ف۴ اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ

لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی ۲۳۹ ف۵ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو

۲۲ دلیل نقلی از مومنین اہل کتاب ۱۲

۲۳ خاتمہ بحث توحید مع بنی اسرائیل کو دوبارہ یاد دہانی ۱۲

۲۴ تمہید برائے بیان صداقت رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

موضح قرآن ف۱ یعنی یہود میں کم لوگ بالانصاف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ اس قرآن پر ایمان لائے ایک ان کے عالم تھے عبداللہ بن سلام ان کے ساتھ کئی اور بھی مسلمان ہوئے۔ ف۲ بنی اسرائیل بہت مغرور اس پر تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو وعدہ دیا کہ نبوت اور بزرگی تیرے گھر میں رہے گی اور ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور اس کا دین ہر کوئی مانتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ ابراہیمؑ کی اولاد کو ہے جو نیک راہ پر چلیں اور اس کے دو بیٹے تھے پیغمبر ایک مدت اسحٰقؑ کی اولاد میں بزرگی تھی۔ اب اسمٰعیلؑ کی اولاد کو پہنچی اور اس کی دعا ہے دونوں کے حق میں اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے۔ سب پیغمبر اور سب امتیں اسی پر گذریں وہ یہ کہ جو حکم اللہ کا پہنچے پیغمبر کے ہاتھ سو قبول کرنا۔ اب مسلمان ہیں اسی راہ پر اور تم اس سے پھر کر ہو۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید از ینجا تا سیقول السفہاء خدائے تعالیٰ اثبات می فرماید نبوت پیغمبر ما را صلی اللہ علیہ وسلم از قصہ دعائے ابراہیمؑ کہ در توریت مذکور است و ترجیح می دہد ملت حنیفیہ را کہ حضرت پیغامبر ما برائے آں مبعوث شدند و رد میکند قول یہود را کہ حضرت یعقوب مارا بیہودیت وصیت کردہ است و از تفریق در انبیاء نہی میفرماید یعنی معتقد بعضے باشد و منکر بعضے واللہ اعلم۔ ف۲ یعنی آناں کہ تورات می فہمند تصدیق شریعت محمدیہ می کنند و آنانکہ تصدیق آں نمی کنند تورات را نفہمیدہ اند ۱۲

ہوئے۔ کیونکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب نہیں تھی۔ اہل کتاب کیسے لایعلمون کے تحت داخل ہوں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی جاہلانہ حرکات اور بدعملی کی بنا پر ان کے علم کی نفی کی گئی ہے دعلی لاخبرین لتجاھلھم اولعدم عملھم بمقتضاہ (روح ص۳۷۶ ج ۱) لَوۡلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام کرتا ہے یا جس طرح انبیاء کی طرف وحی بھیجتا ہے اس طرح وہ براہ راست یا بذریعہ وحی ہم سے کیوں ہمکلام نہیں ہوتا۔ اور براہ راست ہمیں ہی ہدایت نامہ کیوں نہیں دیدیتا اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَةٌ ؕ آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل مراد ہے۔ یہ سوالات ان کی انتہائی سرکشی اور ضد و عناد کا نتیجہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے واضح دلائل ان کے سامنے تھے۔ وہ کئی ایک معجزات بھی دیکھ چکے تھے مگر اس کے باوجود مزید دلائل کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ ماننا مقصود نہیں تھا بلکہ محض ضد و عناد اور بغض و حسد کا اظہار مدنظر تھا۔ ۲۲۵ یعنی یہ سرکشانہ اور معاندانہ رویہ کوئی ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ ان سے پہلے ان کے آباؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰۤی اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ (نساء ع ۲۲) تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ۔ بے بصیرتی اور ضد و عناد میں ان کے اور ان کے بڑے بڑوں کے دل ملے ہوئے ہیں۔ نہ ان کے سوالات طلب حق پر مبنی تھے نہ ان کے مطالبات کسی نیک غرض پر مبنی ہیں۔ ای قلوب ھؤلاء ومن قبلھم فی العمی والعناد (روح ص۳۷۶ ج ۱) قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ ان لوگوں کا مقصد محض سرکشی اور ضد ہے۔ ورنہ دلائل و آیات کو تو ہم کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ جو لوگ صدق نیت کے ساتھ حق و یقین کی جستجو کرنے والے ہیں ان کے اطمینان کے لئے تو وہ آیات کافی و شافی ہیں۔ الطالبون معرفة حقائق الاشیاء علی یقین وصحة (ابن جریر ص۴۸۶ ج ۱) ای یطلبون الیقین (بیضاوی ص۳۶) البتہ ضد و عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ۲۲۶ حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے اور ظرف ارسلنا کے متعلق ہے (کبیر ص۷۱۲ ج ۱) بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا یہ ضمیر خطاب سے حال ہے وَّ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ۝ جو لوگ کفر و انکار کر کے جہنم میں چلے گئے ان کے متعلق آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر کیوں نہیں ہوا، وہ ایمان کیوں نہیں لائے اور جہنم میں کیوں چلے گئے۔ جب اہل کتاب و مشرکین کا کفر و انکار، ضد اور عناد کی حد تک پہنچ گیا۔ تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض شفقت علی الخلق کی بنا پر رنج اور افسوس ہوا۔ کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ اس فکر میں کیوں پڑتے ہیں۔ ہم نے آپ کو قرآن جیسی حق و صداقت اور رشد و ہدایت سے لبریز کتاب دے کر بھیجا ہے اور آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ آپ تبلیغ کا حق ادا کریں اور ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو ڈرا اور سنا دیں۔ باقی رہا منوانا تو یہ آپ کا فرض نہیں اور نہ ہی یہ آپ کے بس کی بات ہے۔ اس لئے جو لوگ کفر و انکار کر کے جہنم میں جاتے ہیں جائیں ان کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عدم ایمان کا آپ کی طرف سے عذر بیان فرما دیا کہ اس بد انجام کا سبب وہ خود ہیں۔ آپ کی تبلیغ کا قصور نہیں۔ بے بسی و بیچارگی کی حد ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار اور متصرف ہوتے تو دنیا میں کوئی کافر نظر نہ آتا بلکہ آپ سب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتے۔ اب آگے یہود و نصاریٰ کی اسلام سے شدت عداوت اور صلابت علی الکفر کا بیان فرمایا ہے۔ ۲۲۷ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور زجر و تنبیہ فرمایا کہ وہ شرک و گمراہی میں اس قدر پختہ ہیں کہ کبھی توحید کو نہیں مانیں گے اس لئے آپ ان کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ کے مسلمان ہو جانے کی انتہائی خواہش تھی اور آپ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس معمولی ملاطفت سے یہ راضی ہونے کے نہیں۔ یہ تو آپ سے صرف اسی صورت میں راضی ہو سکتے ہیں کہ آپ ان کی شریعت کی اتباع کر لیں اور ان کا دین اپنا لیں۔ یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا نائب اور متصرف و مختار سمجھ کر پکارتے ہیں، آپ بھی ان کو پکارنا شروع کر دیں اور ان کی دیگر مشرکانہ اور جاہلانہ رسمیں بجا لائیں تو بس یہ لوگ آپ سے راضی ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ کے دل میں ان کے ایمان لانے کی جو ادنیٰ سی امید تھی اسے بھی ختم کر دیا۔ گویا ان کا ایمان لانا امکان سے باہر ہے کیونکہ اسے ایک امر محال پر معلق کیا گیا ہے۔ نہ حضور علیہ السلام ان کے دین کی پیروی کر سکتے ہیں نہ وہ ایمان لا سکتے ہیں۔ ملت سے مراد شریعت اور دین ہے۔ ۲۲۸ یہود و نصاریٰ کے گذشتہ مقالات و حالات ان کے اس دعویٰ پر مبنی تھے کہ صرف ان کا دین ہی حق ہے اور ہدایت صرف یہودیت اور عیسائیت میں ہے تو اس کا جواب دیا کہ ان کا دعویٰ باطل ہے بلکہ اصل ہدایت تو دین اسلام میں ہے۔ ہدی اللہ سے مراد اسلام ہے هُدَى اللّٰهِ ..... وھو الاسلام الذی انت علیہ ھو الھدٰی (بحر ص۳۶۸ ج ۱) یعنی اے پیغمبر! اللہ کی ہدایت یعنی دین اسلام جس پر آپ ہیں اور جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں۔ اصل ہدایت یہی ہے جو اللہ کو پسند ہے اور جو آخرت میں کام آنے والی ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو متنبہ اور خبردار کیا گیا ہے کہ کہیں یہود و نصاریٰ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنی عاقبت نہ خراب کر لیں۔ ۲۲۹ اَهۡوَآءَ ہوٰی کی جمع ہے جس کے معنی نفس کی خواہش کے ہیں۔ اہواء سے مراد ان کے وہ باطل عقائد ہیں جو انہوں نے محض خواہشات نفسانیہ کے پیچھے لگ کر بنائے ہوئے تھے اور جنہیں وہ ملت اور دین کے نام سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ای آراءھم الزائغة المنحرفة عن الحق الصادرة عنھم بتبعیة شھوات انفسھم (روح ص۳۷۶ ج ۱) جس طرح آج کل کے بعض پیروں اور مولویوں نے نفسانی خواہشات اور شیطانی وساوس کو دین بنایا ہوا ہے اور جو ان کے خانہ ساز دین کو نہ مانے وہ ان کے نزدیک مردود اور راندۂ خدا ہے۔ ولئن اتبعت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر آپ کی وساطت سے یہ خطاب آپ کی امت کو بھی شامل ہے۔ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ علم سے مراد وحی ہے یعنی اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے حق و باطل واضح ہو جانے کے بعد اور یہود و نصاریٰ کے عقائد کا بطلان و فساد آشکارا ہو چکنے کے بعد اگر تم میں سے کسی نے ان کی خواہشات باطلہ کی پیروی کر لی۔ ۲۳۰ یہ لئن کا جواب ہے یعنی اگر تم میں سے کسی نے ان کی پیروی کر لی تو اس کا کوئی حمایتی اور یار و مددگار نہیں ہوگا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی طرف تو ادنیٰ سا جھکاؤ بھی متصور نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ کو مخاطب کر کے یہ تنبیہ کیوں کی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی امت کو دین باطل اور شرک و بدعت کے اتباع کے خوفناک اور دردناک انجام سے شدت و مبالغہ کے ساتھ روکنا مقصود ہے تاکہ ان کے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو جائے کہ شرک و بدعت کا اتباع اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر بفرض محال وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (نعوذ باللہ) سرزد ہو جائے تو اس کی سزا سے انہیں بھی مستثنا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حق میں کسی پیغمبر، فرشتے یا پیر کی سفارش قبول کی جائے گی تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ اس سے امت محمدیہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ فیہ تھدید و وعید شدید للامة عن اتباع طرائق الیھود والنصارٰی بعد ما علموا من القرآن والسنة (ابن کثیر ص۱۶۳ ج ۱) افسوس کا مقام ہے کہ آج توحید و سنت کی جگہ شرک و بدعت کو دین سمجھ کر اس کی اتباع کی جا رہی ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا، بزرگوں کی نذریں منتیں دینا، قبروں پر عرس لگانا، قبروں پر غلاف ڈالنا اور چراغ جلانا وغیرہ آ دین اسلام کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم۔

دعویٰ توحید پر نقلی دلیل

یہاں تک تو اہل کتاب میں سے نہ ماننے والوں کا ذکر تھا اب آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان میں سے ایمان لے آئے جنہوں نے تورات کو کما حقہٗ پڑھا۔ اس میں کسی قسم کی تحریف نہ کی اور پھر اس کی تعلیم کے مطابق عمل بھی کیا۔ اس آیت کا تعلق اصل دعویٰ اُعۡبُدُوۡا رَبَّكُمۡ سے ہے اور یہ اس دعویٰ کی نقلی دلیل ہے۔ ۲۳۱ موصول عہد کے لئے ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لا چکے تھے بمثلاً عبداللہ بن سلام، ابن صوریا اور ابن یامین وغیرہ قال الضحاک ھم من اٰمن من الیھود کابن سلام وابن صوریا وابن یامین (بحر ص۳۶۹ ج ۱) الکتٰب سے مراد تورات و انجیل ہیں علی ارادة الجنس اور تلاوت کے معنی یہاں اتباع اور پیروی کے ہیں جیسا کہ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا میں تلاہا بمعنی اتبعہا و ذھب علی اثرھا کے ہیں۔ ای یتبعونہ حق اتباعہ ... . قال عکرمة اما سمعت

قول للہ تعالیٰ والقمراذا تلاھا (قرطبی ص۹۵ ج۲) یعنی وہ اہل کتاب اپنی کتاب کی اتباع کا حق ادا کرتے ہیں حق اتباع یہ ہے کہ وہ اس کے تمام اوامر ونواہی کی تعمیل کرتے ہیں اور اس میں لفظی یا معنوی تحریف نہیں کرتے اور اگر تلاوت بمعنی قرارت ہو تو مطلب پھر بھی یہی ہوگا کہ وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح وہ نازل ہوئی ہے اور اس میں تحریف نہیں کرتے۔ یقرؤنہ کما انزل اللہ ولا یحرفون الکلم عن مواضعہ ولا یبتاء ولونہ علی غیر الحق (کبیر ص۲ ج۱) ۲۳۲ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ - بِہٖ کی ضمیر کو بعض مفسرین نے الکتاب کی طرف راجع کیا ہے اور اسے راجح قرار دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اور اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا اور تنوع عبارت اور تاکید کے بغیر جملہ ثانیہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو کیونکہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ میں آپ کا ذکر گذر چکا ہے تو اس صورت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہوگا۔ یا ضمیر ھُدَی اللّٰہِ کی طرف راجع ہو۔ (بحر ص۳ ج۱) تو دونوں صورتوں میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو اہل کتاب اپنی کتاب کو کما حقہ پڑھتے ہیں اس کے اوامر ونواہی کی تعمیل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں کرتے وہ تو اس آخری نبی کو مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں یا اس کی لائی ہوئی ہدایت کو مانتے ہیں۔ جب تمہارے یہ علماء تسلیم کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ پیغمبر سچا ہے اور جو دعویٰ توحید اس نے پیش کیا ہے وہ بھی صحیح اور درست ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس پیغمبر کی صداقت اور اس کی پیش کردہ دعوت توحید کی حقانیت خود ان کی اپنی کتاب میں بھی مذکور ہے جبھی تو انہوں نے ان کی تصدیق کی ہے اس طرح یہ آیت دعویٰ توحید کی نقلی دلیل ہوگی۔ ۲۳۳ جن لوگوں نے اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کا انکار کیا وہ سخت خسارے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے ایمان کے عوض کفر خرید کر سودا ہی ایسا کیا ہے جس میں سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات واحسانات کا ایک ایک کر کے ذکر کیا ہے پھر ان کی شرارتوں اور خباثتوں کو واضح فرمایا ہے۔ ان کی سرکشی اور ضد وعناد کی مثالیں بیان کی ہیں سب کچھ یاد دلا کر آخر میں انعامات یاد کرنے اور عذاب وانتقام سے ڈرنے کا حکم دیا ہے اس مکرر ترغیب وترہیب کے بعد اس سلسلہ مضامین کو ختم کر دیا ہے نیز یہ ترغیب وترہیب آئندہ مضامین کیلئے بطور تمہید لائی گئی ہے۔ ۲۳۴ میرے ان تمام انعامات کو یاد کرو جو ابھی ابھی تمہیں یاد دلائے ہیں خصوصاً اس نعمت توحید کو جس کی وجہ سے تمہارے اسلاف کو دنیا میں سب سے اونچا اور ممتاز مقام حاصل ہوا۔ ۲۳۵ میرے پیغمبر پر ایمان لے آؤ اور دعوت توحید مان لو ورنہ قیامت کے دن تیرے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اس آیت کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے

حصہ دوم - رسالت وما یتعلق بہا

یہ حصہ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ سے شروع ہو کر پانچویں رکوع میں وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ پر ختم ہوا ہے۔ پہلے مختصر سی تمہید ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور حقیقت نبوت پر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے مسلمات سے دلائل پیش کئے گئے ہیں پھر رسالت پر چند شبہات کے جوابات اور آخر میں پیغام رسالت یعنی مسئلہ توحید کی مزید عقلی دلائل سے وضاحت کی گئی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں مذہبی لحاظ سے تین گروہ زیادہ مشہور ومعروف تھے (۱) مشرکین عرب، (۲) یہودی، (۳) نصاریٰ ـــــ یہ تینوں گروہ نسلی اور روحانی اعتبار سے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسلک کرتے تھے۔ مشرکین عرب بت پرستی کے باوجود اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبع ہونے کے مدعی تھے اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ شریعت ابراہیمی کے بعض اعمال بھی بجا لاتے تھے۔ گو ان اعمال کی شکل وصورت مسخ کر ڈالی تھی۔ مثلاً حج کرنا، قربانی دینا، ڈاڑھی رکھنا، ختنہ کرانا وغیرہ اور حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام سے محبت وعقیدت غلو کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے بت بنا کر بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی نذریں منتیں دیتے، ان کے نام پر سانڈ چھوڑتے اور انہیں حاجت روا مشکل کشا اور عالم الغیب سمجھ کر غائبانہ پکارتے تھے۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ اور ہر دو فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں اور ان کا مذہب انہیں سے چلا ہے۔ ان کے علاوہ یہود ونصاریٰ حضرت اسحٰق حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور اس سلسلے کے باقی تمام پیغمبروں کو بھی مانتے تھے۔ نصاریٰ ان سب کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قائل اور متبع تھے۔

مخاطبین کے نزدیک ان مسلم شخصیات کی تصدیقات کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دو دلیلیں بیان کی گئی ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس کی آمد اور بعثت کیلئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر خدا کی جناب سے دعا کی تھی کہ "اے اللہ اس شہر مکہ میں ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیرے احکام سنائے، تیرا دین سکھلائے اور ان کے ظاہر وباطن کا تزکیہ کرے" اب وہ رسول آگیا ہے اور بالکل انہیں صفات سے متصف ہے جو دعائے ابراہیمی میں مذکور تھیں۔ لہٰذا اگر تم ابراہیمی ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس پیغمبر کو مان لو جو ان کی دعا کا ثمرہ ہے۔ دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کے سلسلہ کے باقی تمام پیغمبر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب کے سب دین توحید کے پابند تھے، صرف ایک خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ صرف اسے ہی حاجات ومشکلات میں پکارا کرتے تھے۔ مرتے وقت اپنی اولاد کو بھی توحید پر پابند رہنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔ یہ تمام بزرگ شرک وبت پرستی سے سخت بیزار تھے۔ چونکہ نظریہ توحید کے اعتبار سے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے ان تمام بزرگوں سے متفق ہیں اور اسی نظریہ توحید کی دعوت دیتے اور تبلیغ واشاعت کرتے ہیں جو خود تمہارے ان روحانی اور جسمانی آباء واجداد کا تھا۔ لہٰذا جس طرح یہ چیز اس نظریہ کے حق ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ اس توحید کو پیش کرنیوالے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی دلیل ہے۔ رسالت پر مخالفین جو شبہات تھے ان کی تقریر ان کے مواقع پر آئے گی۔

تمہید

تمہید میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور سب کے مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے ہی خانہ کعبہ تعمیر کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے آباد کیا۔ اس تمہید پر اگلے دلائل کی بنا ہے نیز آگے تحویل قبلہ کا حکم آرہا ہے یہ اس کے لئے بھی تمہید ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اس لئے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے پر اعتراض بے جا ہے۔

۲۳۶ اِذْ کا عامل قال ہے جو آگے آرہا ہے۔ والاختیار ان یکون العامل فیہ ملفوظا بہ وھو قال انی جاعلک (بحر ص۳۷۳ ج۱) ابتلا کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے تو اس سے اس کا مقصد بندوں کے احوال کو جاننا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو پہلے بھی جانتا ہے بلکہ اس سے ان کے احوال کا خود ان کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ خود ان بندوں پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے اور دوسروں کو اس سے سبق حاصل ہو سکے۔ وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء لانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم (معالم ص۸۴ ج۱) کلمات کلمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ امور واحکام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ ان کلمات کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد خصائل فطرت ہیں یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کرنا وغیرہ بعض نے اسی قسم کے کچھ اور احکام ذکر کئے ہیں لیکن اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کا ابتلا اور پھر ایسے آسان احکام میں، یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ ان خصائل کو حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ جن کلمات میں ان کا امتحان لیا گیا تھا وہ یہ خصائل ہیں۔ اس لئے

قریبِ قیاس یہ ہے کہ اس سے مراد پیارے بیٹے اور پیاری جان کی قربانی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی قربانی دینے کا اشارہ فرمایا تو اس کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ کی توحید کی خاطر انہیں آگ میں ڈالا گیا مگر اس شدت میں بھی انہوں نے صبر
کیا اور صرف اللہ کو مدد کے لئے پکارا اور غیر اللہ کی مدد کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ العاشر هي ما ابتلاه به في ماله وولده ونفسه فسلم ماله للضيفان وولده للقربان ونفسه للنيران وقلبه للرحمٰن فاتخذه
اللہ خليلا (بحر صفحہ ٣٧٥ ج ١) فَأَتَمَّهُنَّ ط وہ امتحان میں پورے اترے اور تمام باتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق کر دکھایا۔ ٢٣٧ یہاں امام سے مراد صاحبِ شریعت رسول ہے یعنی وہ رسول جو پہلے کسی نبی کا متبع نہ ہو بلکہ اس
کے بعد آنے والے تمام انبیاء اس کا اتباع کریں۔ اس سے مراد شیعوں کا اصطلاحی امام نہیں ہے۔ قال هل التحقيق والمراد بالامام هنا النبي اى صاحب شرع متبع (بحر صفحہ ٣٧٦ ج ١) یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں کامیابی پر
اعزاز و اکرام کے طور پر آپ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کا اصلِ دین اور عقائدِ توحید میں امام و پیشوا بنا دیا۔ قیامت تک جو رسول اور نبی آئیں گے وہ انہی کی نسل سے ہونگے اور انہی کی ملت کے متبع ہوں گے۔ وا ماهنه

مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ
نماز کی جگہ ٢٤٠ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَ
پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور

الرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ
رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے ٢٤١ اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے

اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ
بنا اس کو شہر امن کا ٢٤٢ اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو

مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت

الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ
کے دن پر ٢٤٣ فرمایا اور جو کفر کرے اسکو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں ٢٤٤ پھر

أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾
اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی

وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ
اور اسمٰعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے ٢٤٥ بیشک تو ہی ہے

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
سننے والا جاننے والا اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا
اپنا ٢٤٦ اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ١٢

عليه السلام عامة مؤبدة اذ لم يبعث نبي بعده الا كان من ذريته
مامورا باتباعه ملته (ابو السعود صفحہ ١٤٤ ج ١) قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي
یہ جار علک کے کاف پر معطوف ہے اور عطف تلقین کے قبیل سے ہے
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام لوگوں کی پیشوائی کا اعزاز ملا تو خواہش
ظاہر کی کہ ان کی اولاد سے بھی دین کے پیشوا اور انبیاء پیدا ہوں ٢٣٨
عہد سے مراد وہی عہد امامت ہے جس سے نبوت مراد ہے۔ فالمتبادر من العهد
الامامة وليست هي هنا الا النبوة (روح صفحہ ٣٧٧ ج ١) اور ظالمین
سے مراد نافرمان ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد سے جو نافرمان ہونگے وہ
اس نعمت سے محروم رہیں گے اور فرمانبرداروں میں سے جنہیں اللہ چاہے گا
مرتبۂ نبوت عطا فرمائے گا حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب
یہ ہے کہ لوگ دین میں تیری اقتداء کرینگے۔ اور فائدہ اٹھائیں گے عرض کیا
میری اولاد سے بھی کوئی فائدہ اٹھائے گا فرمایا جنہیں انابت کی اور ضد نہ کی وہ
فائدہ اٹھائیگا۔ الحاصل اے یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاند ہو
کو کوئی فائدہ نہیں اور تم معاند ہو اس لئے ومن ذریتی سے مراد ہے ومن
ينتفع من ذريتي ـــــ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ای بالنفع
لمن عاند۔ مطلب یہ جو ظالم اور مشرک ہوگا اور ضد کریگا وہ نفع نہیں
اٹھائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ظالم نہیں ہوگا وہ پیشوا بنے گا۔
٢٣٩ البيت سے مراد خانہ کعبہ ہے مثابة اسم ظرف ہے اور
تا مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ مقام جہاں لوگ بار بار آئیں۔ امن
مصدر ہے جس سے مراد موضع امن یعنی امن کی جگہ ہے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی ابتلاء میں کامیابی کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے
بیت اللہ کو لوگوں کے لئے مرجع و مامن بنا دیا ہے کہ دور دور سے
لوگ ہزاروں کی تعداد میں خصوصاً حج کے موقع پر وہاں جمع ہوتے ہیں
اور جو لوگ حرم کعبہ کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اللہ کی پناہ
اور اس کے حفظ میں ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان ان حدود میں پرندے
اور جانوروں کا شکار بھی جائز نہیں۔ وہ بھی وہاں محفوظ و مامون ہیں۔
ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اس گھر کو جہاں دور دور
سے لوگ میری عبادت کے لئے آتے ہیں اور خائفین پناہ لیتے ہیں
ہر قسم کی شرک کی گندگی سے پاک رکھنا۔ ٢٤٠ اس میں خطاب مسلمانوں

سے ہے اور مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ وهو قول جمهور المسلمين (روح صفحہ ٣٧٩ ج ١) حج کے موقع پر اس جگہ دو رکعت نفل ادا کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسی
حکم کے تحت ہیں۔ اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک واجب ہیں۔ ٢٤١ لفظ عہد کا صلہ جب الی ہو تو اس کے معنی وصیت کرنے کے ہوتے ہیں اور اس سے مجازاً امر مراد ہوتا ہے۔ العهد اذا تعدى بالى يكون بمعنى
التوصية ويتجوز به عن الامر (روح صفحہ ٣٨٠ ج ١) لہٰذا یہاں عَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ کے معنی ہوں گے۔ امرنا ابراهيم واسمعيل یعنی ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا۔ اَنْ مامور بہ کے بیان
کے لئے ہے اور تطہیر کعبہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے بتوں اور بت پرستی سے پاک رکھیں اور اس میں خالص اللہ کی عبادت کریں اور اس میں شرک نہ ہونے دیں۔ والمعنى انه لا ينصب فيه وثن ولا يعبد
فيه غير الله (بحر صفحہ ٣٨١ ج ١) کیونکہ پہلے جب کبھی خانہ کعبہ آباد تھا اس وقت مشرکین نے اپنے بزرگوں کی مورتیاں بنا کر اس میں رکھی ہوئی تھیں اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ذكروا انه كان عامرا على عهد نوح و
انه كان فيه اصنام على اشكال صالحيهم وانه طال العهد فعبدت من دون الله فامر الله بتطهيره من تلك الاوثان قاله جبير ومجاهد وعطاء ومقاتل (روح صفحہ ٣٨٠ ج ١، بحر صفحہ ٣٨٢ ج ١)

بیتی یعنی میرا گھر اس میں اضافت محض کعبہ کا شرف ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا تو کوئی رہائشی گھر نہیں ہے یا یہ اضافت ایسی ہی ہے جس طرح مملوک یا مخلوق کی اضافت مالک اور خالق کی طرف ہوتی ہے اضاف البیت الی نفسہ اضافۃ تشریف وتکریم وھی اضافۃ مخلوق الی خالق ومملوک الی مالک (قرطبی ص۱۱۲ ج ۲) للطائفین میں لام تعلیلیہ ہے۔ ای لاجلھم فاللام تعلیلیۃ (روح ص۳۸۲ ج ۱) طائفین سے مراد وہ بیرونی لوگ ہیں جو وہاں جائیں اور عاکفین سے وہاں کے باشندے مراد ہیں اور الرکع السجود سے مراد نمازی ہیں مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ باہر سے آنے والوں، وہاں کے باشندوں اور دیگر تمام عبادت گزاروں کی خاطر میرے گھر کو شرک اور بُت پرستی سے پاک رکھو اور وہاں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کا طریقہ جاری کرو تاکہ ہر شخص کو توحید کی دلبستگی پیدا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں مشرک لوگ موقع پا کر بیت اللہ میں پھر بزرگوں کی مورتیاں رکھ کر شرک کرنا شروع کردیں اور بیت اللہ میں آنے جانے والے لوگوں میں شرک کے جراثیم پھیل جائیں۔ اس تمہید کے بعد اب

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ
قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا
الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ
مہربان اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول ٢٤٢ انہی میں کا کہ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھادے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں
ع ١٥ ٨ ١٥ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَن
اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا ٢٤٨ اور کون ہے جو
يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ
پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو ٢٤٩
وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ
اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں
لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ
نیکوں میں ہیں یاد کرو جب اسکو کہا اس کے رب نے کہ حکمبرداری کرو ٢٥٠ تو بولا
أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ
کہ میں حکمبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم
بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ
اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی ٢٥١ کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو
الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمْ
دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان کیا
كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت ٢٥٢ جب کہا

١ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو دعائیں ١٢

٢ حضرت خاتم پیغمبر الزمان کی ترغیب کیونکہ وہ ملت ابراہیمی کا متبع ہے ١٢

اہلِ مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر ہے آپ نے ان کے لئے دو دعائیں کی تھیں ایک مادّی اور دنیوی زندگی کیلئے اور دوسری روحانی اور اخروی زندگی کے لئے۔ ٢٤٢ یہاں بھی اذ کا فاعل محذوف ہے یعنی اذکر ھذا۔ بَلَدًا سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔ اٰمِنًا فاعل نسبت کے لئے ہے جیسا کہ تامر ولابن ای ذا امن۔ یہ پہلی دعاء کا پہلا حصہ ہے اس میں مکہ شہر کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کی دعا ہے کہ اس شہر اور اس کے مضافات کو ڈاکوؤں، چوروں اور غارت گروں سے محفوظ رکھنا تاکہ وہاں کے باشندے امن وچین سے تیری خالص عبادت کرسکیں اور تیری توحید پھیلائیں ٢٤٣ یہ پہلی دعاء کا دوسرا حصہ ہے مکہ اور اس کے مضافات پہاڑوں اور ریگستانوں سے گھرے ہوئے ہیں جہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہیں اس لئے ان کے معاشی اطمینان کے لئے بھی دعا کی کہ انہیں پھلوں سے روزی مہیا کی جائے مَنْ اٰمَنَ، اَھْلَهٗ سے بدل البعض ہے یعنی اہل مکہ میں سے جو مومن ہوں ان کو روزی عطا کرنا پہلے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کا فیصلہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شاید اس روحانی نعمت کی طرح یہ دنیوی نعمت بھی اللہ کے فرمانبرداروں کے ساتھ مخصوص ہوگی اس لئے آپ نے دعا میں مومنین کی تخصیص کردی لیکن اس شبہ کا اگلی آیت میں ازالہ کردیا گیا ہے ایمان کے تمام اجزاء کا ذکر کرنے کی بجائے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت یعنی مبدأ ومعاد پر اس لئے اکتفا کیا ہے کہ ان دونوں پر ایمان لانا باقی پر ایمان لانے کو مستلزم ہے اور باقی تمام اجزائے ایمان اس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ واقتصر فی متعلق الایمان بذکر المبدأ والمعاد لتضمن الایمان بھما بجمیع ما یجب الایمان بہ (روح ص۳۸۳ ج ۱، بحر ص۳۸۳ ج ۱) ٢٤٤ وَمَنْ كَفَرَ کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای ارزق من اٰمن ومن کفر (روح ص۳۸۳ ج ۱) یعنی جو ایمان لائے گا اس کو بھی روزی دوں گا اور جو کفر کریگا اس کو بھی۔ فَاُمَتِّعُهٗ۔ مَنْ كَفَرَ پر معطوف ہے اور قَلِيْلًا۔ زمانًا محذوف کی صفت ہے اور اس سے مراد اس کی پوری زندگی کا زمانہ ہے وہ چونکہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے اس لئے اسے قلیل فرمایا۔ یعنی جو شخص کفر

کریگا اسے بھی دنیا کی چندروزہ زندگی میں دنیوی رزق سے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا۔ فنبہ سبحانہ وتعالیٰ علی ان الرزق رحمۃ دنیویۃ تعم المؤمن والکافر بخلاف الامامۃ والتقدم فی الدین (بیضاوی ص۲۴ ج ۲) ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ لیکن آخرت میں کافر کو جہنم میں دھکیل دیا جائیگا جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اب آگے اپنے لئے دعا مانگتے ہیں ٢٤٥ وَاِذْ يَرْفَعُ، وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ پر معطوف ہے اور اذ کا عامل يَقُوْلَانِ ہے جو رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا سے پہلے محذوف ہے (روح ص۳۸۴ ج ۱) ویجوز ان یکون القول المحذوف ھو العامل فی اذ (بحر ص۳۸۸ ج ۱) قواعد قاعدۃ کی جمع ہے جس کے معنی بنیاد کے ہیں۔ اسمٰعیل کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی جب دونوں باپ بیٹا بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اس وقت دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! محض اپنے فضل ورحمت سے ہمارے اعمال قبول فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ میں انت ضمیر فصل اور خبر کا معرفہ ہونا حصر پر دلالت کرتا ہے اور جملہ کا اسمیہ اور ان سے مؤکد ہونا دونوں بزرگوں کی قوتِ یقین اور پختگی ایمان کو ظاہر کرتا ہے یعنی بیشک یقینًا صرف تو ہی ہماری دعاء کو قبول کرنے والا اور ہماری نیتوں کو جاننے والا ہے۔ ٢٤٦ مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ سے ماخوذ ہے۔ ای مخلصین موحدین لک

روح ص۳۸۵ ج ۱) ای موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر ص۵۳ ج ۱) یعنی ہمیں مزید اخلاص نصیب فرما اور اپنی توحید اور خالص عبادت پر ثبات و دوام عنایت کر کہ ہمیشہ دل وجان اور زبان سے ہر نفع اور نقصان میں تجھے ہی پکاریں اور مالی، بدنی اور زبانی عبادتیں تیری ہی بجالائیں یعنی ہمیں صفتِ اخلاص، اپنی توحید، اور خالص عبادت پر قائم رکھ۔ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ کا عطف اجۡعَلۡنَا کی ضمیر مفعول پر ہے مطلب یہ کہ ہماری اولاد میں بھی ہمیشہ ایک ایسی جماعت برقرار رہے جو توحید کی پابند ہو، صرف تیری ہی عبادت کرے اور صرف تجھے ہی پکارے، توحید کی اشاعت کرے اور شرک سے روکے وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا۔ یہاں ارارت بمعنی تعلیم ہے اور مناسک سے مراد احکام شریعت اور امورِ حج ہیں۔ علمنا وعرفنا..... شرائع دیننا واعلام حجنا (معالم ص۹۲ ج ۱) یعنی ہمیں احکام شریعت اور امورِ حج تعلیم فرما وَتُبۡ عَلَیۡنَا ۚ یہاں توبہ سے مراد وہ عوام کی توبہ نہیں جو گناہوں سے ہوتی ہے بلکہ یہ توبہ خواص الخواص کی ہے جس کا مقصد درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دعا والتجا ہوتا ہے۔ وتوبة خواص الخواص لرفع الدرجات والترقی فی المقامات (روح ص۳۸۵ ج ۱) اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ کیونکہ توبہ قبول کرنے والا اور اپنی رحمت کے سایہ میں لینے والا تو ہی تو ہے۔ اب آگے دوسری یعنی روحانی دعا کا ذکر ہے۔ ٢٤٧ ھُمۡ ضمیر کا مرجع اُمَّةً مُّسۡلِمَةً ہے رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یہاں بھی ہُم کا مرجع اُمَّةً مُّسۡلِمَةً ہے اور اُمَّةً مُّسۡلِمَةً کے ساتھ ذُرِّیَّتِنَا کی قید گذر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں کی اولاد میں جو امتِ مسلمہ ہو ان میں سے ایک رسول برپا کرنا یہ دعا صرف اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ان صفات کا حامل رسول مبعوث ہو لہٰذا حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیاء کے ذریعے یہ دعا پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ ذُرِّیَّتِنَا میں نَا سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اسلئے کہ بنائے کعبہ کے وقت یہی دونوں وہاں موجود تھے۔ مِنۡهُمۡ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ امتِ مسلمہ چونکہ انسان ہیں، خاکی ہیں، بشر اور بنی آدم ہیں لہٰذا ان میں سے جو رسول پیدا ہو گا وہ بھی انسان اور بشر ہی ہو گا نہ کہ کسی اور جنس اور نوع کا ہو گا۔ آگے اس رسول کی چند صفات بیان کی ہیں۔

پہلی صفت:- یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وہ انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کے الفاظ بلا کم وکاست ان تک پہنچائے۔ **دوسری اور تیسری صفت**:- وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ان کو کتاب و حکمت سکھائے۔ کتاب سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے الفاظ انہیں سمجھائے، ادائے الفاظ کی کیفیت بتائے، اس کی آیات کے مطالب و معانی اور حقائق و اسرار سے آگاہ کرے۔ بان یفہمہم الفاظہ ویبین لہم کیفیة اداءہ ویوقفہم علی حقائقہ واسرارہ (روح ص۳۸۶ ج ۱) اور حکمت سے مراد سنت اور احکام شریعت کی تشریح و تبیین ہے۔ وقال قتادة الحکمة السنة وبیان النبی للشرائع (قرطبی ص۱۳۱ ج ۲، بحر ص۳۹۳ ج ۱) یعنی اللہ کی کتاب کے احکام کی خدا کا پیغمبر جو زبانی تشریح و تفسیر کرے گا یا ان احکام کی کیفیتِ تعمیل بتائے گا حکمت سے یہ سب کچھ مراد ہے اور اسے ہی اصطلاحِ شریعت میں سنت کہا جاتا ہے اس کی مزید تشریح رکوع ۱۸ میں آئے گی۔ وَیُزَکِّیۡهِمۡ ؕ یہ پیغمبر کی چوتھی صفت ہے یعنی وہ پیغمبر انہیں کفر و شرک کی نجاستوں، بدعملی کی آلائشوں اور بداخلاقی کی آلودگیوں سے پاک صاف کرے۔ ٢٤٨ یقیناً تو ہی سب پر غالب اور ہر حکمت کو جاننے والا ہے تجھے کسی دعا کے رد و قبول پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور ہر دعا کا رد و قبول بھی تیری حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ظہور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہوا۔ اس دعاء کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے سامنے حضور علیہ السلام کی صداقت پر بطور دلیل پیش کیا کہ یہی وہ پیغمبر ہے جس کے ظہور کے لئے تمہارے روحانی اور جسمانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کی لائی ہوئی دعوتِ توحید کو مانو کیونکہ یہ دعوت بھی وہی ہے جو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے سامنے پیش کی اور مرتے وقت اس پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ ٢٤٩ رغب کا صلہ جب عَنۡ آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنے کے ہوتے ہیں۔ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ کے معنی ہیں جعلہا مہانة ذلیلة (روح ص۳۸۸ ج ۱) یعنی جس نے اپنے آپ کو شرک و بدعت کی وجہ سے ذلیل و خوار کر رکھا ہو۔ اور یا اس کے معنی ہیں خسر نفسہ (بحر ص۳۹۴ ج ۱، معالم ص۹۶ ج ۱) یعنی جس نے اپنے آپ کو شرک کی وجہ سے خسارہ میں ڈال رکھا ہو یا اس کے معنی حمق رأیہ کے ہیں (ایضاً) یعنی جس کی رائے احمقانہ ہو اور وہ بے وقوف ہو مطلب یہ ہے کہ ملتِ ابراہیمی تو سراسر اخلاص و توحید سے لبریز ہے اور اس کے تمام احکام عقل و فطرت کے مطابق ہیں اس لئے ایسی ملت سے صرف وہی اعراض کر سکتا ہے جو شرک میں ڈوبا ہوا ہو یا جس کی عقل میں فتور ہو۔ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا ۚ اسی ملتِ وحدت اور دینِ توحید کی پیروی کی بنا پر تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں سب کی پیشوائی کے لئے منتخب کیا تھا وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ؕ صالح فی الآخرت کے معنی ہیں کامیاب اور بفائز المرام۔ الصالح فی الآخرة ھو الفائز (قرطبی ص۱۳۳ ج ۲) ملتِ ابراہیمی ایک ایسی چیز ہے جس کے اتباع کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کمالاتِ دنیویہ اور مقاصدِ اُخرویہ حاصل ہوئے لہٰذا ایسی ملت سے اعراض کرنے والا شخص یقیناً سر پھرا اور احمق ہے۔ امام قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے ملتِ ابراہیمی کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت اختیار کی۔ (قرطبی ص۱۳۳ ج ۲) اور اپنے بزرگوں کو خدا کا شریک و نائب ٹھہرایا اور انہیں حاجات میں غائبانہ پکارنے لگے۔ نیز ان مشرکوں کا رد ہے جنہوں نے ابراہیمی ہونے کے دعوے کے ساتھ ساتھ اللہ کی توحید سے بغاوت کی اور اس کے ساتھ شرک کیا (ابن کثیر ص۱۸۵ ج ۱) اب آگے ملتِ ابراہیمی کی امتیازی خصوصیت اور اس کے خصوصی وصف یعنی توحید کا بیان ہے ٢٥٠ اِذۡ کا عامل اصۡطَفَیۡنٰهُ ہے اَسۡلِمۡ اسلامٌ مصدر سے ہے جس کے معنی تفویض اور حوالے کرنے کے ہیں جیسے اسلم وجہہ یہاں بھی اس لفظ کا معنی یہی ہے یعنی اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دے اور بالکل اسی کا ہو جا۔ اسی سے امیدیں وابستہ رکھ، اسی سے مانگ، اسی کو پکار اور اسی پر بھروسہ رکھ۔ معناہ اسلم نفسک الی اللہ تعالیٰ وفوض امرک الیہ (خازن ص۹۶ ج ۱) بعض نے اس کے معنی اخلاص کے لئے ہیں یعنی خالص اللہ کی عبادت کر اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر اور اپنی عبادت کو شرک سے بچا کر رکھ۔ اخلص دینک وعبادتک للہ واجعلہا سلیمة (خازن ص۹۶ ج ۱) قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلا تامل اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً مکمل طاعت و انقیاد اور کامل فرمانبرداری کا اقرار کیا کہ میں نے اپنے آپ کو رب العلمین کے سپرد کیا اور اس کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری قبول کی اور ہمیشہ اسکی توحید اور خالص عبادت پر کمربستہ رہنے کا اعتراف کیا۔ ٢٥١ بِهَاۤ کی ضمیر کا مرجع ملت ہے اور یعقوب کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سب کے جدِ اعلیٰ ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ ہیں ان دونوں حضرات نے بوقتِ وفات اپنی اپنی اولاد کو ملتِ توحید پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ نیز انہوں نے اپنی اپنی اولاد کو یہ بھی بتایا کہ اللہ نے تمہارے واسطے دینِ اسلام کو منتخب اور پسند فرمایا ہے۔ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ لہٰذا تم مرتے دم تک اسی دینِ اسلام اور ملتِ توحید پر قائم رہنا اور اللہ کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا۔ لہٰذا اے یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب اپنے اسلافِ کرام اور آباء و اجداد کا حال سن لو کہ وہ توحید کے کس قدر پابند اور شرک سے کس قدر متنفر تھے کہ موت کے وقت بھی توحید کو نہ بھولے اور اپنی اولادوں کو مرتے دم تک توحید پر قائم رہنے کی وصیت کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔ تمہارا ابھی دعویٰ ہے کہ تم ان بزرگوں کو مانتے ہو مگر تم نے اس توحید کو چھوڑ دیا جس کے وہ قائل تھے اور خود انہیں بزرگوں کو خدا کے نائب اور شریک بنا کر پوجنے اور پکارنے لگے لہٰذا اس شرک کو چھوڑ دو اور میرے پیغمبر کے پیش کردہ دعوائے توحید کو مانو کیونکہ یہی توحید تمہارے باپ دادوں کی وراثت ہے۔ ٢٥٢ یہودیوں نے حضور علیہ الصلوٰة والسلام سے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی اولاد کو یہودیت پر رہنے کی وصیت فرمائی تھی اس لئے ہم ان کی وصیت کو چھوڑ کر دینِ اسلام کو کس طرح قبول کریں؟ قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الست تعلم ان یعقوب لما مات اوصی بنیہ بالیہودیة (روح ص۳۹۰ ج ۱، جامع ص۴۲) تو ان یہودیوں کے کذب و افتراء کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی یہاں اَمۡ منقطعہ ہے بمعنی بَلۡ اضرابیہ و استفہام انکاری مطلب یہ کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ حضرت

یعقوب علیہ السلام نے یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی کیونکہ تم اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا اور وہ اپنی اولاد کو وصیت کر رہے تھے ای ما کنتم حاضرین حین احتضارہ الموت علیہ الصلوٰۃ والسلام وسؤالہ بنیہ عن الدین فلم تدعون ما تدعون (روح ص۳۹۱ ج ۱) اور ہو سکتا ہے کہ اَمْ متصلہ ہو اور استفہام تقریری ہو اور مطلب یہ ہو کہ تمہارے اسلاف تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ اپنی اولاد کو اسلام اور توحید پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے اور انہیں بخوبی معلوم تھا اور ان کی وساطت سے تم بھی جانتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی کوئی وصیت نہیں کی تھی پھر کیوں جان بوجھ کر ان پر الزام لگاتے ہو۔ ۹ وذلك ان تجعل لاستفهام للتقرير ای كانت اوائلكم حاضرين حين وصى بنيه عليه الصلوٰة والسلام بالاسلام والتوحيد وانتم عالمون بذلك فما لكم تدعون عليه خلاف ما تعلمون (روح ص۳۹۱ ج ۱)۔ اِذْ حَضَرَ میں اِذْ — شُهَدَآءَ سے متعلق ہے۔ ۲۵۳ اِذْ قَالَ ۔ اِذْ حَضَرَ سے بدل ہے۔ والعامل

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ
اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد ۲۵۳ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی
وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا
اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں وہی ایک معبود
وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ
ہے ۲۵۴ اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں وہ ایک جماعت تھی جو
خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا
گذر چکی ۲۵۵ ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم
تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا
سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی
اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ
یا نصرانی تو تم پا لو گے راہ راست ۲۵۶ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا ۲۵۷ اور
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ
نہ تھا شرک کرنے والوں میں تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر ۲۵۸ اور جو
اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ
اور یعقوب ۲۵۹ اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو ۲۶۰ اور جو
اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ
ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ
اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے

فی اذ الاولی معنی الشهادة واذ الثانية بدل من الاولی۔ (قرطبی ص۱۳۸ ج ۲) یعنی کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ نے بوقت وفات اپنی اولاد سے امتحاناً پوچھ رہے تھے کہ تم میری موت کے بعد کس کی پوجا کرو گے۔ ۲۵۴ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ اِلٰهَكَ سے بدل ہے جو تاکید اور احتمال التعدد کو قطع کرنے کے لئے لایا گیا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے سعادت مند فرزندوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم تو اسی خدائے واحد کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور جو آپ کے آبائے کرام حضرت ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاق علیہم السلام کا معبود ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ اور ہم مرتے دم تک اسی کے مطیع فرمان اور منقاد رہیں گے اور اسی کی خالص عبادت کریں گے اور اس کی عبادت اور پکار میں، اس کی نذر و منت میں کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ یہودیو! اب بتاؤ تم تو کہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انہوں نے مرتے وقت اپنی اولاد سے اسلام اور توحید پر قائم رہنے کا عہد و اقرار لیا تھا۔ ۲۵۵ تِلْكَ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اپنے بزرگوں پر ناز تھا اور وہ اپنی صاحبزادگی کے غرور میں مسرور تھے اور کہتے تھے کہ اچھا اگر ہم بدکار ہیں تو کیا ہوا ہمارے آباء و اجداد تو نیک اور توحید پرست تھے جب وہ جنت میں جائیں گے تو ہم بھی ان کے طفیل بخش دیئے جائیں گے اور ہمیں بھی جنت میں جگہ مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا غرور شکن جواب دیا کہ وہ جماعت تو گذر چکی اور ان کے کمالات بھی ان کے ساتھ ہی گئے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ان کا کیا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا تمہارے آگے۔ لہٰذا دل سے یہ بات نکال ڈالو کہ ان کے نیک اعمال کی بدولت تم بھی جنت میں چلے جاؤ گے۔ محض اس انتساب سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ان جیسے عمال کرو گے تو اس سے یقیناً نفع پاؤ گے۔ بعینہٖ یہی حال آج کل کے بعض گدی نشینوں کا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے سامنے فخر کرتے ہیں اور زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد بہت نیک اور اللہ کے پیارے تھے۔ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اور تم سے ان کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ تم سے تمہارے اپنے اعمال کی پرسش ہوگی۔ توحید و رسالت

۱ ایک شبہ کا جواب کہ ہمارے باپ دادا پیغمبر تھے اس لئے ہم بھی بخشے جائیں گے
۲ شکوہ
۳ جواب شکوہ

یعنی جو منصوبہ دل کے ... یعنی ایمان تو وہی معتبر ہے ... پر ایمان رکھیں ... صرف نسبت ...

کو دلائل سے مدلل اور واضح کرنے کے بعد یہود و نصاریٰ کے بعض غلط نظریات کی تردید کی ہے۔ ۲۵۶ شکوہ ۔ باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کے آباء و اجداد جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے وہ سب کے سب دینِ اسلام اور ملتِ توحید کے پابند تھے لیکن یہ خود بھی شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بھی شرک کی دعوت دیتے ہیں اور خود بھی مشرکانہ عقائد کو عین ہدایت تصور کرتے ہیں چنانچہ یہودی کہتے تھے کہ تم یہودی بن جاؤ اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا نائب اور متصرف سمجھو اور نصاریٰ کہتے تھے کہ تم عیسائی ہو جاؤ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا نائب اور نجات دہندہ سمجھو تو تمہیں راہ ہدایت مل جائے گی۔ ۲۵۷ جواب شکوہ ۔ مِلَّةَ منصوب ہے اور اس کا عامل نتبع محذوف ہے اور خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی آپ انہیں جواب دیں کہ ہم یہودیت اور نصرانیت قبول نہیں کریں گے بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی کی پابندی کریں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ توحید کی پیروی کریں گے جو باطل اور مشرکانہ ادیان سے کنارہ کش اور دور تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ یہ مدعی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تو مشرک و بت پرست ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک سے دور تھے لہٰذا ہم تو انہی کی پیروی کریں گے۔ یہاں جھوٹے مدعیانِ ابراہیمیت کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جنہوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک کو دین بنایا ہوا تھا اور بزرگوں کو خدا کا نائب اور متصرف سمجھ کر انہیں پکارتے تھے۔ والمقصود التعرض باهل الكتاب

والعرب الذین یدعون اتباعه...... فان فی کل طائفة منهم شرکا فالیهود قالوا عزیر ابن الله والنصاری المسیح ابن الله والعرب عبدوا الاصنام وقالوا الملٰئکة بنات الله (روح ۱/۳۹۴)
یہ اہل کتاب کے غلط نظریے کا الزامی جواب تھا یعنی انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو جواب دیا گیا کہ ہم تو ابراہیمی ہوں گے۔ یہودی یا نصرانی نہیں ہوں گے۔ اب آگے اس کا تحقیقی جواب دیا گیا ہے کہ آبائی نسبت یا قبائلی عصبیت پر ایمان کا مدار نہیں بلکہ ایمان تو اللہ کی توحید، اس کے رسولوں کی رسالت اور اس کے دیگر احکام ماننے کا نام ہے۔ **۲۵۸** یہ خطاب مسلمانوں سے ہے کہ تم انہیں جواب دو کہ ہم یہودیت یا نصرانیت کو نہیں جانتے۔ ہم تو خدائے واحد کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور اپنے آخری رسول کی وساطت سے جو کچھ اس نے ہم پر اتارا ہے، ہم اسے بھی مانتے ہیں۔ **۲۵۹** حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں مختلف خاندانوں کو قبائل کہا جاتا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے خاندان اسباط کہلاتے تھے۔ والسبط فی بنی اسرائیل بمنزلة القبیلة فی ولد اسمٰعیل (قرطبی ص۱۴۱ ج ۲) یعنی ہم ان تمام صحائف کو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام پر نازل ہوئے نیز ان صحائف کو جو بنی اسرائیل میں ہونے والے باقی تمام انبیاء کرام پر اترے۔ **۲۶۰** اور ہم تورات وانجیل کو بھی مانتے ہیں۔ تورات وانجیل کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں سرچشمۂ ہدایت اور واجب العمل تھیں۔ اب ان پر عمل واجب نہیں۔ یہود ونصاریٰ کی وجہ سے اسباط کے بعد حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ان کے علاوہ باقی تمام نبیوں پر جو کچھ اترا ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ تمام انبیاء علیہم السلام کو برحق مانتے ہیں اور ان میں کسی نسلی یا قبائلی بنیاد پر تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں جیسے یہود ونصاریٰ نے کیا ہے۔ ای کما فرق اهل الکتاب فاٰمنوا ببعض وکفروا ببعض بل نؤمن بهم جمیعا (روح ص۳۹۴ ج ۱) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔۔۔ لَهٗ کی تقدیم کی وجہ سے اس میں حصر پیدا ہو گیا یعنی ہم ایمان تو ان تمام انبیاء پر لاتے ہیں اور جو کچھ ان پر اترا اسے بھی مانتے ہیں لیکن انقیاد وعبودیت کو صرف اللہ کے ساتھ ہی مخصوص کرتے ہیں اور اپنی تمام ضروریات وحاجات کو اسی کے سپرد کرتے ہیں اور اسی کو مختار ومتصرف سمجھتے ہوئے خالص اس کی عبادت کرتے اور اسے ہی پکارتے ہیں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ **۲۶۱** یہود ونصاریٰ مدعی تھے کہ ہدایت کا مدار یہودیت اور نصرانیت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا اصل معیار بیان فرمایا کہ اصل ہدایت تو انبیاء کرام اور ان کی تعلیمات کی پیروی کا نام ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین اگر ایسا ہی ایمان لے آئیں جیسا کہ تمہارا ایمان ہے یعنی تمام انبیاء پر ایمان تو پھر یقیناً وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ اور اگر وہ تم جیسا ایمان لانے سے پہلو تہی کریں اور اس سے انکار کریں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ بغض وحسد اور ضد وعناد میں گرفتار ہیں طلب ہدایت یا احقاق حق ان کا مقصد نہیں ہے۔ ای فما هم الا فی خلاف وعداوة ولیسوا من طلب الحق فی شیء (مدارک ص۶۱ ج ۱)

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
ہدایت پائی انہوں نے بھی ۲۶۱ اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں
شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾
ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؗ وَّ
ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا ۲۶۲ ف۱ اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے ۲۶۳ اور
نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ
ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں ف۱ کہدے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت ۲۶۴ حالانکہ وہی
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ
ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور
نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ
ہم تو خالص اسی کے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور
اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا
اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے
اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
یا نصرانی ۲۶۵ کہدے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے ۲۶۶ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
کاموں سے ۲۶۷ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ع
اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی ۲۶۸ ف۲

ع ۱۶/۱۲ ۱۶

ربط: جواب ہی مقصود ولـ... یعنی ایمان تو سب انبیاء پر ہے لیکن پکار صرف اللہ کی ۔۔۔
۲ زجر برائے اہل کتاب ۔۔۔ جواب ہی مقصود ۔۔۔ ۳ شکوہ ۱۲
۳ جواب شکوہ ۱۲ ۴ زجر برائے اہل کتاب و جواب شکوہ ۱۲
۵ اعادہ جواب شبہ ۔۔۔ ۱۲

لیس غرضهم طلب الدین والانقیاد للحق وانما غرضهم المنازعة واظهار العداوة (کبیر ص۸۷ ج ۱) فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۔ یہ دشمنانِ توحید کی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ میں حضور علیہ السلام کے لئے تسلی اور مدد کا وعدہ ہے کہ آپ ان کی شدید مخالفت اور کثرتِ عدد کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے ۔ وہ ان کے کفر وانکار اور ضد وعناد ۔۔۔

موضح القرآن ف۱ نصاریٰ کے پاس دستور تھا کہ جس کو اپنے دین میں داخل کرتے ایک زرد رنگ بناتے اور اس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اس پر ڈال بھی دیتے ۔ یہ ان کے مقابل فرمایا

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی دین او ۱۲ ف۲ مترجم گوید چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمدینہ ہجرت فرمود شانزدہ ماہ یا ہفدہ ماہ بطرف بیت المقدس نماز می گذارد و آرزو میکرد کہ خدا تعالیٰ کعبہ را قبلہ وے سازد خدائے تعالیٰ نازل کرد۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ الٰی آخرہ بعد ازاں جواب شبہ سفہا در یں مسئلہ نازل کرد سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ بعد ازاں امر فرمود بصبر بر مشاق جہاد در لسیاری از احکام توحید و قصاص حج وصوم وصدقہ ونکاح و طلاق کہ اہل جاہلیت تحریف کردہ بودند یا رعایت انصاف نمیکردند بیان حقیقت حال فرمود ورد وابطال شبہات مخالفین کرد و سوالہائے ایشاں را جواب داد وایں سیاق ممتد است تا آخر اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا

کو بھی جانتا ہے۔ اور آپؐ کے خلوص اور طہارت باطن سے بھی واقف ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیاری اور عند اللہ مقبول تھا۔ اور وہ ہدایت یافتہ تھے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ہدایت یافتہ ہونا ان جیسا ایمان لانے پر موقوف کیا گیا ہے۔ ۲۶۲ یہ منصوب ہے اور اس کا عامل محذوف ہے۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا کی مناسبت سے یہاں قَبِلْنَا کو حذف ماننا زیادہ موزوں ہے۔ ای قبلنا صِبْغَةَ اللّٰهِ اور صِبْغَةَ اللّٰهِ سے مراد دین توحید اور ملتِ حقہ ہے۔ نصرانی اپنے بچوں اور ان کے مذہب میں داخل ہونے والوں کو ایک خاص قسم کے زرد رنگ میں نہلایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اب یہ پاکیزہ اور پکا نصرانی بن گیا ہے اور گناہوں سے پاک ہو گیا ہے اس فعل کو وہ بپتسمہ کہتے ہیں تو اس کے جواب میں مسلمانوں کو ارشاد ہوا کہ تم کہو کہ ہم نے تو اللہ کے دین اور اس کی توحید کا رنگ قبول کر لیا ہے جس سے ہر قسم کی نجاست دور ہو جاتی ہے۔ ۲۶۳ یہاں استفہام انکار کے لئے ہے یعنی اللہ کے رنگ سے کسی کا رنگ اچھا نہیں اللہ کا رنگ تو اسلام اور توحید کا رنگ ہے۔ جسے قبول کر لینے سے ظاہر و باطن طاہر و طیب ہو جاتا ہے۔ اور اس مصنوعی اور بناوٹی رنگ میں یہ خوبی کہاں؟

الحزب الثاني

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

اب کہیں گے بیوقوف ۲۶۵ لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے

الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ

جس پر وہ تھے ۲۶۶ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب ۲۶۷

يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ١٤٢ وَ كَذٰلِكَ

چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ ف۲ اور اسی طرح

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

کیا ہم نے تم کو امتِ معتدل ۲۶۸ تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا

اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا ۲۶۹ ف۳ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے

الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ

وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا ۲۷۰ مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا

الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ

رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں ۲۷۱ ف۱ اور بے شک یہ بات

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ

بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ١٤٣

کہ ضائع کرے تمہارا ایمان ۲۷۲ بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے ف۱

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف ۲۷۳ سو البتہ پھیر دیں گے ہم تجھ کو جس قبلہ

تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ

کی طرف تو راضی ہے ۲۷۴ اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ

۱۔ رسالت پر پہلا شبہ ۱۲

۲۔ شبہ کا جواب پہلی اجمالی علت کے ساتھ ۱۲

۳۔ جواب شبہ کی تفصیلی علت کے ساتھ اور کافی بیان کمال کے لئے ہے ۱۲

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ہم نے اللہ کے دین اور توحید کے رنگ کو قبول کر لیا ہے۔ اس لئے ہم تو ہر قسم کی عبادت صرف اللہ ہی کے لیے بجا لائیں گے تمام مالی، بدنی اور زبانی عبادتیں اسی کے ساتھ مخصوص کریں گے۔ اسی کی نذریں منتیں دیں گے۔ اسی کے سامنے سجدہ کریں گے۔ اور اسی کو پکاریں گے۔ یہ جملہ قل کا خلاصہ اور مقصود ہے۔ ۲۶۴ یہ خطاب یہود و نصاریٰ سے ہے اور فی اللہ میں مضاف محذوف ہے۔ ای فی دینہ او القرب منہ (قرطبی ج۲)

حضرت شیخ نے فرمایا یعنی تم ہم سے اللہ کے دین اور اس کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہو کہ اللہ کا سچا دین یہودیت اور نصرانیت ہے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسے علیہما السلام کو خدا کے نائب اور مختار اور متصرف مانے بغیر خدا راضی نہیں ہو سکتا۔ نیز ہم چونکہ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اس لئے ہم خدا سے زیادہ قریب ہیں۔ قالوا نحن اولی باللہ منکم لانا ابناء اللہ واحباؤہ (قرطبی ص۱۴۳ ج۲) وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ۔ لیکن یہ تمہارا جھگڑا بالکل لغو ہے۔ اس لئے کہ جس طرح وہ تمہارا رب ہے اسی طرح وہ ہمارا رب ہے۔ ہمارا تمہارا پروردگار اور آقا وہی ہے اس کے سوا کوئی آقا اور داتا نہیں اور اس کی ربوبیت کسی قوم اور قبیلے کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہے۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ خدا کا قرب تو انسان کو اس کے اعمال کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس کے اعمال شرک اور ریاء سے پاک ہوں گے تو مقبول ہوں گے۔ اور اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کے اعمال شرک کی نجاست سے آلودہ ہوں گے تو وہ راندۂ درگاہ ہوگا اور سیدھا جہنم میں جا گرے گا وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اس لیے ہم تو اپنے اعمال کو محض خدا کی رضامندی کے لیے بجا لاتے ہیں۔ اور ان کو شرک اور ریاکاری سے پاک رکھتے ہیں۔ قال سعید بن جبیر الاخلاص ان لا تشرک فی دینہ ولا ترائی احدا فی عملہ (روح ص۳۹۹ جلد ۱)۔ یہ جملہ بھی مقصودی ہے۔ یہاں تین مقصودی جملے یکے بعد دیگرے آئے ہیں۔ یعنی نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ اور نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ مقصد یہ ہے کہ اے ایمان والو اس بات کا اعلان کر دو کہ ایمان تو ہم تمام پیغمبروں پر لائے ہیں اور سب کی نبوت کا اقرار کیا ہے۔ لیکن جھکیں گے صرف اللہ کے آگے اور عبادت بھی صرف اسی ہی کی کریں گے اور پکاریں گے بھی خالصاً صرف اسی ہی کو ان کاموں

موضح قرآن ف۱ حضرت جب مکے سے مدینے آئے ایک سوا برس نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف پھر حکم آیا کہ پڑھو کعبے کی طرف تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکائے سے شبہے لگے ڈالنے کہ وہ قبلہ تھا سب نبیوں کا اس کا چھوڑنا نشان نبی کا نہیں اللہ تعالے نے آگے ہی فرمایا کہ لوگ کہیں گے ف۲ یعنی جس طرح ان دونوں باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس ہے پوری بات اور مخالفوں کے پاس ناقص ایک یہ کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہو اور یہود اور نصاریٰ کسی کو نہیں دوسرا یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے۔ ابراہیم پیشوا ہے سب کا اور یہود اور نصاریٰ کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا اسی طرح ہر بات میں تم پورے ہو اور وہ ناقص ان کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی بتاوے ف۳ یعنی تمہارا قبلہ ابراہیم کے وقت سے کعبہ مقرر ہے اور چندے وہ بیت المقدس ٹھہرایا۔ ایمان آزمانے کو اور اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کو بڑا درجہ ہے۔

فتح الرحمان ف۱ یعنی آنچہ در سابق علم الٰہی مقرر شد آنست کہ قبلہ امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ باشد و توجہ بہ بیت المقدس یک چند بنا بر حکمت امتحان است ۱۲

میں کسی پیغمبر کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔ ۲۶۵ جب یہود و نصاریٰ کو ہر طرح کے دلائل سے لاجواب کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر توحید معیارِ صداقت ہے تو ہم موحد ہیں۔ اور اگر اتباع معیارِ حق ہے تو ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے اور ان کے پیغام توحید کو مانتے ہیں۔ مگر جب ان سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے یہ غلط پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ کہ پہلے تمام انبیاء علیہم السلام تو ان کے مذہب پر تھے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ سب یہودی تھے اور نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہ سب نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے بطور زجر فرمایا کہ کیا اب تم یہ کہتے ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام تمہارے مذہب پر تھے اور تمہاری طرح عیاذاً باللہ مشرک تھے۔ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ

جواب شکوہ کیا ان انبیاء کے دین اور مذہب کو تم خدا سے زیادہ جانتے ہو، ظاہر ہے کہ اللہ کا علم تم سے زیادہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام کا دین دینِ اسلام تھا اور وہ سب کے سب توحید پر قائم تھے۔ اور مشرک نہیں تھے ۲۶۶ یہ اہل کتاب کے لیے زجر ہے اور شکوہ کا جواب بھی ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے اور شہادت سے اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت مراد ہے جو تورات اور انجیل میں موجود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام توحید پر تھے اور مذاہب باطلہ سے کوسوں دور تھے۔ شہادۃ التوراۃ والانجیل علی الانبیاء کانوا علی التوحید والحنیفیۃ (کبیر ص ۵۵ ج ۱)

یعنی سب سے بڑا ظالم وہ ہے جس نے اللہ کی اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس موجود ہے۔ جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے کیا۔ ان کے پاس تورات و انجیل میں انبیائے کرام کے توحید پرست ہونے کی شہادت موجود تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے ان کو یہودی اور نصرانی ظاہر کیا ۲۶۷ یہ ان کے لیے وعید شدید ہے کہ اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں، انبیائے کرام پر تمہارے غلط افترا اور خدا کی شہادت کا کتمان اور تمہارے دوسرے اعمال سب اس کی نظر میں ہیں وہ تمہیں اس کی پوری پوری سزا دے گا۔ ۲۶۸ یہود و نصاریٰ کے دلوں میں اپنے آباؤ اجداد پر فخر و غرور مضبوطی سے بیٹھ چکا تھا۔ اور وہ اپنی نجات کے لیے بس اپنے اسلاف ہی کے اعمال کو کافی سمجھتے تھے اس لیے ان کے اس بے فائدہ فخر کو توڑنے کے لیے اور انھیں اس غلط خیال کے بدانجام سے ڈرانے کے لیے اس آیت کا اعادہ کیا گیا تکریر لما تقدم للمبالغۃ فی التحذیر عما استحکم فی الطباع من الافتخار بالاٰباء والاتکال علیہم (روح ص ۴۰۰ ج ۱)

یہاں تک تو توحید و رسالت کے نقلی دلائل کا بیان تھا اب آگے رسالت کے متعلق یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

پہلا شبہ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ سولہ یا سترہ ماہ بعد آپ کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل گیا۔ تحویل قبلہ کا حکم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی آپ کو بتا دیا کہ مستقبل قریب میں جب آپ کو تحویل قبلہ کا حکم ملے گا اس وقت احمق اور بیوقوف لوگ اس بات پر اعتراض کریں گے کوئی کہے گا کہ اس نے بیت المقدس کو جو تمام انبیاء کا قبلہ تھا چھوڑ دیا ہے اس لیے یہ پیغمبر نہیں، کوئی کہے گا کہ بیت المقدس سے بیت اللہ کا رخ کیا ہے شاید وطن کی یاد نے ستایا ہے اور دیکھو عنقریب مدینہ چھوڑ کر مکہ واپس آنے والا ہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ یا اعتراض کا جواب دیا ہے ۲۶۹ یقول کو بعض مفسرین نے ماضی کے معنوں میں لیا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئی لیکن جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سَيَقُوْلُ مستقبل کے لیے ہے اور یہ آیت تحویل قبلہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے بے وقوفوں کے اعتراض کی پہلے ہی سے آپ کو اطلاع دے دی تھی۔ سیقول ظاہر فی الاستقبال وانہ اخبار من اللہ تعالیٰ نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ بصدر منہم ھذا القول فی المستقبل وذلک قبل ان یؤمروا باستقبال الکعبۃ (بحر ص ۴۱۹ ج ۱) السفہاء سے بعض نے یہود مراد لیے ہیں۔ اور بعض نے مشرکین مکہ اور بعض نے منافقین ــــ لیکن لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے سب کو شامل ہے اس لیے اسے عموم پر محمول کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ سب دشمن تھے تحویل قبلہ کی آڑ میں موقع پاکر سب نے اعتراضات کیے تھے۔ والاولیٰ ان یکون الکل قد قال ذلک لان الاعداء مجبولون علی القدح والطعن فاذا وجدوا مجالا لم یترکوا مقالا (کبیر ص ۸ ج ۲) ۲۷۰ یہ سُفَهَاءُ کا مقولہ ہے اور مَا استفہامیہ اور استفہام طنز اور استہزا کے لیے ہے۔ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ استہزاء وانکار للمسلمین (قرطبی ص ۱۴۸ ج ۲) قبلتھم سے مراد بیت المقدس ہے جو پہلے مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ یعنی کم عقل اور احمق لوگ اعتراض کریں گے۔ اور بطور طنز کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اپنے پہلے قبلہ سے کس چیز نے ہٹا دیا ہے؟ یعنی ایک طرف تو یہ شخص پہلے انبیاء کے اتباع کا دعویٰ کرتا ہے۔ دوسری طرف انبیاء کا قبلہ چھوڑ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حیران و سرگرداں ہے اور اس پر حق مشتبہ ہو گیا ہے ان کے اس اعتراض کے اللہ تعالیٰ نے چار جواب دیئے ہیں۔ دو اجمالی اور دو تفصیلی ــــ اس اعتراض کے جوابات کا سلسلہ انیسویں رکوع میں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ تک چلا گیا ہے۔ ۲۷۱ پہلا اجمالی جواب یعنی تمام سمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اور کسی سمت میں کوئی تقدس نہیں رکھا ہوا۔ وہ جس طرف چاہے منہ کرنے کا حکم دے دے۔ اور ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو ادھر منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا ہے تو اس حکم کی تعمیل کریں گے کیونکہ اس کے احکام کی تعمیل ہی اصل ہدایت ہے۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور اس کا ہر حکم سیدھی راہ ہے۔ ۲۷۲ مفسرین نے کَذٰلِكَ کو تشبیہ کیلئے قرار دیا ہے لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ کَذٰلِكَ یہاں تشبیہ متعارف کے لیے نہیں ہے لہذا مشبہ اور مشبہ بہ مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہاں کمال کے لیے ہے۔ وسط کے معنی خیار اور بہتر کے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اس طرح ہم نے تم کو بہترین اور خیر امت بنا دیا ہے یعنی یہ ہمارا کمال ہے اسی طرح اور بھی کئی جگہوں میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ بیان کمال کیلئے ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (رعد ع ۵) یعنی قرآن کو ایسا حکم عربی بنانا ہمارا کمال ہے چونکہ دنیا کی رہنمائی اور پیشوائی تمہارے سپرد ہونے والی ہے اس لیے کعبہ کو جو جغرافیائی اعتبار سے ساری دنیا کے سینٹر میں واقع ہے تمہارا مرکز بنا دیا ہے۔ ۲۷۳ یہ مرکزیت تمہیں اس لئے عطا کی ہے تاکہ میرا پیغمبر تم کو میری توحید بتائے۔ اور میرے احکام سے تم کو آگاہ کرے اور تم دوسرے لوگوں کو توحید بتاؤ اور ان تک میرے احکام پہنچاؤ۔ اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اور شہداء شہید کی جمع ہے۔ جو شہادۃ سے ماخوذ ہے۔ جن کے معنی ہیں بیان کرنا اس لئے شہید اور اسی طرح شاہد کے معنی ہوں گے اللہ کی توحید بیان کرنے والا اور راہ حق بتانے والا۔ جیسا کہ علامہ ابن صفی حنفی نے لکھا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا اللّٰہِ بالوحدانیۃ (جامع ص ۳۶۲) یعنی آپ کو ہم نے توحید بیان کرنے والا بنا کر بھیجا اسی طرح سورہ مائدہ میں وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ کے تحت علامہ موصوف لکھتے ہیں رقباء لئلا یبدل (جامع ص ۱۰۰) یعنی علماء یہود تورات کے محافظ تھے کہ اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے سورہ مزمل میں شَاهِدًا کا ترجمہ بتانے والا کیا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا۔ شاہ عبد القادر) لیکن شرک پسند اور بدعت نواز مولوی کہتے ہیں کہ یہاں شہید کے معنی گواہ کے ہیں اور گواہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو امت پر گواہ فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور اس کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتے ہیں ورنہ گواہ نہیں بن سکتے تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہیں۔

پہلا جواب لفظ شہید یہاں بمعنی گواہ نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے جامع البیان اور ترجمہ موضح قرآن کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں شہید کے معنی بیان کرنے والے اور بتانے والے کے ہیں۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی یہی معنی موزوں ہیں کیوں کہ اسی آیت میں صحابہ کرام کے لئے بھی لفظ شہداء استعمال کیا گیا ہے اور یہ لفظ بعینہٖ وہی مفہوم ادا کر رہا ہے۔ جو سورہ آل عمران رکوع ۳ میں ایک پوری آیت میں بیان کیا گیا ہے یعنی كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

دوسرا جواب اگر مان لیا جائے کہ اس آیت میں شہید بمعنی گواہ ہی ہے لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ گواہ صرف وہی شخص بن سکتا ہے جو موقع پر موجود ہوا ور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے کیونکہ فقہائے حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گواہی کے لئے واقعہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَآ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ الآیۃ یہاں اس شخص کو شاہد (گواہ) فرمایا جس نے زلیخا کی دست اندازی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ محض علامات کی بنا پر گواہی دی تو معلوم ہوا کہ گواہی کے لیے مشاہدہ ضروری نہیں اسی طرح اگر ایک شخص موقعہ پر موجود نہ ہو۔ لیکن واقعہ کی خبر اس تک کسی ایسے معتبر اور باوثوق ذریعہ سے پہنچ جائے جس سے اس کو واقعہ کی صداقت کا یقین ہو جائے تو اس کیلئے گواہی دینا جائز ہے۔ چنانچہ ہدایہ ج ۳ صفحہ ۱۵۱ پر ہے انما یجوز للشاهد ان یشهد بالاشتهار وذلک بالتواتر او اخبار من یثق بہ

تیسرا جواب شہید کے معنی یہاں نگہبان اور رقیب کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ خدا کا رسول تم پر (یعنی صحابہ کرام پر) نگہبان ہو تاکہ تم دین اسلام سے نہ ہٹنے پاؤ اور دین میں تحریف نہ ہونے پائے۔ اور تم ان لوگوں پر نگہبان ہو جو تم سے دین سیکھیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں دیکھوں گا۔ کہ میری امت کے کچھ لوگ لائے جا رہے ہوں گے لیکن قبل اس کے کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پر پہنچیں انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں۔ تو مجھے جواب ملے گا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے آپ کو معلوم نہیں تو:۔

فاقول کما قال العبد الصالح وکنتُ علیهم شهیدا ما دمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم (صحیح بخاری ص۶۶۵ ج ۲) میں اس کے جواب میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کا نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام کہے گا۔ کہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان پر نگران رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے خود بیان فرما دیا کہ جب تک میں ان میں موجود رہا ان کے حالات سے آگاہ رہا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا گواہ ہونا صحابہ کے لیے ہے اور رہا متی پر آپ گواہ نہیں ہیں اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

چوتھا جواب یا گواہ سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آپ کی امت پہلی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے ہیں اور آپ اپنی امت پر تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ حضرت قتادۃؓ فرماتے ہیں۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ لتکون هذه الامة شهداء علی الناس ان الرسل قد بلغتهم ویکون الرسول علی هذه الامة شهیدا ان قد بلغ ما ارسل بہ (ابن جریر ص ۸ ج ۲) جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یجاء بنوح علیه السلام یوم القیٰمۃ فیقال لہ هل بلغت فیقول بلغت یعنی نعم یا رب فیسئل امتہ هل بلغکم فیقولون ما جاءنا من نذیر فیقال من شهودک فیقول محمد وامتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیجاء بکم فتشهدون (صحیح البخاری ص۱۰۸۳ ج ۲) یعنی قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا کیا تو نے میرے احکام اپنی امت تک پہنچائے تو وہ جواب دیں گے کہ اے میرے رب میں نے پہنچا دیئے۔ پھر اللہ تعالےٰ ان کی امت سے سوال فرمائے گا کیا اس نے تم کو میرے احکام پہنچائے تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا۔ تیرے گواہ کون ہیں تو وہ جواب دیں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا چنانچہ پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ قوم نوح امت محمدیہ پر اعتراض کرے گی کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو تم اس وقت موجود ہی نہیں تھے۔ تو امت محمدیہ جواب دے گی ان اللہ تعالیٰ بعث الینا رسولا وانزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل الینا خبرکم یعنی اللہ تعالےٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تمہارا ذکر بھی فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کما حقہ پہنچائے تھے۔

پانچواں جواب اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تمام دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ کے خلاف یہاں لفظ شہید کے معنی حاضر و ناظر ہی کے ہیں اور اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو رہا ہے تو پھر صرف حضور علیہ السلام ہی کو نہیں بلکہ ساری امت محمدیہ کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا کیونکہ اسی آیت میں امت محمدیہ کے لیے بھی لفظ شہداء استعمال کیا گیا ہے جو شہید کی جمع ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو امت کا رتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جائے گا۔ کیونکہ آپ تو صرف اپنی امت کے گواہ ہیں اور یہ امت پہلی تمام امتوں پر گواہ ہے جیسا کہ لتکونوا شهداء علی الناس سے ظاہر ہے۔

چھٹا جواب اگر شہید کے وہی معنی تسلیم کر لیے جائیں جو مبتدعین کہتے ہیں تو اس آیت اور قرآن مجید کی دوسری آیتوں کے درمیان ایسا اختلاف اور تضاد رونما ہو گا جس کا اٹھانا ممکن نہیں ہو گا۔ مثلاً سورۂ بقرہ جس میں یہ آیت ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کے بعد تقریباً ۱۶، ۱۷ سورتیں اور نازل ہوئیں اور ان کے بعد سورۂ منافقون نازل ہوئی جس کا شان نزول صحیح روایتوں کے مطابق یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے موقع پا کر اپنے ساتھی منافقین سے کہا کہ اس پیغمبر اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف ہے جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو (العیاذ باللہ) ان کمینوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ عبداللہ کی یہ باتیں ایک کم سن صحابی حضرت زید بن ارقمؓ نے سن لیں اور اپنے چچا سے کہہ دیں۔ انہوں نے سارا ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ تو آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسمیں کھا کر حضور علیہ السلام کو یہ باور کرا دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ نے زید بن ارقم کو جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کو سچا مان لیا تو اس پر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے آپ پر حقیقت حال منکشف ہوئی۔

اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو یقیناً آپ کو عبداللہ بن ابی کی باتیں معلوم ہو جاتیں اور آپ زید بن ارقم کی تصدیق فرماتے اور عبداللہ کی قسموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو جھٹلا دیتے۔ اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کے معنی یہاں حاضر و ناظر کے نہیں ہیں جیسا کہ فریق مخالف کا زعم ہے۔

ایک شبہ بعض مبتدعین یہاں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے" یعنی وباشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الخ (تفسیر عزیزی ص۶۳۶) یعنی اور ہو رسولؐ تمہارا تم پر گواہ کیونکہ آپ نور نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ پر پہنچا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جواب یہ عبارت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے بلکہ مدرج ہے بعد میں کسی نے بڑھائی ہے کیونکہ اس کے بعد آگے چل کر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "شہادت دریجا یعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادہ حق بیرون نروند چنانچہ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔ و در مقولہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (تفسیر عزیزی صـ۶۲۱) یعنی اس آیت میں شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں تاکہ وہ راہ حق سے باہر نہ جاسکیں جیسا کہ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران اور نگہبان کے ہیں یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ پہلی عبارت حضرت شاہ صاحب کی نہیں ہے کیونکہ دوسری عبارت میں انھوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

دوسرا جواب یہ دوسرا جواب ہے اور پہلے جواب کی تفصیل ہے یعنی تحویل قبلہ کا حکم ہم نے اس لیے دیا ہے تاکہ کھرے کھوٹے اور مخلص و منافق میں امتیاز ہوجائے۔ مکہ معظمہ میں تو آپ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے ہجرت کے بعد بیت المقدس قبلہ مقرر کیا گیا۔ اور پھر سولہ سترہ ماہ کے بعد دوبارہ کعبہ ہی کو قبلہ مقرر کیا گیا اس طرح نسخ قبلہ دو دفعہ واقع ہوئی ہے۔ یہاں جَعَلَ بمعنی صیّر ہے لہٰذا اس کے دو مفعول ہونے چاہئیں چنانچہ اس کا مفعول اوّل محذوف ہے یعنی الکعبۃ اور القبلۃ مفعول ثانی ہے۔ اور التی کنت علیہا، الکعبۃ کی صفت ہے والمعنی وما جعلنا الکعبۃ التی کانت قبلۃ لک اولاً ثم صرفت عنہا الی بیت المقدس قبلتک الآن اِلَّا لِنَعْلَمَ (بحر صـ۴۲۳ ج ۱)۔ یعنی کعبہ کو جو پہلے آپ کا قبلہ تھا۔ اور جس کے بعد بیت المقدس کو آپ کا قبلہ بنایا گیا اب دوبارہ آپ کا قبلہ صرف اس لیے مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہوجائے **لِنَعْلَمَ** استقبال کے لئے ہے۔ لہٰذا اس سے شبہ پڑتا ہے۔ کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ کون مانے گا اور کون نہیں مانے گا۔ حالانکہ یہ چیز اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ابد تک تمام کلیات و جزئیات کا علم رکھتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد خارج میں تمیز اور اظہار ہے۔ اراید بہ التمییز فی الخارج (روح صـ۲ ج ۲) فوضع العلم موضع التمییز لان بہ یقع التمییز (مدارک صـ۶۳ ج ۱) یعنی ہم نے تحویل قبلہ اس لیے کی ہے تاکہ ہمارے پیغمبر کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوجائے جو لوگ تحویل قبلہ کے حکم کو بخوشی مان لیں گے وہ فرماں بردار ہوں گے اور جو نہ مانیں گے بلکہ اس کی پھبتی اڑائیں گے وہ نافرمان ہوں گے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر کئی مسلمان مرتد ہوگئے۔ مگر یہ وہی مسلمان تھے جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے یعنی منافقین یہ لوگ پہلے تو پوشیدہ طور پر مخالفت کرتے تھے مگر تحویل قبلہ کے موقع پر علانیہ اس کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ تاکہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہوجائیں تحویل قبلہ بھی مخلص و منافق اور طیّب و خبیث کے درمیان امتیاز کرنے کا ایک ذریعہ ہے وَاِنْ کَانَتْ لَکَبِیْرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ۔ ہدایت سے مراد ایمان ہے اے خلق الہدی الذی ھو الایمان فی قلوبھم (قرطبی صـ۱۵۸ ج ۲) یعنی تحویل قبلہ ایک بھاری آزمائش تھی مگر جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کر دیا تھا ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا آسان تھا۔ کیونکہ وہ نہ مصلحتوں کو دیکھتے ہیں نہ حکمتوں کو۔ ان کی زندگی کا ماحصل تو بس ایمان و تسلیم ہے جہاں حکم ہوا وہیں سر جھکا دیا **وَمَا کَانَ اللّٰہُ** ایمان سے مراد نماز ہے، جیسا کہ صحیح روایتوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تحویل قبلہ کے بعد بعض مسلمانوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے فوت ہوگئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نماز کو ضائع نہیں کرے گا۔ بیت المقدس کی طرف تمہاری پڑھی ہوئی نمازیں سب درست ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے حکم کے مطابق پڑھی گئی تھیں۔ اس طرح یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ممکن ہے ایمان اپنے ہی مفہوم یعنی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان۔ پر باقی ہو۔ تو اس صورت میں اس آیت میں مسلمانوں کے اس شبہ کا ازالہ ہوگا۔ کہ جب اصل قبلہ کعبہ تھا تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے اور اسے اپنا قبلہ سمجھنے سے ہمارے ایمان میں تو کوئی خلل واقع نہیں ہوا اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۵۔ اللہ تعالیٰ ایسا شفیق و مہربان ہے کہ اس کے تمام احکام شفقت و رحمت پر مبنی ہیں چنانچہ تحویل قبلہ کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور وہ کسی کا اخلاص و ایمان کے ساتھ کیا ہوا عمل کبھی ضائع نہیں کرتا **قَدْ نَرٰی** آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا جائے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ نیز اہل عرب کے لیے اس میں زیادہ کشش تھی۔ اور انھیں اسلام سے قریب لانے کا ایک عمدہ ذریعہ تھا۔ اہل کتاب میں سے جنھوں نے ایمان لانا تھا وہ لا چکے تھے اور جو باقی تھے ان کے ایمان سے آپ مایوس تھے جیسا کہ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ الآیۃ اور وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی الآیۃ سے واضح ہے اور آپ کو یہ توقع بھی تھی کہ تحویل قبلہ ہوجائے گی۔ کیوں کہ اب دین کی امامت و سیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوچکی تھی۔ اس لیے اب ضروری تھا کہ قبلہ بھی مقرر ہو۔ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا تھا اس لئے آپ وحی کی آمد کی توقع پر بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آپ کی بے چینی اور انتظار کو دیکھ رہے ہیں مگر بعض حکمتوں کے تحت اب تک آپ کو تحویل قبلہ کا حکم نہیں دیا۔ آیت کا مذکورہ بالا مطلب اس روایت کی بنا پر ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وحی کی آمد کے منتظر رہتے تھے اور بوجہ اشتیاق بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے لیکن حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ لفظ تقلب باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے صراح میں ہے تقلب الشیٔ ظہر البطن کالحیۃ تتقلب فی الرمضاء یعنی سخت گرمی میں سانپ کے تکلیف کے ساتھ چلنے پر تقلب کا لفظ بولتے ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دیکھ رہے ہیں تکلیف اور ناگواری کے ساتھ آپ کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کو کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے کیونکہ آپ کی خواہش یہ تھی۔ ابھی تحویل قبلہ نہ ہو اور بیت المقدس ہی قبلہ رہے تاکہ اس معاملہ میں یہودیوں سے موافقت رہے۔ اور شاید وہ اسی وجہ سے ایمان قبول کرلیں آیت کا یہ مفہوم حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے یہ مفہوم چونکہ لغت اور عرف کے بھی مطابق ہے اور اس سے اسلام کے کسی منصوص اور قطعی حکم کی مخالفت بھی نہیں ہوئی اس لئے آیت کی یہ تفسیر و تاویل، تفسیر بالرائی کے دائرہ میں داخل نہیں بلکہ یہ اس تاویل کے زمرہ میں داخل ہے جس کی شرعاً اجازت ہے چنانچہ علماء تفسیر نے لکھا ہے التاویل صرف الآیۃ الی معنی موافق لما قبلہا وبعدہا تحتملہ الآیۃ غیر مخالف الکتاب والسنۃ من طریق الاستنباط (الاتقان فی علوم القرآن صـ۱۷۳ و تفسیر خازن صـ۸ ج ۱) یعنی تاویل یہ ہے کہ آیت کو ایک ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو سیاق و سباق کے مطابق ہو اور آیت میں (لغتہً و عرفاً) اس کی گنجائش بھی ہو اور وہ کتاب و سنت سے مستنبط احکام کے خلاف بھی نہ ہو۔ اور پھر اس تفسیر کی تائید میں دو قرینے بھی موجود ہیں۔ پہلا قرینہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر زجر فرمایا کہ یہ لوگ اس قدر حاسد اور ضدی ہیں کہ کبھی آپ کا اتباع نہیں کریں گے اس لئے آپ ایسے لوگوں کا اس قدر کیوں خیال فرماتے ہیں دوسرا قرینہ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ۔ یہ بھی اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو دین کی طرف مائل کرنے اور ان کے قلوب کی تالیف کے لئے ان سے کسی قدر ظاہری

موافقت (مثلاً اتحادِ قبلہ) قائم رکھنے کے متمنی تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ باقی رہی وہ روایت جس کی بنا پر پہلا مطلب بیان کیا گیا ہے تو اس کے بارے میں گذارش ہے کہ اکثر حدیثیں روایۃ بالمعنی کے طریق پر روایت کی گئی ہیں یہ حقیقت تمام محدثین کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ اور زیربحث روایت بھی اسی طریق پر نقل کی گئی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۷ میں ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تطلع الشمس من مغربہا فاذا طلعت وراٰھا الناس اٰمنوا اجمعون وذٰلک حین لا ینفع نفسًا ایمانہا ثم قرأ الاٰیۃ۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک سورج مغرب کی جانب سے طلوع نہیں ہوگا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور جب لوگ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کا ایمان ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا الخ

مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف اور جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ

ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے ۲۷۹ف

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ

اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں ف اور اگر تو لائے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو ۲۸۰ف

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ

بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ

تو بے شک تو بھی ہوا بے انصافوں میں ۲۸۱ف جن کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ

ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اسکو۔ جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ۲۸۲ف اور

اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

بیشک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر ۲۸۳ف

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَلِكُلٍّ

حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا اور ہر کسی کے واسطے

وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا

ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف ۲۸۴ف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوگے

وقف لازم — وقف منزل ۱۷ ع — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ف۱ مراد تحویل قبلہ ہے ۱۲ ف۲ آپ کو پسند تو یہی تھا کہ کعبہ ہی آپ کا قبلہ ہو لیکن آپ چاہتے تھے کہ کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس قبلہ رہے شاید اس طرح یہود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں ۱۲ ف۳ یعنی زجر اور لب ... ف۴ یعنی تحویل قبلہ پر لیل سیاق ۱۲ ف۵ یعنی یہ امر کہ تحویل القبلہ ۱۲ ف۶ تحویل قبلہ بار بار ... بھی معلوم ہو گئی ہے کہ آپ چاہتے تھے کہ کچھ عرصہ تک بیت المقدس ہی قبلہ رہے ... من الممترین

اس حدیث میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ جب قیامت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور اور مضطر ہو جائیں گے اس وقت کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا۔ اس پر بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے لیکن بعض راویوں نے اس حدیث سے اپنے فہم کے مطابق یہی سمجھا اور روایت بالمعنی کے ذریعہ بیان کر دیا کہ بعض آیات ربک سے طلوع شمس از جانب مغرب مراد ہے۔ حالانکہ یہ حضور علیہ السلام کے منشا کے خلاف ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بے سینگ کے جانور کو سینگ والے جانور سے بدلا دلایا جائے گا۔ اس کو بعض لوگوں نے حقیقت پر محمول کر لیا حالانکہ جلجاء اور ذی القرن کمزور اور طاقت ور سے کنایہ ہے کیونکہ جانوروں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بس ان کا حشر ان کی موت ہی کا نام ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے منقول ہے۔

حشر کل شیٔ الموت سوی الجن والانس (جامع البیان ص۲۳۵)

یعنی ہر چیز کا حشر اور انجام موت ہے سوا جنوں اور انسانوں کے کیونکہ ان کو موت کے بعد جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح زیرتفسیر آیت کے سلسلہ میں پیش آیا۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا یہاں اللہ تعالےٰ نے آپ سے وعدہ فرما کر آپ کو مطمئن کر دیا کہ آپ کو ایسے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائے گا جسے آپ پسند کریں گے۔ اور دوسرے مفہوم کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس قبلہ کو آپ پسند کرتے ہیں، ہم ادھر ہی منہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ اور حضرت شیخ کے بیان کردہ مفہوم کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو ایسے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائے گا جسے آپ پسند کریں گے

۲۷۹ف یہ پہلے وعدہ کا ایفا اور تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ شطر کے معنی طرف اور جانب کے ہیں۔ المسجد الحرام کے معنی عزت وحرمت والی مسجد کے ہیں کیونکہ اس مسجد میں اور اس کی حدود میں جنگ وجدال اور شکار وغیرہ جائز نہیں اور وجہ سے مراد سارا بدن ہے المراد من الوجہ ھٰھنا جملۃ بدن الانسان (کبیر ص۱۲۲ ج ۲) مفسرین نے لکھا ہے کہ قبلہ تو خانہ کعبہ ہے مگر آیت میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مسجد حرام سے دور دوسرے علاقوں میں رہتے ہیں ان کے لئے مسجد حرام کی سمت کی طرف منہ کر لینا کافی ہے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا واجب نہیں وذکر المسجد الحرام دون الکعبۃ دلیل علی ان الواجب مراعاۃ الجہۃ دون العین (مدارک ص۶۳ ج ۱) البتہ جو لوگ خانہ کعبہ کے پاس موجود ہوں ان کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ سے پہلے حضور علیہ السلام کو خطاب فرمایا اس سے حضور علیہ السلام کی یا جگہ کی خصوصیت مفہوم ہوسکتی تھی کیونکہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔ اب اس آیت میں صراحت کے ساتھ اس حکم کو تمام افراد کے لئے اور تمام جگہوں کے لئے عام کر دیا ہے یعنی تم جہاں کہیں ہو نماز میں مسجد حرام

کی سمت منہ کرلیا کرو۔ **۲۷۹** یہ تحویلِ قبلہ کی دوسری اجمالی دلیل ہے۔ الذین اوتوا الکتٰب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور انّہٗ کی ضمیر تحویلِ قبلہ کی طرف راجع ہے یعنی امر القبلۃ وتحویلہ الی الکعبۃ (خازن ومعالم ص۱۱۰ ج۱) وَاِنَّهُ لَذُ الْحَقُّ میں خبر کی تعریف نے حصر کے معنی پیدا کردیئے ہیں یعنی اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ قبلہ کے بارے میں یہی حکم حق ہے کہ حضور علیہ السلام کا قبلہ خانہ کعبہ ہو کیونکہ ان کو تورات وانجیل کے ذریعے معلوم تھا کہ آخری پیغمبر دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا اور آخر میں اس کا قبلہ وہی ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ جو کچھ یہ سب لوگ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں جن لوگوں نے تحویلِ قبلہ کے معاملہ میں تسلیم وانقیاد سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے اور جنہوں نے ان کا استہزا کیا ہے وہ ان کے اعمال سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔ الضمیر علی القراءتین لجمیع النّاس فیکون وعدا و وعیدا للفریقین من المومنین والکافرین (روح ص۱۰ ج۲)

۲۸۰ یہاں بھی اہل کتاب کی ضد وعناد کا بیان ہے یعنی اس کے باوجود کہ یہ لوگ تحویلِ قبلہ کے حق ہونے کو جانتے ہیں مگر ضد وعناد اور حسد کی وجہ سے اپنا قبلہ چھوڑ کر آپ کا اتباع نہیں کریں گے۔ اگرچہ آپ تحویلِ قبلہ کی حقیقت کے تمام دلائل ان کے سامنے پیش کردیں۔ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ۔ اہل کتاب حضور علیہ السلام کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے تھے کہ اے محمد پھر سے بیت المقدس کو اپنا قبلہ مان لے تو ہم تجھے نبی مان لیں گے اور تیرا اتباع کریں گے (روح ص۱۱ ج۲) تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی اس آرزو کو ختم کردیا کہ یہ امر محال ہے کہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کو دوبارہ قبول کرلے اس لئے انہیں اس قسم کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ یعنی اہل کتاب کی ضد وعناد اور بغض وحسد کا معاملہ کوئی آپ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں یہ لوگ تو آپس میں بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ان میں آپس میں بھی بغض وحسد کی آگ شعلہ زن ہے۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کا قبلہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہود، نصاریٰ کے دین اور قبلہ کو غلط سمجھتے ہیں اور نصاریٰ یہود کے دین اور قبلہ کو۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس اور عیسائیوں کا قبلہ مشرق کی سمت تھی۔ فالیہود تستقبل بیت المقدس والنصاریٰ مطلع الشمس (مدارک ص۶۶ ج۱) **۲۸۱** آیت میں خطاب آنحضرت ﷺ سے ہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ قبلہ کے معاملہ میں فی الحال یہود سے موافقت رہے اس سے شاید ان کے دل دین اسلام کی طرف مائل ہوجائیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور زجر فرمایا۔ اگر بفرضِ محال آپ ان کی خواہشات کا اتباع کرنے لگے تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل کتاب کی اہواء باطلہ کی طرف رجحان ایک امر محال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل باطل کی پیروی کی قباحت اور شناعت کو مؤکد کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر اگر بفرضِ محال آپ بھی جاننے پہچاننے کے باوجود ان کی خواہشات نفس کا اتباع کریں گے تو آپ کا شمار بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں ہوگا۔ خواہشاتِ نفس سے مراد اہل باطل کا دین ہے کیونکہ وہ ان کی نفسانی خواہشات اور خود ساختہ آرزوؤں ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اور خصوصاً ان علماء کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو رواداری کے جنون میں مشرکین اور اہل باطل کے بعض مشرکانہ اور جاہلانہ عقائد واعمال کی تحسین کر بیٹھتے ہیں۔ یا کم از کم مداہنت سے کام لیتے ہوئے خاموش ہوجاتے ہیں۔

۲۸۲ الذین سے اہل کتاب کے اہل علم لوگ مراد ہیں۔ وان کان عامًا بحسب اللفظ لکنہ مختص بالعلماء منہم (کبیر ص۳۲ ج۲) یعرفونہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا ذکر بطور خطاب پہلی آیت میں موجود ہے یعنی علماء اہل کتاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تورات وانجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف اس وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں کہ علماء اہل کتاب کو پورا پورا یقین ہے کہ یہ اوصاف صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی منطبق ہوتے ہیں اور وہی ان کا مصداق ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ يَعْرِفُوْنَهٗ کی ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بنانا اگرچہ فی نفسہٖ صحیح ہے لیکن سیاق وسباق کے مناسب نہیں لہٰذا یعرفونہ کی ضمیر امر قبلہ کی طرف راجع ہے۔ القول الثانی الضمیر فی قولہ یعرفونہ راجع الی امر القبلۃ (کبیر ص۳۳ ج۲) تو مطلب یہ ہوگا کہ تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اہل کتاب اسی طرح یقینی طور پر جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو جانتے ہیں۔ **۲۸۳** مگر اس کے باوجود ان کی ایک جماعت حق کو چھپاتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے بیان شدہ اوصاف یا تحویلِ قبلہ کے معاملہ پر پردہ ڈالتی ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان میں سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ــ الحق میں الف لام عہد کے لئے ہے یعنی جس حق کو وہ چھپا رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس سے حضور علیہ السلام کی صفت ونعت مراد ہے یا تحویلِ قبلہ کا معاملہ۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ یعنی اہل کتاب کے جان بوجھ کر حق کو چھپانے کی وجہ سے حق کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور ان کے کتمان کے باوجود حق پھر بھی حق ہی ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ **۲۸۴** کُلٍّ کی تنوین عوض کے لئے ہے۔ ای لکل قوم اور وجھۃ کے معنی قبلۃ کے ہیں (مدارک ص۶۵ ج۱) مطلب یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک علیحدہ قبلہ ہے اور ہر مذہب وملت کے متبعین اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی ہر قوم اپنے اپنے قبلہ کا اتباع کرتی ہے تم اللہ کے حکم کے مطابق نیکی کے کاموں میں سب پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو اور جس طرف اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اسی طرف منہ کرو۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا۔ یہ تخویف اخروی ہے تم سب مسلمان اور تمہارے دشمن جہاں کہیں بھی ہوں گے وہ تمہیں قیامت کے دن ایک جگہ جمع کردیگا اور تمہارے تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا فضول جھگڑوں اور بحثوں کو چھوڑو اور خدا کی عبادت کرو اور اس کے احکام کا اتباع کرو جو اصل نیکی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ مارنا اور پھر منتشر اجزاء کو جمع کرکے ان میں دوبارہ جان ڈالنا بھی اس کی قدرت کے تحت داخل ہے۔ **۲۸۵** تحویلِ قبلہ سے متعلق پہلا حکم بھی اگرچہ عام تھا لیکن یہاں اس بات کی صراحت فرمادی کہ یہاں حکم قیامِ مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام احوال سفر وحضر کو شامل ہے۔ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور یہ استقبال کعبہ کا حکم اللہ کی طرف سے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ استقبال ھٰذہ القبلۃ ھو الحق ای الثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر ص۴۳۹ ج۱) ای الثابت الموافق للحکمۃ (روح ص۱۶ ج۲) وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تمہارے تمام اعمال اس کی نگاہ میں ہیں اور وہ تمہارے نیک وبد اعمال کے مطابق تمہیں جزاء دے گا۔ **۲۸۶** آگے چونکہ تحویلِ قبلہ کی چوتھی دلیل کا بیان تھا جو دوسری اجمالی دلیل کی تفصیل ہے اس لئے تحویلِ قبلہ کے حکم کا یہاں پھر اعادہ فرمایا تاکہ دلیل بلا فصل حکم سے متعلق ہوسکے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ۔ یہ تحویلِ قبلہ کی دوسری تفصیلی علت ہے۔ الناس سے مراد تمام مخالفین ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب، تورات اور انجیل میں یہ مذکور تھا کہ آخری نبی کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اگر تحویل قبلہ کا حکم نہ دیا جاتا تو اہل کتاب کا اعتراض باقی رہتا کہ ہماری کتابوں میں اس کا قبلہ کعبہ لکھا ہوا ہے مگر یہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتا ہے۔ لہٰذا یہ نبی موعود نہیں۔ المنعوت فی التوراۃ قبلتہ الکعبۃ لا الصخرۃ وھذا النبی یصلی الی الصخرۃ فلا یکون النبی الموعود (روح ص۱۷ ج۲) مشرکین کا یہ اعتراض تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ تو یہ کرتا ہے کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی مخالفت کرتا ہے لہٰذا وہ ملت ابراہیمی پر بھی نہیں۔ اب تحویلِ قبلہ سے مشرکین کا یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا۔ وتندفع احتجاج المشرکین بانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یدعی ملۃ ابراھیم ویخالف قبلتہ (روح ص۱۷ ج۲) یعنی ہم نے تحویل قبلہ کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ مخالفین کو ان معقول اعتراضات کا موقع بھی نہ مل سکے **۲۸۷** یہ الناس سے استثناء ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد معاندین اور [illegible] لوگ ہیں۔ الا المعاندین منہم (مدارک ص۶۵ ج۱) یعنی مخالفین میں سے جو لوگ ضدی نہیں ہیں تحویلِ قبلہ کے بعد ان کے پاس تو کوئی معقول اعتراض باقی نہیں رہے گا۔ البتہ جو لوگ ضد وعناد کی وجہ سے مخالفت کر رہے ہیں وہ تو تحویلِ قبلہ کے بعد بھی حجت بازی سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ یہودی یہ کہیں گے محض اپنے آبائی شہر کی محبت اور آبائی دین کی طرف رغبت کی وجہ سے اس پیغمبر نے کعبہ کو قبلہ بنایا ہے۔ مشرکین معاندین کہیں گے کہ اب اسے سمجھ آئی ہے اس نے اپنے باپ دادا کا قبلہ مان لیا ہے، اور عنقریب ہی اپنے دین کو چھوڑ چھاڑ ہمارے دین میں واپس آنا چاہتا ہے وغیر ذالک فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ لہٰذا تم ان کی مخالفت سے مت ڈرو اور تحویلِ قبلہ کے بارے میں ان کے اعتراضات کی پرواہ مت کرو اور میرے عذاب سے ڈرو اور میرے احکام کی تعمیل کرو۔ فلا تخافوا مطاعنہم فی قبلتکم فانہم لا یضرونکم (مدارک ص۶۵ ج۱) وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ اس کا عطف لِئَلَّا يَكُوْنَ پر ہے۔ اتمامِ نعمت سے یہاں مراد تعیین قبلہ ہے و اتمام النعمۃ

الهداية الى القبلة (قرطبی ص۱۰۱ ج۲) تحویل قبلہ اس لئے کی ہے کہ تم پر دنیوی اور روحانی نعمتوں کا اتمام کروں - دنیا میں اس طرح کہ کعبہ کو تمہارا مرکز اور قبلہ بنا دینے کی وجہ سے تمہیں وہ شرف اور برتری حاصل ہوئی جو اور کسی کو حاصل نہیں۔ ما حصل للعرب من الشرف بتحويل القبلة الى الكعبة (بحر ص۴۴۲ ج۱) کعبہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات و تجلیات کا مرکز ہے اس لئے نماز جیسی عبادت کے لئے جو مومنین کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا سب سے بڑی اخروی اور روحانی نعمت ہے وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ - تاکہ تمہیں ملت ابراہیمی کی سیدھی راہ مل جائے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ - اس کی تفسیر کوع ۱۵ میں گذر چکی ہے۔ کاف تشبیہ کے لئے ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی جس طرح ہم نے ان خوبیوں والا پیغمبر تم میں بھیج کر تم پر بہت بڑا انعام و احسان کیا۔ اسی طرح تعیین قبلہ سے ہم نے تم پر اپنی نعمت تام کردی۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۰ اور وہ پیغمبر تمہیں وہ باتیں بتاتا ہے جن کو نہ تم جانتے ہو اور نہ وحی کے بغیر ان کو معلوم کر سکتے ہو۔ مما لا طريق الى معرفته سوى الوحى (روح ص۱۹ ج۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفتیں یا پانچ حیثیتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں (۲) آپ لوگوں کو کتاب اللہ کے الفاظ کی کیفیت ادا، اس کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سکھاتے ہیں۔ (۳) اپنی سنت اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے کتاب اللہ کے احکام کی صحیح تعبیر و تصویر اور ان کا عملی نمونہ بتاتے ہیں (۴) ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کی روحانی تربیت کر کے ان کے عقائد، اعمال اور اخلاق کا تزکیہ بھی فرماتے ہیں (۵) تمام امور دین جن کا لوگوں کو علم نہ ہو، اور نہ ہی وہ کسی ذریعہ سے ان کا علم حاصل کر سکیں۔ خدا کا پیغمبر ایسے تمام امور میں اللہ کی طرف سے ان کی راہنمائی کرتا ہے اور اس آیت میں یہ تمام افعال رَسُوْلًا سے حال ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام صفات و حیثیات سے اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو متصف کر کے بھیجا ہے۔ یہ نہیں کہ لوگوں نے اور سوسائٹی کے افراد نے یہ ڈیوٹیاں آپ کے ذمہ لگا دی تھیں جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی خدا کی طرف سے ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ آپ آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں اور بس۔ باقی کام آپ نے اپنے طور پر کئے۔ یا لوگوں کی درخواست پر آپ ایسا کرتے تھے مگر قرآن مجید کی یہ آیت اس خیال کی تردید کرتی ہے اور واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ یہ تمام ذمہ داریاں خدا کی طرف سے آپ کے سپرد تھیں لہٰذا آپ کے ہر قول و فعل اور آپ کی ہر سنت پر عمل واجب ہے بشرطیکہ وہ صحت کے ساتھ ہم تک پہنچ جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کی سنت اور آپ کے اسوہ کے بغیر قرآن کا سمجھنا ناممکن ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ لہٰذا تم میرے انعامات کے شکریہ کے طور پر ہر وقت مجھے یاد رکھو۔ میرے احکام مانو۔ صرف میری ہی عبادت کرو اور صرف مجھے ہی پکارو تو میں بھی تمہیں اجر و ثواب اور مزید انعام و اکرام سے نوازوں گا وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ - توحید کی پابندی اور احکام کی تعمیل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو۔ کفر و شرک اور طغیان و عصیان سے میری نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔ امام ابن جریر رح فرماتے ہیں :- واشكروا لى ايها المؤمنون فيما انعمت عليكم من الاسلام والهداية للدين الذى شرعته لانبيائى واصفيائى (ابن جریر ص۲۲ ج۲) یعنی اے ایمان والو میری اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ میں نے تم کو اسلام اور دین توحید کی توفیق دی ہے جسے میں نے اپنے تمام انبیاء اور برگزیدہ بندوں کے لئے مقرر کیا تھا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مسلمانوں کو آئے دن دشمنان اسلام کی طرف سے مصائب و تکالیف کا سامنا تو ہوتا ہی

(۱) اس زیادتی کے ساتھ بطور تاکید (۲) تحویل قبلہ کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۲) دوبارہ اعادہ کیا گیا ہے چوتھی علت بیان کرنے کے لئے ۱۲

(۳) اگرچہ آپ مدینہ منورہ میں ہوں گے سے جواب شبہ دوسری تفصیلی علت کے ساتھ ۱۲

يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾

کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ف

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد

الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

حرام کی طرف ف۲۸۵ اور بیشک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

تمہارے کاموں سے ف۱ اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

اسی کی طرف ف۲۸۶ تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے

حُجَّةٌ ۤ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

جھگڑے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں ف۲۸۷ سو ان سے (یعنی ان کے

وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تاکہ تم پاؤ

تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ ۙ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ

راہ سیدھی ف۱ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ ۭ

اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے

موضح قرآن ف۱ یعنی یہ ضد کرنی کہ ہمارا قبلہ بہتر یا تمہارا عبث ہے۔ بہتری اس کو جو نیکیوں میں زیادہ۔ ہر امت کو ایک ایک قبلے کا حکم ہوا تھا۔ آخر سب کو ایک جگہ جمع ہونا ہے۔ ف۲ مسجد الحرام کہتے ہیں مکے کی مسجد کو۔ حرم کے معنی جس جگہ بندہ رہنا چاہئے اس مکان میں کئی باتیں منع ہیں۔ آدمی کو مارنا اور جانور کو ستانا اور درخت اور گھاس اکھاڑنا اور پڑا مال اٹھانا۔

فتح الرحمٰن ف۱ در تورات مذکور است کہ امتی از بنی اسماعیل پیدا خواہد شد کہ تعظیم کعبہ کنند پس توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکعبہ حجت باہرہ است بر صدق نبوت آنحضرت نزدیک احبار یہود واگرچہ سفہاء یہود طعن کنند کہ قبلۂ انبیاء را گذاشت ۱۲

رہتا تھا۔ اب تحویلِ قبلہ کی وجہ سے معاندین کو ایذارسانی کا ایک اور بہانہ ہاتھ آگیا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ وہ ہر قسم کی مشکلات اور مصائب میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھیں اسی کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے رکھیں اور اسی کے آگے جھکیں۔ صبر و صلوٰۃ کی پابندی ان میں ایسا استقلال اور سکون پیدا کرے گی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اور ہر خطرہ سے محفوظ ہوجائیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o صبر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ خصوصی مدد فرماتا ہے۔ یہ اس خصوصی نصرت و یاری ہی کے آثار تھے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کئی معرکوں میں قلتِ عدد اور بے سروسامانی کے باوجود فتحیاب ہوئے۔

(بقیہ ص۱۳) وَ الصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (نساء ع ۹) جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، وصدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ قال الجمھور من المفسرین انہ اراد صراط النبیّن والصدیقین والشھداء والصالحین وانتزعوا ذٰلک من قولہ تعالیٰ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ الخ (قرطبی ص۱۴۹ ج ۱)

ایک شبہ اگر الصراط المستقیم سے مندرجہ بالا چار گروہوں کی راہ مراد ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے اور اس میں النبیین کا درجہ بھی شامل ہے تو اس کے حاصل کرنے کی درخواست بھی اس میں شامل ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب بھی درجہ نبوت حاصل کرنے کا امکان موجود ہے۔

جواب اول تو یہی غلط ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے بلکہ اس میں تو صرف ان جماعتوں کی راہ پر چلنے کی اور قائم رکھنے کی درخواست ہے نیز درخواست اور دعا ہمیشہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے جس کا حصول کسب اور محنت سے ممکن ہو اور جو فضل و کمال کا حصول کسب اور محنت سے ناممکن ہو، اس کے لئے درخواست کرنا بالکل بے معنی اور عبث ہے۔ اس لئے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے تو درجہ نبوت چونکہ کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ نبوت ایک محض وہبی چیز ہے اور اس کے بارے میں قانونِ خداوندی یہ ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام ع ۱۵) لہٰذا درخواست کا تعلق نبوت سے نہیں بلکہ درخواست صرف صدیقین، شہداء اور صالحین کے کمالات کے لئے ہے۔

ف۱ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ o یہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے اور ولا الضالین ــــ غیر المغضوب علیھم پر معطوف ہے۔ اور لا تاکید نفی کے لئے ہے جو لفظ غیر سے مفہوم ہے۔ بدل من الذین انعمت علیھم او صفۃ لہ، ولا مزیدۃ لتاکید ما فی غیر من معنی النفی (مظہری ج ۱ ص۱۰) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مغضوب علیھم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے (ابن جریر ص۶۱ ج ۱، ص۶۲ ص۶۳) غضب کے معنی شدید غصے کے ہیں اور یہ ایک نفسانی کیفیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات میں غضب کے معنی ارادہ عقوبت اور قصدِ سزا کے ہیں۔ ومعنی الغضب فی صفۃ اللہ تعالیٰ ارادتہ العقوبۃ فھو صفۃ ذات وارادۃ اللہ تعالیٰ من صفات ذاتہ (قرطبی ص۱۵۰ ج ۱) اور ضلال کے معنی سیدھی راہ سے بھٹک جانا اور راہِ ہدایت سے علیحدہ ہوکر چلنا۔ الضلال فی الدین الذھاب عن الحق (روح ص۹۶ ج ۱)

ان آیتوں کا حاصل یہ ہے اے اللہ ہم کو ان لوگوں کی راہ پر قائم رکھ جن پر تو نے انعام فرمایا اور جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ جن لوگوں پر تیرا غضب ہوا مثلاً یہود اور جو لوگ راہِ حق سے گمراہ ہوئے مثلاً نصاریٰ ان کی راہ سے ہم کو بچا۔ مغضوب علیھم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی نصاریٰ سے بطور تمثیل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مغضوب علیھم صرف یہود ہی ہیں اور ضالین سے صرف نصاریٰ ہی ہیں اس لئے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی ان دونوں لفظوں میں داخل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چونکہ یہود و نصاریٰ مذہب اور خانقاہیت کے اجارہ دار تھے اور ساتھ ہی راہِ حق سے گمراہ اور بھٹکے ہوئے تھے اور خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب کے مستحق تھے اس لئے المغضوب علیھم اور الضالین کی تفسیر ان دونوں گروہوں سے کی گئی۔

ہدایت کی طرح گمراہی کے بھی چار درجے ہیں (۱) ریب وشک۔ یہ درجہ گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پہلے آدمی کے دل میں توحید اور دین حق کے بارے میں شبہات و شکوک پیدا ہوتے ہیں جو اسے صراطِ مستقیم اور راہِ ہدایت سے بھٹکاتے ہیں۔ (۲) ضلالت (گمراہی) توحید اور دین حق سے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ کسی کے دل میں جاگزیں ہوجائیں تو آدمی ضلالت اور گمراہی میں جا گرتا ہے اور راہِ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کرلیتا ہے۔ (۳) جدال۔ ضلالت کے بعد جدال کا درجہ ہے گمراہی کے بعد گمراہ شخص اپنے باطل نظریات اور غلط عقائد کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لئے اہلِ حق سے جھگڑا اور مجادلہ و منازعہ کرتا ہے اور ضد و عناد سے ہر حق بات کو رد کردیتا ہے۔ (۴) مہرِ جباریت یا طبع علی القلب یا ختم علی القلب۔ گمراہی کے بعد جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا اور جدال شروع کرتا ہے اور تمام عقلی اور نقلی دلائل سے حق کے واضح اور ثابت ہوجانے پر بھی حق کو نہیں مانتا اور اپنی ضد اور عناد پر ڈٹا رہتا ہے تو اب اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے یعنی اس کے دل میں جو کفر و نفاق اور شرک ہے وہ دل سے باہر نہیں نکل سکتا اور جو چیز اس کے دل سے باہر ہے یعنی ایمان و یقین اور توحید و اخلاص وہ اس کے دل میں داخل نہیں ہوسکتی۔ جب آدمی گمراہی کے اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا راہِ راست پر آنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اس درجہ میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کو مہرِ جباریت سے تعبیر فرماتے تھے۔ قرآن میں یہ چاروں درجے کہیں جدا جدا اور کہیں دو دو یا اس سے زیادہ یکجا مذکور ہیں۔ سورہ مومن ع ۴ میں دو آیتوں کے اندر چاروں درجے ایک ساتھ مذکور ہیں۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِہٖ حَتّٰٓی اِذَا ھَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ o اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ o اور یقیناً اس سے قبل یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس دلائل (توحید و نبوت) لے کر آچکے ہیں سو تم ان امور میں برابر شک میں رہے جو تمہارے پاس لائے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم کہنے لگے کہ بس اللہ اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں اور توحید میں شک کرنے والوں کو گمراہ کردیتا ہے جو محض ضد و عناد کی وجہ سے بلاکسی دلیل کے جو ان کے پاس موجود ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ یہ کج بحثی اور جھگڑا خدا تعالیٰ کو بھی سخت ناپسند ہے اور ایمان والوں کو بھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس آیت میں کذلک میں دونوں جگہ کاف تعلیلیہ ہے اور بمعنی لام ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کردیا گیا ہے اس آیت میں چاروں درجات بالتدریج مذکور ہیں۔ پہلے وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے لائے ہوئے دلائل توحید و نبوت کے بارے میں ریب وشک میں پڑے رہے اس وجہ سے گمراہ ہوئے اور راہ ہدایت اور جادۂ توحید سے بھٹک گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ضد و عناد سے جھگڑا اور مجادلہ شروع کردیا اور توحید اور دین حق سے دور بھاگنے لگے اس لئے اللہ نے ان کے دلوں پر مہرِ جباریت لگادی۔ ضلالت کے یہ چار درجے ہدایت کے چاروں درجوں کے مقابلے میں ہیں۔ اوّل انابت کے مقابلہ میں ریب وشک دوم ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت سوم استقامت کے مقابلہ میں جدال و مخاصمت چہارم ربط علی القلب کے مقابلہ میں طبع علی القلب۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں ضلالت کے چاروں درجات مذکور ہیں۔ پہلے تینوں درجے الضالین میں اور چوتھا درجہ مغضوب علیھم میں۔ (آگے ص۱۲ پر ملاحظہ ہو)

۲۸۸ف پہلے مصائب پرصبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اب یہاں بیان فرمایا کہ تحویل قبلہ کے معاملہ میں اگر کوئی مسلمان یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو اس کی موت چونکہ اللہ کی راہ میں واقع ہوئی ہے اس لئے اسے مردہ مت کہو اسی طرح جو لوگ اللہ کے دین کی خاطر کافروں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو کر داغ جدائی دے گئے کیونکہ وہ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی مردے مت کہو۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا ادراک نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ایک بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ ان کو دنیا سے رخصت ہو جانے اور فی سبیل اللہ مقتول ہو کر طبعی موت پا جانے کے بعد عالم برزخ میں ایک امتیازی زندگی اور حیات عطا کی جاتی ہے جو دوسرے غیر شہداء مومنین کو حاصل نہیں ہوتی اور اس حیات کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے۔ اس لئے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اپنے حواس و مشاعر سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق سورۂ آل عمران میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

ع ۱۸ ۵ ۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ع

سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو ف۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

اے مسلمانوں مدد لو صبر اور نماز سے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۳) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ف اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا

خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں ۲۸۸ف بلکہ وہ زندے ہیں لیکن

تَشْعُرُوْنَ (۱۵۴) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ

تم کو خبر نہیں اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور

الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے ۲۸۹ف

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۵) الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے انہیں کچھ مصیبت

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۶) ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۲۹۰ف ایسے ہی لوگوں پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں

الْمُهْتَدُوْنَ (۱۵۷) اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ

سیدھی راہ پر ف۲. بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں

اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

اللہ کی ۲۹۱ف سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو

۱ اللہ نے تم کو دو قبلوں والا کر دیا ہے لہٰذا اسے یاد کرو اور اس کا شکر بجا لاؤ۔ ۱۲

۲ اہل کتاب کا قبلہ ترک کرنے پر ان کی طرف سے آمدہ مصائب قتل وغیرہ پر صبر کرنے کی تلقین اور صابرین کے لئے بشارت ۱۲

۳ رسالت پر شبہ ثانیہ کا جواب ۱۲

۲۸۹ف ابتلاء کے معنی آزمانے اور امتحان لینے کے ہیں۔ والمعنی لنمتحننکم (قرطبی ص۱۷۳ ج ۲) یعنی ہم تمہارا امتحان لیں گے خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے اور اس میں وہ تمام ڈراوے دھمکیاں اور مشکلات و مصائب بھی داخل ہیں جو تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ان کو یہود کی طرف سے پہنچیں گی۔ اور بھوک سے قحط سالی مراد ہے۔ اموال کی کمی سے مویشیوں اور کھیتیوں کا ضائع ہونا، جانوں کی کمی سے عزیزوں اور دوستوں کی موت اور پھلوں کی کمی سے باغات کی تباہی یا بچوں کی موت مراد ہے۔ کیونکہ بچہ انسان کا ایک عمدہ نتیجہ اور پیارا پھل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ تم پر اللہ کی طرف سے امتحان و ابتلاء کے طور پر مشکلات و مصائب آئیں گی تاکہ کھرے کھوٹے میں امتیاز ہو جائے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ یہاں حضور علیہ السلام کو مخاطب فرمایا کہ آپ مصائب میں صبر کرنے والوں اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو خوشخبری سنا دیں اس سے معلوم ہوا کہ مصائب و مشکلات کے ذریعے مسلمانوں کا امتحان لے کر انہیں صبر و استقلال کا سبق سکھانا مقصود ہے **۲۹۰ف** اگر تحویل قبلہ کے سلسلہ میں انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس پر صبر کرتے ہیں۔ یہ الصابرین کی صفت ہے اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اجر و ثواب کے مستحق صرف وہی صابر ہیں، جو مصیبت کی ابتداء میں صبر کرتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ نزول مصیبت کے وقت انتہائی بے صبری اور جزع و فزع کا اظہار کریں اور بعد میں صبر کریں وہ اس اجر کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ مصیبت کے بھول جانے پر تو صبر کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اصل صبر جس پر اجر و ثواب ملتا ہے وہ تو صدمہ کی ابتداء میں ہوتا ہے۔ اشارۃ الی ان الاجر لمن صبر وقت اصابتہا کما فی الخبر انما الصبر عند اول صدمۃ (روح ص۲۳ ج ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبر تو یہ ہے کہ مصیبت کے وقت زبان سے واویلا اور جاہلیت کی باتیں کرنے کی بجائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیئے۔ یعنی ہم اللہ کے مملوک اور غلام ہیں وہ ہمارا مالک و آقا ہے۔ ہمارے امور میں اسے ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور ہم اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ دنیا میں اگرچہ ہم مصائب میں مبتلا رہے ہیں اور کفار کی ایذائیں سہی ہیں۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں چین و آرام عنایت فرمائیگا پہلے حصہ میں بندگی اور مملوکیت کا اعتراف ہے اور دوسرے حصہ میں بعث بعد الموت کا اقرار ہے۔ وللہ معناہ الاقرار بالملک والعبودیۃ للہ فھو المتصرف فینا بما یرید من الامور وانا الیہ راجعون اقرار بالبعث (بحر ص۴۵۱ ج ۱) اُولٰٓئِكَ یہ مذکورہ بالا صابرین کی طرف اشارہ ہے یعنی جو لوگ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں عَلَيْهِمْ

موضح قرآن ف یہاں سے اشارہ ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ اور مضبوطی اختیار کرو۔

فتح الرحمن ف۱ بعد ازیں خدائے تعالیٰ امر می فرماید بصبر بر مشقتہائے جہاد و ثواب صبر ذکر میکند ۱۲ ف۲ بعض اہل اسلام صفا و مروہ را از شعائر طواغیت گمان کردہ از آں دست باز داشتند پس نازل شد ایں آیت ۱۲

صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۠ صَلَوٰت صلوٰۃ کی جمع ہے جس سے دنیا وآخرت میں اللہ کی عفو و درگذر، رحمت و برکت اور اس کا اعزاز واکرام مراد ہے ۔ وصلوٰۃ اللّٰہ علی عبدہ عفوہ ورحمتہ وبرکتہ و تشریفہ ایاہ فی الدنیا والاٰخرۃ (قرطبی ص۱۷۷ ج ۲) اور رحمۃ کا لفظ تاکید اور مزید تعمیم کے لئے ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور اس کی عنایات خاصہ کے مستحق ہوں گے ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۔ یہاں مھتدون سے فائزون مراد ہے کیونکہ جن لوگوں کی خدا نے صفائی دیدی اور انہیں اپنی رحمت خاصہ سے نواز دیا ان سے بڑھ کر کون کامیاب ہے ۔ والمعنی اولٰٓئك ھم الفائزون بمطالبھم الدینیۃ والدنیویۃ فان من نال تزکیۃ اللّٰہ تعالیٰ ورحمتہ لم یفتہ مطلب (روح ص۲۳ ج ۲) **۲۹۱** یہ دوسرے شبہ کا جواب ہے ۔ یہ صفا ومروہ وہی دونوں پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے معصوم بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں سات چکر کاٹے تھے ۔ بعد میں مشرکین نے ان پہاڑیوں پر دو بت نصب کردیئے اور ان کی پوجا پاٹ

اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

کہ طواف کرے ان دونوں میں **۲۹۲** اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ

شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ

قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا **۲۹۳** بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے

الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى

صاف حکم اور ہدایت کی باتیں **۲۹۴** بعد اسکے کہ ہم اس کو کھول چکے لوگوں کے واسطے

الۡكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنیوالے ف۱

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَيَّنُوۡا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوۡبُ

مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کردیا حق بات کو **۲۹۵** تو ان کو معاف کرتا

عَلَيۡهِمۡ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ

ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور

مَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ

مرگئے **۲۹۵** کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ

اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے

الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی **۲۹۶** اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے **۲۹۷**

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ

کوئی معبود نہیں اس کے سوا **۲۹۸** بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا بیشک آسمان اور زمین کے پیدا

وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ

کرنے میں **۲۹۹** اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ

ع ۱۹ / ۲

خلاصہ: سابقہ شبہات کا جواب دینے کے بعد زجر ہے علمائے احبار و رہبان یہود کو جو تحویل قبلہ کے امر کو چھپاتے تھے یا انکار کرتے تھے ۱۲

اور دعوائے توحید کا اعادہ مع دلیل عقلی برائے نفی شرک فعلی اس مسئلہ توحید کو چھپانے والے اور اس کا انکار کرنے والے علماء یہود پر بھی پہلے ان الذین یکتمون سے زجر ہوچکی ہے ۱۲ دلیل عقلی نمبر ۲ ۔ ۱۳

شروع کردی ۔ صفا پر اساف کا بت اور مروہ پر نائلہ کا بت تھا ۔ مشرکین صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے وقت ان بتوں کو بھی ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے ۔ غلبۂ اسلام کے بعد ان بتوں کو توڑ دیا گیا لیکن ان بتوں کی وجہ سے اور گذشتہ زمانے میں ان دونوں پہاڑیوں کے مشرکوں کا تیرتھ بنے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے سے کراہت اور انقباض سا پیدا ہوگیا تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنے اس شبہ کا اظہار کیا ۔ ممکن ہے کہ یہود اور مشرکین نے بھی عناداً یہ اعتراض کیا ہو کہ ان پہاڑیوں پر تو آج تک شرک اور بت پرستی ہوتی رہی ہے اور یہ پیغمبر ان پہاڑیوں کی تعظیم کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ دونوں اللہ تعالیٰ کی توحید کی یادگاریں ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی تھیں ۔ اسلئے ان کا طواف بھی کیا کرو تاکہ ملت ابراہیم کی اتباع پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے ۔

۲۹۲ یہ ماقبل پر مرتب ہے اور جُناح کے معنی گناہ کے ہیں یعنی جب صفا اور مروہ خدا کی توحید کی یادگاریں ہیں تو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اسے ان کے طواف کرنے میں قطعاً کوئی گناہ نہیں ۔ اور نہ ہی گذشتہ زمانہ میں ان پہاڑیوں کے شرک گاہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں کسی قسم کا انقباض ہونا چاہیئے اور یہاں طواف سے دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی اور دوڑ مراد ہے جو حج اور عمرہ کے موقع پر کی جاتی ہے ۔ یہ سعی حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک واجب اور باقی ائمہ کے نزدیک فرض ہے ۔ فریقین کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں ۔ بعض لوگوں نے لاجناح کے لفظ سے سعی کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے کیونکہ جناح کی نفی سے عدم لزوم متبادر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جُناح کی نفی مطلق جواز پر دلالت کرتی ہے ۔ واجب اور غیر واجب کے درمیان قدر مشترک ہے ۔ لہٰذا نفی وجوب پر اس کی کوئی دلالت نہیں ۔ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ۔ لفظ خیر عام ہے ۔ اور ہر نیکی کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خوشی خوشی نیکی کے کام کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے اور وہ بڑا قدردان ہے ۔ ان کے اخلاص پر مبنی اعمال کی ضرور انہیں جزا دے گا ۔ وقال الحسن المراد منہ جمیع الطاعات وھذا اولیٰ لانہ اوفق لعموم اللفظ (کبیر ص۱۶۶ ج ۲) **۲۹۳** یہاں اہل کتاب کو زجر اور وعید سنائی جارہی ہے جنہوں نے امر قبلہ اور صفا ومروہ کے بارے میں تورات وانجیل کے احکام کو چھپایا تھا ۔ اَلَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں ۔ نزلت فی اھل الکتاب من الیھود والنصاریٰ (کبیر ص۱۶۸ ج ۲) والاقرب انھا نزلت فی الیھود والحکم عام (روح ص۲۶ ج ۲) یعنی یہ آیت نازل تو علماء یہود کے حق میں ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے ۔ اگر امت محمدیہ کے علماء بھی علماء یہود کی روش پر چل کر خدا کی آیات بینات کو چھپانے لگیں گے تو وہ بھی انہی کے ساتھی ہوں گے ۔ بینات کا مطلب ہے واضح دلائل اور کھلے نشانات مراد حضور علیہ السلام کی صفات ہیں جو تورات

موضح قرآن ف۱ صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں مکے کے شہر میں ۔ عرب لوگ حضرت ابراہیم کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے ہیں لیکن کفر کے وقت میں اکثر غلطیاں پڑگئی تھیں ان دو پہاڑیوں پر دو بت دھرے تھے حج میں وہاں بھی طواف کرتے تھے ۔ جب لوگ مسلمان ہوئے جانا کہ یہ بھی کفر کی غلطی تھی اب وہاں نہ جایا چاہیئے ۔ اس پر یہ آیت اُتری ۱۲ ف۲ یہ ان کے حق میں ہے جن کو حکم خدا کا پہنچا اور غرض دنیا کے واسطے چھپا رکھا ۱۲

اور انجیل میں مذکور تھیں۔ اور عموم کی صورت میں بینات سے مراد قرآن کی وہ آیات ہونگی جن سے مسئلہ توحید کو خوب واضح کرکے بیان کیا گیا ہے اور جن میں مثالیں وے دے کر شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے اور ہُدیٰ سے مراد توحید اور احکام کی آیتیں ہیں مِنۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۔ الکتاب جنس ہے اور اس سے مراد تورات وانجیل ہے اور عموم کی صورت میں قرآن مجید بھی اس میں شامل ہوگا۔ یعنی ہم نے آیات بینات اور رشد وہدایت کی باتیں کھول کھول کر اس لئے بیان کیں تاکہ انہیں لوگوں تک پہنچایا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے محض نفسانی خواہشات کی خاطر انہیں چھپا ڈالا اور لوگوں پر ان کو ظاہر نہ کیا۔ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ۔ خدا کی لعنت یہ ہے کہ وہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کردے گا۔ اور ان کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا اور فرشتوں اور جنوں اور انسانوں کی لعنت سے لعنت کی بددعا مراد ہے۔ ای یبعدھم عن رحمته ویذیقھم الیم نقمته ..... ان لعنة اللاعنین بمعنی الدعاء علیھم بالابعاد عن رحمة اللّٰه تعالیٰ (روح ص۲۸ ج ۲) یعنی حق چھپانے والوں پر خدا کی بھی لعنت اور پھٹکار پڑتی ہے اور انسان اور جن وملک بھی ان پر لعنت کی بددعا کرتے ہیں۔ **۲۹۴** یہ ماقبل سے استثناء ہے اور تَابُوۡا سے مراد یہ ہے کہ امر قبلہ اور صفا ومروہ کے معاملہ میں انہوں نے حق بات چھپانے سے توبہ کرلی اور اَصۡلَحُوۡا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرلی اور حق بات کو مان لیا اور بَیَّنُوۡا سے مراد یہ ہے کہ جس حق کو چھپاتے رہے یعنی امر قبلہ اور معاملہ صفا ومروہ۔ اب اسے خوب بیان کیا اور اس کی خوب اشاعت کی۔ فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ یعنی میں ایسی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرلیتا ہوں وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ۔ اور نہ صرف توبہ ہی قبول کرتا ہوں بلکہ پچھلے گناہ معاف کرکے اس کو اپنی رحمت میں لے لیتا ہوں یہ تو ان علماء کا حکم تھا جو تحویل قبلہ اور صفا ومروہ کے شعائر اللہ میں سے ہونے کو حق جانتے تھے اور پھر جان بوجھ کر حق چھپاتے تھے لیکن بعد میں توبہ کرلی۔ اب آگے ان لوگوں کا حکم بیان فرمایا جو سرے سے ان باتوں کو مانتے ہی نہ تھے اور ان کا انکار کرتے تھے۔ **۲۹۵** حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اسم موصول عموم کے لئے ہے اور کفروا سے تمام منکرین اور کفار مراد ہیں کذا قال الامام الرازی (کبیر ص۱۵ ج ۲)، اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ۔ جملہ اسمیہ استمرار اور دوام کے لئے ہے یعنی ایسے لوگوں پر ہمیشہ خدا کی لعنت برستی رہتی ہے اور فرشتے اور تمام انسان بھی ان پر لعنت بھیجتے رہیں گے **۲۹۶** وہ لعنت وپھٹکار میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے عذاب میں نہ کمی کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

یہاں تک تو آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور شبہات کا جواب تھا اور کتمان حق کے انجام بد کا ذکر تھا۔

ربط گذشتہ آیتوں کا ماقبل سے تو ربط یہ ہے کہ ان میں تحویل قبلہ اور صفا ومروہ سے متعلقہ احکام کو چھپانے والوں اور سرے سے ان کا انکار کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور کتمان احکام سے توبہ کرنے والوں، اپنی اصلاح کرنے والوں اور ان کو بیان کرنے والوں کے لئے بشارت کا بیان تھا اور مابعد والی آیتوں سے ان کا ربط اس طرح ہے کہ اگلی آیتوں میں دعویٰ توحید کا اعادہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسئلہ توحید کو چھپانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلے بیان ہوا۔ **۲۹۷** یہاں دعویٰ توحید کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ بھی ہوگیا کہ سب سے پہلے جس چیز کا اظہار واجب ہے اور جس کا چھپانا کسی حال میں بھی جائز نہیں وہ توحید ہے۔ لما حذر تعالیٰ من کتمان الحق بین ان اول ما یجب اظہارہ ولا یجوز کتمانہ امر التوحید (قرطبی ص۱۹۰ ج ۲) اور اعادہ دعویٰ کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شروع میں تو شرک فی الدعاء کی نفی تھی۔ اب یہاں سے شرک فعلی کی نفی مقصود ہے یعنی جس طرح اللہ کے سوا کوئی پکارنے کے لائق نہیں اسی طرح اللہ کے سوا نذر ومنت کا مستحق بھی کوئی نہیں اور نہ ہی کسی کی تعظیم کے لئے سانڈ وغیرہ چھوڑنے جائز ہیں جیسا کہ آگے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةَ الخ میں غیر اللہ کی نذر ونیاز اور کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا الخ میں تحریمات لغیر اللہ کا بیان آرہا ہے۔ اِلٰهٌ سے مراد وہ ذات ہے جو عالم الغیب، قادر علی الاطلاق، مالک ومختار، حاجت روا ومشکلکشا ہونے کی وجہ سے تمام عبادات مالیہ، بدنیہ، اور لسانیہ کی مستحق ہو، جسے حاجات میں پکارا جائے، مصائب وبلیات میں جس کی پناہ ڈھونڈی جائے جس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی نذریں اور منتیں دی جائیں۔ اور رنج وبلا اور قحط ووبا میں جس کی دوہائی دی جائے اس سے مدد طلب کی جائے۔ اور واحد سے مراد یہ ہے کہ وہ بے مثل اور یگانہ ہے۔ ذات وصفات میں بے نظیر ہے، اور استحقاق عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ واکثر الناس علی ان الواحد ھنا بمعنی لا نظیر له ولا شبیه فی ذاته ولا فی صفاته ولا فی افعاله..... واصح الاقوال عند ذوی العقول السلیمة انه الذی لا نظیر له ولا شبیه له فی استحقاق العبادة (روح ص۳۰ ج ۲) فرد فی الوھیته لا شریک له فیھا ولا یصح ان یسمی غیرہ الٰھا (مدارک ص۷۶ ج ۱) لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ لا نفی جنس کے لئے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور اِلَّا بمعنی غَیۡرُ ہے ای لا اله موجود غیرہ یعنی نفس الامر اور عالم وجود میں اللہ کے سوا کسی الٰہ کا نام ونشان تک موجود نہیں۔ پہلے جملہ سے اس بات کی نفی کی ہے کہ دنیا میں مستحق عبادت صرف اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ تو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید دنیا میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہو لیکن مستحق عبادت نہ ہو، تو اس جملہ میں سرے سے وجود الٰہ ہی کی نفی فرمادی۔ وھو مزیح علی ماقیل لما عسی ان یتوھم ان فی الوجود الٰھا لکن لا یستحق العبادة (روح ص۳۱ ج ۲) **۲۹۸** یہ دونوں صفتیں دعوائے توحید پر بطور دلیل لائی گئی ہیں۔ کیونکہ رحمٰن تو وہ ہے جس نے ہمیں دنیوی انعامات سے مالا مال فرمایا ہے۔ اور رحیم وہ ہے جو آخرت میں ہم پر اپنی رحمت خاصہ کے دروازے کھولے گا۔ جب دنیا وآخرت میں وہی ہمارا ولی نعمت اور محسن ومربی ہے اور باقی ساری کائنات ارضی وسماوی اور مخلوقات نوری وناری اور خاکی سب اس کی محتاج ودست نگر ہے تو وہی رحمٰن ورحیم ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی علوی یا سفلی، ارضی یا سماوی، نوری، ناری یا خاکی عبادت کا مستحق نہیں۔ نہ پکارنے کے لائق نہ نذر ومنت کے۔ یہاں تک تو دعویٰ توحید کا اعادہ تھا۔ آگے اس کے اثبات کے لئے عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جو مختلف سات دلیلوں پر مشتمل ہے۔ **۲۹۹** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ معطوفات اِنَّ کی خبر ہے۔ زمین وآسمان کا پیدا کرنا اور نہ صرف ان کی ذوات کو بلکہ ان کے دیگر متعلقات کو اور پھر فضائے آسمانی اور بطن ارضی میں بے بہا خزانوں کو پیدا کرنا یہ اس کی توحید کی پہلی عقلی دلیل ہے۔ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ یعنی رات دن کی آمد ورفت، روشنی اور تاریکی میں، کمی اور زیادتی میں ان کا یہ اختلاف یہ دوسری دلیل ہے۔ تیسری دلیل وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ یہ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ پر معطوف ہے۔ لفظ فُلک مفرد وجمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بطور جمع استعمال ہوا ہے۔ بِمَا میں مَا مصدریہ ہے یا موصولہ۔ یعنی جو بحری جہاز سمندروں میں مال تجارت لے کر نقل وحرکت کرتے ہیں، یہ بھی خدا کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے۔ چوتھی دلیل وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ ـــــ الفلك پر معطوف ہے۔ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا آسمانوں سے بارش کا اتارنا، پھر اس کے ذریعے خشک اور بنجر زمین کو سرسبز اور شاداب کرنا اور اس میں ہر قسم کی سبزیاں، غلے، پھل پھول اور جڑی بوٹیاں پیدا کرنا یہ سب اس کی وحدانیت کے منہ بولتے دلائل ہیں۔ پانچویں دلیل وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ یہ اَنۡزَلَ پر معطوف ہے۔ یعنی ہر قسم کے چوپائے اور جانور زمین میں پھیلا دیئے۔ چھٹی دلیل۔ وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ یہ مَاۤ اَنۡزَلَ پر معطوف ہے۔ اور تصریف الریاح سے ہواؤں کا مختلف سمتوں سے چلنا اور مختلف اوصاف سے متصف ہونا مثلاً سرد، گرم، تیز اور آہستہ وغیرہ۔ ساتویں دلیل وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ بادل کے زمین وآسمان کے درمیان

مسخر اور تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو زمین پر اتر آتا ہے اور نہ ہی آسمانوں میں اتنی بلندی پر چلا جاتا ہے جہاں ہمارے لئے اس میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ فضا میں معلق رہتا ہے اور خدا کے حکم سے ہوائیں اسے ادھر ادھر لئے پھرتی ہیں (قرطبی ص۲۰۱ ج ۲، روح ص۳۳ ج ۲) لَاٰیٰتٍ یہ اِنَّ کا اسم ہے اور اس کی تنکیر تفخیم شان کیلئے ہے یعنی امور مذکورہ میں بہت زیادہ اور بہت بڑی دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ، رحمت واسعہ اور زبردست حکمت و دانائی پر دلالت کرتی ہیں اور ان سب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عبادت، کا مستحق صرف اللہ ہی ہے لِقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ یعنی دلائل صرف غور و فکر اور سوچ بچار کرنے والوں کے لئے ہیں۔ بلاشبہ اگر ان دلائل میں فکر و تامل کیا جائے تو ان سے خداوند ذوالجلال کی دانائی و وحدانیت کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے اور دل اس حقیقت پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر قسم کی عبادت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت، گہری حکمت اور وسیع علم کا مالک ہے۔ اس کی رحمت و شفقت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہے۔

تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ

مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا

نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے

وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ

اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور

السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ

بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان

لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ

سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں

دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ کَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیۡنَ

اللہ کے برابر اوروں کو ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی ن۳۰ اور

اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ

ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی ن۳۱ اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ

یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

دیکھیں گے عذاب کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا

شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ

عذاب سخت ہے ن۳۲ جبکہ بیزار ہو جائیں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ

الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَرَاَوُا الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ

جو ان کے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے انکے

الۡاَسۡبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّةً

سب علاقے ن۳۳ اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا ملتا

مراد ترجمہ بالا سے مشرکین جو شرک اعتقادی کے ساتھ شرک فعلی بھی کرتے تھے ۱۲

پھر ان تمام صفات و افعال میں وہ واحد و یکتا ہے۔ ان افعال میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ حصر مخاطبین کے عقائد کے مطابق ہے، کیونکہ مشرکین مکہ ان تمام امور کو خدا ہی کے ساتھ مخصوص مانتے تھے اور ان افعال میں وہ کسی کو خدا کا شریک نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ خود قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے۔ تو جب ان تمام صفات و افعال میں وہ یکتا و بے ہمتا ہے تو پھر استحقاقِ عبادت میں بھی اسے واحد و یکتا ہی سمجھو۔ اسی کے سامنے جھکو، اسی کو پکارو اور اسی کی رضاجوئی کے لئے نذریں اور منتیں دو۔

یہاں دعویٰ توحید کے اعادہ سے شرک فعلی یعنی غیر اللہ کی نذر و نیاز اور تحریمات لغیر اللہ کی تردید مقصود ہے اور اسی پر یہ سات عقلی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ساتوں دلائل نہایت لطیف اور دلنشیں پیرایہ میں اس دعویٰ پر منطبق ہوتے ہیں۔ نذر و منت ہمیشہ تین چیزوں سے دی جاتی ہے۔ (۱) زمین کی پیداوار مثلاً غلے، پھل، میوے اور کپڑے وغیرہ (۲) جانور۔ (۳) نقد روپیہ اللہ تعالیٰ نے یہ عقلی دلیل اس بات پر قائم فرمائی ہے کہ تینوں چیزوں میں سے کسی چیز کی نذر و منت خدا کے سوا کسی کے لئے عقلاً جائز نہیں اور صرف خدا ہی ہر قسم کی نذر و منت کا مستحق ہے۔ دلیل کے دعویٰ پر انطباق کی صورت حسب ذیل ہے۔ غلے پھل وغیرہ سب زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ زمین اپنی قوت نامیہ کے ذریعہ ان کی پرورش کرتی ہے۔ بارش کے ذریعہ زمین کی قوتِ نامیہ میں اضافہ ہوتا ہے اور بارش ہی سے یہ قوت زمین میں محفوظ رہتی ہے اور بارش ہی سے کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتی ہیں۔ رات کے وقت چاند اور ستاروں کے اثرات سے پھلوں اور میووں کے ذائقوں اور رنگوں کی تکمیل ہوتی ہے دن کی گرمی اور رات کی شبنم، کھیتوں، پھلوں اور میووں کو پختگی کی حد تک پہنچاتی ہے اور پھر ہر جاندار اور ذی روح (جس کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے) کی زندگی اور حیات زمین کی مذکورہ بالا پیداوار پر ہی موقوف ہے۔ اس کے بعد زمین کی اس پیداوار اور ان جانوروں کے ذریعہ ہی تم اپنے ملک میں اور بحری جہازوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں میں تجارت کر کے دولت کماتے ہو۔ تو یہ تینوں چیزیں زمین کی پیداوار جانور اور دولت تم جن جن ذرائع واسباب سے حاصل کرتے ہو ان تمام ذرائع اور اسباب کا خالق تم بھی مانتے ہو کہ اللہ ہی ہے اور یہ تمام اسی کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہیں اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔ اور تم نے جو خدا کے سوا معبود بنا رکھے ہیں ان میں سے کسی نے ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں بنائی اور نہ ہی ان کو ان چیزوں کا علم ہے۔ تو اب عقل و دانش اور جذبۂ شکرگذاری و نعمت شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ اس رحمٰن و رحیم اور محسن و منعم کے ان بے پایاں احسانات و انعامات کا شکر ادا کرنے اور اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے اسی کی نذریں، نیازیں اور منتیں دی جائیں۔ زمین کی پیداوار میں اسی کے نام کا حصہ مقرر کیا جائے۔ روپیہ اسی کے نام پر خرچ کیا جائے۔ جانور اسی کا تقرب ڈھونڈنے کیلئے اسی کی تعظیم کے لئے اسی کے نام پر قربان کئے جائیں ن۳۰ یہ مشرکین کے لئے زجر ہے توحید پر عقلی دلائل قائم کرنے کے بعد ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو ان واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر شرک کرتے ہیں اور اپنے معبودوں کے ساتھ خدا کی محبت کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ اَنۡدَادًا۔ نِدٌّ کی جمع ہے جس کے معنی مثل اور مشابہ کے ہیں اور یہاں انداد سے مراد اوثان ہیں۔ یعنی پتھر کی وہ مورتیاں جو مشرکین نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شکل و صورت

پربنا رکھی تھیں اور ان سے محبت اور تعظیم کا وہی معاملہ کرتے تھے جو انہیں خدا سے کرنا چاہئیے تھا۔ خداوند تعالیٰ چونکہ خالق و مالک اور محسن و منعم ہے لہٰذا اس کی محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کے سامنے جھکا جائے، اسی سے مانگا جائے اور اسی کی نذر و منت دی جائے۔ مگر مشرکین یہی معاملات اپنے انداد سے کرتے ہیں جنہیں انہوں نے خدا کے سوا کارساز بنا رکھا ہے۔ ان کی عبادت کو خدا کے تقرب کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ ان سے نفع و نقصان کی امید رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں ان کے لئے نذریں مانتے اور ان کی خوشنودی اور تعظیم کے لئے بحیرہ، سائبہ چھوڑتے ہیں۔ انہا ھی الاوثان التی اتخذوھا آلھۃ لتقربھم الی اللہ زلفًا ورجوا من عندھا النفع والضر وقصدوھا بالمسائل ونذروا لھا النذور وقربوا لھا القرابین وھو قول اکثر المفسرین (کبیر ص ۱۰ ج ۲)
بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں انداد اور اوثان و اصنام سے پتھر کے تراشیدہ بت مراد ہیں مشرکین انہیں کو سب کچھ سمجھتے تھے اور انہیں کے لئے سب کچھ کرتے تھے۔ مگر یہ سمجھنا نادانی ہے کیونکہ بت تو انہوں نے محض توجہ کی یکسوئی اور یادگار کے طور پر رکھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ عبادت و تعظیم کا جو سلوک کرتے تھے وہ محض اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کے بزرگوں کے مجسمے اور ان کی یادگاریں ہیں اور اس عبادت و تعظیم سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہمارے بزرگوں کی ہمیں خوشنودی حاصل ہو جائے اور وہ ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر دیں۔ اگر کوئی شخص بت نہ بنائے اور بت کے بغیر ہی اللہ کے نیک بندوں سے محبت و عقیدت اور عبادت و تعظیم کا وہی برتاؤ کرے جو اسے اللہ سے کرنا چاہئیے مثلاً اسے عالم الغیب، مالک و مختار، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کے نام کی نذر نیاز دے اور اس سے نفع و نقصان کی توقع رکھے تو اس شخص نے اس اللہ کے نیک بندے کو خدا کا ند بنایا اور اسے اس وحدہٗ لاشریک کا مثل اور شریک ٹھہرایا۔ کیونکہ اس نے اس سے محبت کا وہ معاملہ کیا جو اسے صرف خدا ہی سے کرنا چاہئیے تھا۔ اس لئے یہاں انداد کے تحت ہر وہ شخص اور ہر وہ چیز مندرج ہے جس سے خدا کی محبت کا سا سلوک کیا جائے۔ **ف ۳۰۱** مشرکین نے تو خدا کی محبت میں کئی ایک شریک بنا رکھے ہیں لیکن مومنین خدا کی محبت میں کسی کو اس کا مثل اور شریک نہیں سمجھتے اور غیر خدا کے ساتھ خدا کی محبت کا سا سلوک نہیں کرتے اور خدا کی محبت ان کے دلوں میں ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہے۔ محبت کے درجات مختلف ہیں۔ خدا کی محبت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، بزرگان دین کی محبت، ماں باپ کی محبت، بھائی بہنوں کی محبت، اولاد کی محبت وغیرہ۔ ہر ایک سے محبت کا وہی سلوک کیا جائے گا جو اس کے شایان شان اور مناسب حال ہو۔ خدا کی محبت یہ ہے کہ اسی کی عبادت بجا لائے، اسی کو پکارے، اسی سے مانگے، اسی کی نذر و منت دے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ پیغمبر علیہ السلام کی محبت یہ ہے کہ آپ کو خدا کا سچا اور آخری رسول مانے۔ دل و جان سے آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے، آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے اور اسی میں اپنی سعادت اور نجات سمجھے۔ بزرگان دین کی محبت یہ ہے کہ انہیں اپنے پیشوا سمجھے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اب کوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے لگے۔ آپ کو مالک و مختار سمجھ کر پکارنے لگے۔ آپ کی نذریں منتیں دینے لگے تو وہ محب رسول نہیں بلکہ مشرک ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے پیر و مرشد کو مثیل رسول سمجھنے لگے اور شریعت کے احکام میں اسے پیغمبر کی طرح اتھارٹی ماننے لگے تو وہ بھی اس اندھی محبت کی وجہ سے۔

فَتَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ
تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے **ف ۳۰۳** اسی طرح ہر دکھلائیگا
اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو **ف ۳۰۴** اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں
مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ
نار سے **ف ۳۰۵** **ف ۱** اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے
حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
حلال پاکیزہ **ف ۳۰۶** اور پیروی نہ کرو شیطان کی **ف ۳۰۷**
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ
بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح **ف ۲** وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو برے کام
وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
اور بے حیائی کرو **ف ۳۰۸** اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جو تم نہیں جانتے **ف ۳۰۹** **ف ۳**
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ
اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو
نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ
تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو **ف ۳۱۱** بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے
لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ **ف ۴** اور مثال ان
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً
کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے
وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
اور چلانے کے **ف ۳۱۲** بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے **ف ۵**

ع ۲۰

۱ تحریمات مشرکین کا بیان ۱۲
۲ یعنی بحیرہ سائبہ نہ بناؤ ۱۲
۳ مراد ننگے ہو کر طواف کرنا ۱۲

موضح قرآن **ف ۱** جن کو لوگ پوجتے ہیں سوا اللہ کے وہ اس روز پوجنے والوں کو جواب دیں گے اور ان کی امید سب طرف سے ٹوٹے گی اور افسوس کھاویں گے اس وقت کچھ فائدہ نہیں افسوس کا یہاں سے بت پرستوں کا احوال ہے **ف ۲** عرب کے لوگوں نے دین ابراہیم کئی طرح بگاڑا تھا اول سوا خدا اوروں کو پوجنے لگے اور ان کی نیاز جانور ذبح کرتے کہ وہ مردار ہوتا ہے اور کفر ہے اور مویشی میں سے کئی چیزیں حرام ٹھہرالیں سورۂ مائدہ اور انعام میں جن کا بیان ہے اور گوشت خوک حلال سمجھا ان باتوں پر اللہ تعالیٰ ان کو الزام دیتا ہے۔ **ف ۳** یعنی مسئلے اپنی طرف سے بنالو جیسے اب بھی غلط العام بہت ٹھہرے ہیں ۱۲، **ف ۴** یعنی جب معلوم ہوا کہ باپ دادوں کی رسم خلاف حکم خدا ہے پھر اس پر نہ چلئے **ف ۵** یعنی ان کافروں کو سمجھانا ایسا ہے جیسا کوئی جنگل کے جانوروں کو بلاوے وہ سوائے آواز کچھ نہیں سمجھتے یہی حال ہے جو شخص کہ آپ علم نہ رکھے اور علم والوں کی بات قبول نہ کرے۔ ۱۲

فتح الرحمٰن **ف ۱** مترجم گوید اہل جاہلیت چیزہا از نزد خویش حرام ساختہ بودند مانند بحائر و سوائب خدائے تعالیٰ در رد ایشاں نازل کرد واللہ اعلم ۱۲۔

کا فر ہو جائے گا۔ اس لئے ہر ایک سے اس کے مناسب حال محبت کرنی لازم ہے۔ ۳۰۲ یہ مشرکین کے لئے تخویف ہے۔ اس آیت میں دو ترکیبیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شدید العذاب کے بعد محذوف ہے یعنی لما فعلوا اور یری کا مفعول حال انفسھم محذوف ہے اور اذ یرون العذاب ظرف یری کے متعلق ہے اور عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے اور ان القوۃ سے پہلے باسببیہ محذوف ہے اور یہ اذ یرون کا سبب ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ قیامت میں جب وہ اللہ کا عذاب دیکھیں گے اس وقت ان کا کیا حال ہو گا تو وہ ہرگز شرک نہ کریں اور وہ عذاب اس لئے پائیں گے کہ قیامت کے دن سارا زور اور اختیار صرف اللہ کا ہو گا اور اس کا عذاب نہایت سخت ہو گا اور جن کو مشرکوں نے اپنے سفارشی اور حیلہ ساز سمجھا ہوا تھا وہ سب بے بس اور عاجز ثابت ہوں گے۔ اس صورت میں اذ تبرأ ، اذ یرون العذاب سے بدل ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لَوْ تمنی کے لئے ہے جس کا جواب نہیں ہوتا۔ یری بمعنی یعلم ہے (قرطبی ص۲۰۴ ج ۲) اور عذاب سے دنیوی عذاب مراد ہے ان القوۃ الخ اور اَنَّ اللہَ الخ منصوب بنزع خافض۔ یری کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کاش یہ مشرک جب دنیا میں مصائب و آلام کی صورت میں خدا کا عذاب دیکھتے تھے اس وقت وہ اس بات کا یقین کر لیتے کہ ہر قسم کی قوت و طاقت اور تصرف و اختیار صرف خدا ہی کو حاصل ہے اور اس کی گرفت نہایت زبردست ہے اور یہ بات ان کی سمجھ میں آ جاتی کہ اللہ کے سوا کوئی پیغمبر یا ولی یا پیر و فرشتہ ناصر و مددگار اور مختار و متصرف نہیں اور نہ اللہ کے عذاب سے کوئی بچا سکتا ہے۔ اس صورت میں اِذْ تَبَرَّاَ تخویف اخروی کے لئے استیناف ہو گا۔ ۳۰۳ یہ تخویف اخروی ہے قیامت کے دن جب مشرکین اپنے معبودوں اور مشرک پیشواؤں اور پیروں کو مدد کے لئے پکاریں گے تو وہ ان سے جدا ہو جائیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اس آیت میں قیامت کا یہ حسرتناک منظر پیش کیا گیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا (یعنی متبوعین) سے یہاں مشرک علماء اور رؤساء مراد ہیں جو دنیا میں اپنے ماننے والوں اور ماتحتوں کو شرک سکھایا کرتے تھے اور توحید سے انہیں دور رکھا کرتے تھے۔ انھم السادۃ من مشرکی الانس (کبیر ص۱۱ ج ۲) بِھِمُ میں ب بمعنی عن ہے اور اسباب سے مراد محبت، نسل اور دین کے وہ تعلقات ہیں جن کو مشرکین نے اپنی نجات کے لئے کافی سمجھ رکھا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منظر بھی سامنے لاؤ جب متبوعین یعنی شرک کے داعی اور مبلغ اپنے ماننے والوں سے بیزار ہو کر ان سے جدا ہو جائیں گے۔ اپنا بد انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام باہمی مزعومہ رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ چنانچہ متبوعین ان سے صاف کہہ دیں گے اَنَحْنُ صَدَدْنٰکُمْ عَنِ الْھُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَکُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ (سورۂ السبا ع ۴) ۳۰۴ مشرکین انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے اور ہم ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح آج انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو ہم کبھی شرک نہیں کریں گے اور صرف اللہ ہی کی عبادت کریں گے اور ان گمراہ کرنے والوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے فلا نلتفت الیھم بل نوحد اللہ وحدہ بالعبادۃ (ابن کثیر ص۲۰۴ ج ۱) ۳۰۵ کذٰلک یہاں ویسا ہی ہے جیسا کہ کذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطًا میں ہے اور رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور حسرات اعمالھم سے حال ہے و حال من اعمالھم ان کانت بصریۃ (روح ص۳۷ ج ۲) یعنی اس طرح ان کے مزعومہ اسباب نجات کو باطل کر کے اور ان کی آرزوؤں پر پانی پھیر کر ہم ان کے اعمال کو سراپا حسرت و ندامت بنا کر ان کو دکھائیں گے یعنی ان کی وہ تمام عبادتیں جو دنیا میں انہوں نے کی تھیں شرک کی وجہ سے سب رائیگاں جائیں گی اور آخرت میں حسرت و ندامت کے بغیر انہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ۳۰۶ اور وہ کفار و مشرکین کبھی جہنم سے نہیں نکل سکیں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفار اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ دلیل علی خلود الکفار فیھا وانھم لا یخرجون منھا (قرطبی ص۲۰۷ ج ۲) وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ کی ترکیب مسند الیہ میں نفی حصر کا فائدہ دیتی ہے یعنی خروج من النار کی نفی کفار میں محصور ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو مومن گنہگار اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں جائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے جیسا کہ معتزلہ و خوارج کا خیال ہے۔ المتبادر فی امثالہ حصر النفی فی المسند الیہ ...... ففیہ اشارۃ الی عدم خلود عصاۃ المؤمنین الداخلین فی قولہ تعالٰی والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ فی النار (روح ص۳۷ ج ۲) ۳۰۷ دلائل توحید اور مشرکین کے لئے تخویف اخروی کے بعد اب آگے شرک فعلی کی دونوں قسموں یعنی تحریم لغیر اللہ اور نذر لغیر اللہ یا بالفاظ دیگر تحریمات مشرکین اور نیازات مشرکین کی تردید کی گئی ہے۔ مشرکین اپنے معبودوں کو خوش کرنے کے لئے دو قسم کا شرک فعلی کیا کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ جانوروں کو اپنے معبودوں کے لئے نامزد اور معین کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ وہ جہاں چاہیں بلا روک ٹوک گھومیں پھریں اور کھائیں پئیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے ہمارے معبود ہم پر خوش اور مہربان ہو جائیں گے اور آڑے وقت ہماری مدد کریں گے اور ہمارے مال و جان میں برکت دیں گے اور ہم سے بیماری اور تکلیف دور کریں گے۔ ایسے جانوروں کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ بنایا ہوا تھا کہ ان کا کھانا، ان کا دودھ پینا اور ان سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔ وہ اس کے کھانے اور اس سے انتفاع کو حرام سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے اس جانور کو استعمال کیا یا اسے کوئی تکلیف پہنچائی تو ہمارے معبود ہم پر ناراض ہو جائیں گے اور ہمیں تکلیف پہنچائیں گے تو یہ مشرک اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے معبودوں کی خوشی کے لئے محض اپنے وہم باطل اور خیال خام کے تحت حرام کر دیتے تھے حالانکہ انہیں اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ تو تحریمات مشرکین یا تحریمات لغیر اللہ ہیں۔ شرک فعلی کی دوسری قسم یہ تھی کہ وہ مصائب سے نجات اور مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے معبودوں کی نذریں اور منتیں مانتے تھے۔ مثلاً کہتے تھے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا یا فلاں مصیبت ٹل گئی تو ہم فلاں معبود کے استھان اور اس کی عبادت گاہ پر غلہ، نقدی، کپڑا یا کوئی جانور بطور نذر و نیاز لے جائیں گے یا وہاں لے جا کر غرباء میں تقسیم کر دیں گے۔ اور کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ حاجت اور مصیبت کے بغیر ہی اپنے مال مویشی میں اپنے معبودوں کا حصہ مقرر کر دیتے تھے اور اس سے ان کا مقصد ہوتا تھا کہ ہمارے معبود ہم سے خوش رہیں گے اور ہمارے مال و جان میں برکت دیں گے اور ہمارے مال و جان کو مصائب اور بیماریوں سے محفوظ رکھیں گے۔ یہ نذور مشرکین یا نذور لغیر اللہ کہلاتی ہیں اور ان کے متعلق مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے حالانکہ یہ چیزیں تقرب غیر اللہ کیلئے نامزد ہو جانے کی وجہ سے حرام ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی تعیینات اور تخصیصات کا حکم بیان فرمایا۔ جو مشرکین نے اپنے زعم میں جائز کر رکھی تھیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جن حلال و طیب چیزوں کو تم نے اپنی طرف سے حرام کر رکھا ہے وہ حلال ہیں ان کو کھاؤ اور جو نذریں نیازیں تم نے غیر اللہ کی خوشنودی اور تعظیم کے لئے مقرر کر رکھی ہیں اور انہیں تم حلال سمجھتے ہو، وہ قطعاً حرام ہیں انہیں مت کھاؤ۔ چنانچہ پہلے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا سے اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ تک تحریمات مشرکین یعنی تحریم لغیر اللہ کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اِنَّمَا حَرَّمَ سے لَفِیْ شِقَاقٍۢ بَعِیْدٍ تک نذر لغیر اللہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت ان جانوروں کی حلت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئی جن کو بعض لوگوں نے بالکل حرام کر رکھا تھا یعنی بحیرہ سائبہ وغیرہ قال ابن عباس رض نزلت الاٰیۃ فی الذین حرموا علی انفسھم السوائب والوصائل والبحائر (کبیر ص۱۳ ج ۲) انھا نزلت فی ثقیف وخزاعۃ وبنی مدلج فیما حرموہ علی انفسھم من الانعام (قرطبی ص۲۰۹ ج ۲) اس آیت میں حلالاً طیبًا سے وہ حلال جانور مراد ہیں جو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ، سائبہ وغیرہ وقد فسرھا بعضھم بالبحیرۃ والسآئبۃ والوصیلۃ والحام یعنی کلوا البحیرۃ واخواتھا ولا تاکلوا المیتۃ واخواتھا (تفسیر احمدی ص۳۲) اس مسئلہ کی مزید تحقیق سورۂ مائدہ ع ۱۴ میں آئے گی۔ اس آیت سے تمام

حلال اشیاء سے انتفاع کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ ۳۰۸ے خطوات خطوۃ کی جمع ہے یعنی نقوش قدم ای آثارہ کما حکی عن الخلیل (روح ص۲۹ ج ۲) اور اس سے وہ تمام گمراہی کے طریقے مراد ہیں جو شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اور اس کے جاری کئے ہوئے طریقوں مثلاً تحریمات لغیر اللہ وغیرہ سے پرہیز کرو۔ وھی طرائقه ومسالکه فیما اضل اتباعه فیه من تحریم البحائر والسوائب والوصائل ونحوھا (ابن کثیر ص۲۰۳ ج ۱) یہ شیطان سے نفرت دلانے کے لئے فرمایا یعنی شیطان تو تمہارا علانیہ دشمن ہے وہ ہمیشہ تمہیں ہلاکت وتباہی کی راہ ہی بتائیگا ۳۰۹ے اِنَّمَا کلمہ حصر ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ شیطنت ہی کرے گا۔ اس سے بھلائی یا خیر خواہی کی کوئی توقع نہیں۔ السُّوْٓءِ سے مراد وہ افعال ہیں جو عقلاً برے اور قبیح ہوں اور الفحشاء وہ جنکو شرعیت نے بھی برا ٹھہرایا ہو۔ یہاں الفحشاء سے طواف بحالت عریانی مراد ہے۔ مشرکین ننگا طواف کرنے کو بھی اپنے معبودوں کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے اس لئے باقی امور شرکیہ کے ساتھ اس سے بھی منع فرمایا۔ ۳۱۰ے یہ السُّوْٓءِ پر معطوف ہے۔ قول لغیر علم سے یہاں خدا پر افتراء مراد ہے یعنی جس طرح شیطان دیگر بُرے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح وہ دین کے بارے میں خدا پر بہتان تراشی پر اکساتا ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات نفس کو دین کہتے ہیں، وہ خدا پر افتراء کرتے ہیں کیونکہ ان کی خواہشات کو خدا نے دین نہیں بنایا۔ چنانچہ خدا کی حلال چیزوں کو حرام کرنا اور حرام چیزوں کو حلال ٹھہرانا اور برہنہ ہو کر طواف کرنے کو عبادت سمجھنا یہ سب خدا پر افتراء اور شیطان کا فریب ہے ۳۱۱ے مشرکین اپنے باپ دادا کی دیکھا دیکھی شرک کرتے تھے اور انہی کی تقلید میں اپنی طرف سے اشیاء کی تحریم کرتے تھے۔ جب انہیں کہا جاتا کہ ان آبائی رسموں کو چھوڑ کر خدا کی کتاب کی پیروی کرو تو ان کا جواب یہ تھا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین ہی کی پیروی کرینگے اور اس کے مقابلہ میں کسی اور دین کو نہیں مانیں گے۔ یہ ان کی جہالت اور ضد وجمود کی حد تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگے اس کا جواب دیا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یعنی اگر ان کے آباء واجداد صاحب علم ہوتے، توحید کو جانتے ہوتے اور راہ ہدایت پر ہوتے اور پھر یہ لوگ ان کا اتباع کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔ تو کیا اگرچہ وہ دین سے ناواقف اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں پھر بھی یہ ان کا اتباع کریں گے۔ ۳۱۲ے یہ کفار و مشرکین کی مثال ہے جو اندھا دھند اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ مَا اسم موصول ہے، اور اس سے مراد چوپائے ہیں جو آواز تو سنتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں۔ یہ مشرکین کی نادانی اور بے حسی کی مثال ہے یعنی جس طرح ایک چوپائے کو آواز دی جائے تو وہ آواز تو سن لے گا لیکن جو کچھ اس کو کہا گیا ہے اس کا مطلب نہیں سمجھے گا۔ اسی طرح ان کا حال ہے کہ یہ آواز تو سن لیتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں عن مجاھد کمثل الذی ینعق مثل ضربه اللہ لمن یسمع مایقال له ولا یعقل کمثل البھیمة تسمع النعیق ولا تعقل (ابن جریر ص۴۶ ج ۲) یہ آواز حق سے بہرے ہیں کیونکہ اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے اور حق بات کا اقرار کرنے کے لئے ان کی زبانیں گونگی ہیں اور وہ سیدھی راہ سے اندھے ہیں۔ جب علم کے تمام راستے ہی بند ہیں تو کیا خاک سمجھیں گے۔ ۳۱۳ے پہلے عام انسانوں سے خطاب تھا۔ اب مسلمانوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ مشرکین کی طرح حلال وحرام کے بارے میں من مانی نہ کریں اور جن چیزوں کو ہم نے حلال کیا ہے ان کو نہ صرف حلال سمجھیں بلکہ ان کو کھائیں اور اس طرح اپنے عمل سے بھی اپنے اعتقاد کی تصدیق کر دیں بعض اوقات انسان ایک چیز کو عقیدے کی حد تک تو مان لیتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے جھجکتا ہے اس لئے ایمان والوں سے

[Margin notes: illegible]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور شکر کرو اللہ کا ۳۱۴ے اگر تم اسی کے بندے ہو اس نے تم پر

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ

اور جس جانور پر پکارا جائے اللہ کے سوا کسی کا نام ۳۱۴ے پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور

لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۳۱۵ے بے شک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ف ۱ ف ۱

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ

کتاب ۳۱۶ے اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول وہ

مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ ۳۱۷ے اور نہ بات کریگا ان سے

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اللہ قیامت کے دن ۳۱۸ے اور نہ پاک کریگا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

دردناک یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى

بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ

موضح قرآن ف یعنی مواشی جتنی ہی چیزیں حرام ہیں سو بھی جب آدمی بھوک سے مرنے لگے تو یہ بھی معاف ہیں بشرطیکہ بے حکمی نہ کرے یعنی نوبت اضطرار کی نہیں پہنچی اور کھانے لگے اور نہ زیادتی نہ کرے قدر ضرورت کھائے ۱۲

فتح الرحمن ف۱ مترجم گوید اگر گوئی کہ دریں آیت حصر کردہ شد تحریم را در اشیاء مذکورہ حالانکہ در حدیث سباع و حمار و مانند آنرا نیز حرام شمردہ شدہ است پس وجہ تطبیق چہ باشد گویم حصر اضافی است بہ نسبت بحائر و سوائب کہ مام می دانستند پس در بہیمۃ الانعام ہیچ چیز حرام نیست غیر اشیاء مذکورہ و در خبائث و سباع مانند آں سخن نداشتند ۱۲

ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی دل و جان سے تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو اور تحریمات لغیر اللہ کے ذریعے شرک سے سچی توبہ کر چکے ہو تو اس بات کا عملی ثبوت بھی دو اور وہ یہ ہے کہ سائبہ بحیرہ وغیرہ کو کھاؤ اور ان سے فائدہ اٹھاؤ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ ابھی تم خالص اللہ کی عبادت نہیں کر رہے ہو بلکہ تمہارے اعمال میں ابھی شرک کا شائبہ موجود ہے۔ اور پھر اللہ کا شکر بھی بجا لاؤ جس نے تم کو یہ حلال چیزیں عطا فرمائی ہیں کیونکہ اس کا شکر بھی ایک بہت بڑی عبادت ہے اور اس کے بغیر عبادت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کی دی ہوئی حلال چیزوں کا ایک شکریہ یہ بھی ہے کہ انہیں شرک کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اپنی طرف سے ان کو حرام نہ کیا جائے۔ **۳۱۴** اب یہاں سے ان چیزوں کی حرمت کا بیان شروع ہوتا ہے جن کو مشرکین حلال سمجھتے تھے۔ اس آیت میں حصر کے ساتھ چار چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے (۱) مردار (۲) بہنے والا خون (۳) خنزیر (۴) نذر لغیر اللہ۔ اب ایک اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اِنَّمَا کلمۂ حصر استعمال کر کے حرام چیزوں کو صرف چار میں بند کر دیا ہے حالانکہ ان چار چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت خود قرآن میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہے تو پھر اس حصر کا کیا مطلب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چوپایوں کی حلت و حرمت کا کوئی قانون بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف مشرکین کی خود ساختہ تحلیل کی تردید ہے۔ مشرکین نے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں آئے گا، اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ حرام نہیں ہیں بلکہ حرام تو صرف یہ اشیاء ہیں۔ لیس المراد من الاٰیة قصر الحرمة علیٰ ما ذکر مطلقًا کما ھو الظاھر ... بل مقید بما اعتقدوه حلالًا (روح ص۴۳ ج ۲) میتة سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کئے یا ہلاک کئے بغیر از خود مر جائے یا اسے ذبح تو کیا جائے لیکن وہ ذبح شرعی طریقہ کے مطابق نہ ہو۔ وھی التی ماتت من غیر ذکوٰة شرعیة (روح ص۴۲ ج ۲) جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے باقی تمام اجزا سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں۔ البتہ اس کے بال، ہڈی بشرطیکہ اسے تمام رطوبتوں سے پاک صاف کر لیا گیا ہو اور اس کا چمڑہ دباغت (رنگائی) کے بعد پاک ہیں۔ ان کا استعمال جائز ہے اور دَم (خون) سے مراد دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو جانور کے بدن کے کسی حصے سے بہہ کر نکلے جیسا کہ ذبح کے وقت رگوں سے خون نکلتا ہے۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ خنزیر کے تمام اجزا یعنی گوشت کھال، ہڈی، چربی، بال وغیرہ سب حرام ہیں۔ اس کے بدن کے کسی حصے سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ وہ نجس العین ہے اور گوشت کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ گوشت ہی جانور کا مقصودی اور ضروری حصہ ہوتا ہے جب وہ حرام ہے تو باقی اجزا بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔ ان محرمات میں سے چوتھی چیز مَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ہے اُھِلَّ اِھْلَال سے ہے جس کے معنے آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں۔ الاھلال اصله رفع الصوت (کبیر ص۱۲ ج ۲) یعنی وہ جانور بھی حرام ہیں جنہیں غیر اللہ کے نام پر شہرت دیدی جائے۔ اور غیر اللہ کی تعظیم اور خوشنودی کے لئے نامزد کر دیا جائے ———— مثلاً اگر کسی مشرک نے اپنے معبود کے لئے بکرا یا مرغا نامزد کر دیا یا کسی مسلمان نے کسی نبی یا ولی کے لئے کوئی جانور نامزد کر دیا اور مقصد یہ رکھا کہ یہ راضی ہو جائیں گے اور میری حاجت پوری کر دیں گے یا مشکل آسان کر دیں گے تو یہ جانور حرام ہیں اگر اسی نیت سے ان کو ذبح کیا گیا اور ذبح کے وقت خدا ہی کا نام لے کر ان کی گردن پر چھری چلائی تو پھر بھی یہ حلال نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس مشرکانہ نیت کی وجہ سے وہ جانور حرام ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال اور پاک نہیں ہوگا جس طرح کتا اور خنزیر خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح غیر اللہ کی تعظیم اور خوشنودی کی خاطر نامزد کیا ہوا جانور بھی خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوسکتا۔ جو شخص غیر اللہ کے تقرب اور رضا کے لئے ایسا کرتا ہے یعنی غیر اللہ کے لئے جانور کو نامزد کر کے پھر اسی نیت پر اسے ذبح بھی کر ڈالتا ہے تو وہ شخص مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ ذبیحہ حرام ہوتا ہے۔ قال العلماء لو ان مسلمًا ذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب الی غیر اللّٰه صار مرتدًا وذبیحته ذبیحة مرتد (کبیر ص۱۲ ج ۲) نیشاپوری ص۱۱ ج ۲) حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں رقمطراز ہیں کہ:-

در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعونٌ من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ۔ زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانست ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب باں غیر گشت و خبثے در آں پیدا شد کہ زیادہ از خبث مردار است و ہر گاہ ایں خبث درو سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا وند حلال نمی شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔ (فتاویٰ عزیزی ص۵۶ ج ۱)

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص جانور ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب چاہے وہ ملعون ہے ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں غیر خدا کے لئے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جب وہ جانور بطور نذر و منت غیر خدا کی طرف منسوب ہو گیا تو اس میں مردار سے بھی بڑھ کر نجاست پیدا ہو گئی اور اس میں اس طرح گھس جائے گی کہ اب وہ خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتا اور خنزیر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتے۔

اس کی مزید تحقیق سورۂ مائدہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ **۳۱۵** اس آیت میں اضطراری حالت کا حکم بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر جا رہا ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز موجود نہ ہو، یا کسی کو کسی ظالم و جابر نے حرام چیز کھانے پر مجبور کیا ہو اور نہ کھانے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ بالا حرام چیزوں مثلاً غیر اللہ کی نیاز وغیرہ میں سے بقدر ضرورت کھالے تو اسے گناہ نہیں ہوگا وھذہ الضرورة لھا سببان احدھما الجوع الشدید وان لا یجد ماکولا حلالا یسد به الرمق فعند ذٰلك یکون مضطرًا الثانی اذا اکرھه علیٰ تناوله مکرہ فیحل له تناوله (کبیر ص۱۳ ج ۲) مگر اس اجازت کے ساتھ دو قیدیں بھی لگا دیں ایک غیر باغ کی اور دوسری ولا عاد کی۔ غیر باغ کا مطلب یہ ہے کہ صرف بوقت ضرورت کھائے اور بلا ضرورت نہ کھائے اور ولا عاد کا مطلب ہے کہ بقدر سد رمق کھائے اور سات نہ لے جائے مگر آج کل عرسوں میں کیا ہوتا ہے غیر اللہ کی نیازیں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور پھر بطور تبرک باندھ کر ساتھ گھر لے جاتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جو تمہارے گناہوں پر بھی بعض اوقات مواخذہ نہیں کرتا اور مشکل اوقات میں آسانیاں بہم پہنچا دیتا ہے **۳۱۶** نذر غیر اللہ کے احکام بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کے لئے زجر اور تخویف اخروی بیان فرمائی جو نہ صرف یہ کہ نذر غیر اللہ کے احکام چھپاتے ہیں بلکہ خود غیر اللہ کی نذریں نیازیں کھاتے بھی ہیں جن کو اللہ نے صاف صاف حرام فرمایا ہے۔ آج کل جو مولوی اور گدی نشین نذر و نیاز کا صحیح مسئلہ بیان نہیں کرتے بلکہ خود غیر اللہ کی نیازیں مزے سے کھاتے ہیں ان کے لئے بھی آخرت میں یہی سزا مقرر ہے۔ یہ آیت اگرچہ یہود کے حق میں نازل ہوئی تھی جو تورات میں بیان کئے ہوئے حلت و حرمت وغیرہ کے احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تورات میں بیان کردہ اوصاف چھپاتے تھے لیکن اس کا حکم عام ہے اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰة والسلام کے علماء کو بھی شامل ہے جو خدا کی کتاب کے احکام کما حقہ لوگوں تک نہیں پہنچاتے خصوصاً توحید کے اثبات اور شرک و بدعت اور نیازات غیر اللہ کی تردید کے متعلق قرآنی آیات کو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے۔ اور اس حق پوشی سے ان کا مقصد صرف دنیا کی حقیر دولت کمانا اور اپنی گدیوں کو محفوظ کرنا ہوتا ہے کیونکہ حق بتلانے سے ناجائز نذر و نیاز کی تمام آمدنیاں بند ہو جاتی ہیں اس لئے ان دنیوی منافع اور آمدنیوں کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نذر غیر اللہ کے خدائی احکام لوگوں سے چھپائیں کیونکہ اگر عوام کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز دین میں ناجائز اور حرام ہے تو پھر وہ کیوں انہیں نذریں نیازیں پیش کریں گے۔ **۳۱۷** حق چھپانے کی وجہ سے جو رقمیں، نذریں اور ہدیے ان کو ملتے ہیں۔ یہ سب جہنم کی آگ ہیں اور یہ ظالم دنیا میں یہ چیزیں کھا کر جہنم کی آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں جہنم کی آگ میں جلنے کا سبب اور موجب ہیں تو گویا یہی جہنم کی آگ ہیں۔ لانه لما اکل ما یوجب النار فکانه اکل النار (کبیر ص۱۳ ج ۲) **۳۱۸** ان سے کلام

نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قیامت کے دن خدا کی رحمت و شفقت سے محروم کردیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحمت کے ساتھ ان سے کلام نہیں کرے گا بلکہ حکم ہوگا اخسئوا (دفع ہوجاؤ) اور انہیں
نیاز یں کھانے اور دوسرے گناہوں کی میل اور گندگی سے پاک نہیں کرے گا۔ ای لا یطہرھم من دنس الذنوب (روح ص۴۴ ج ۲) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ۔ ان لوگوں نے تو حق چھپا کر ہدایت کے عوض گمراہی
خریدلی۔ کتاب اللہ جس کے احکام سراسر حق و ہدایت تھے اور جس میں نذر و نیاز غیر اللہ کی حرمت موجود تھی اسے چھپایا اور ہدایت کی جگہ گمراہی پھیلائی محض دنیا کی حقیر دولت اور گدیوں کی حفاظت کی خاطر (بسبب کتمانھم
الحق للمطامع الدنیۃ والاغراض الدنیویۃ (روح ص۴۴ ج ۲) اگر یہ لوگ نذر غیر اللہ کا مسئلہ جس کی حرمت ان کی کتاب میں بصراحت مذکور ہے اور اسی طرح دیگر مسائل کو بیان کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تو ان کے لئے
مغفرت تھی لیکن انہوں نے یہ مسئلہ چھپایا اور عملاً اس کی خلاف ورزی کی اس وجہ سے ان کے لئے عذاب ہے انہوں نے دنیا میں تو ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی اور آخرت کی زندگی کے لئے جو سب سے بڑی

النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ
دوزخ پر ف۳۱۹ یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی ف۳۲۰ اور
الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَیْسَ
جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے ف۳۲۱ ف نیکی کچھ یہی
الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْہَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ
نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف ف۳۲۲ ف لیکن
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَ
بڑی نیکی ف تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور
الْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی
سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر ف۳۲۳ اور دے مال اس کی محبت پر ف۳۲۴ رشتہ داروں کو
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ
اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور
فِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
گردنیں چھڑانے میں ف۳۲۵ ف اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنیوالے
بِعَہْدِہِمْ اِذَا عٰہَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
اپنے اقرار کو جب عہد کریں ف۳۲۶ اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں
وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ
اور لڑائی کے وقت ف۳۲۷ یہی لوگ ہیں سچے ف۳۲۸ اور یہی ہیں
الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ
پرہیزگار اے ایمان والو فرض ہوا تم پر
الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
(قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں ف۳۲۹ ف آزاد کے بدلے آزاد ف اور غلام کے بدلے غلام ف

ع ۲۱ ۹ ۵

م۱ یعنی یہ دنیا میں گمراہی اور آخرت میں عذاب اس لئے ہے کہ محض عناد کی وجہ سے کتاب اللہ کے حکم کو چھوڑ رکھا ہے۔ ۱۲
م۲ بحث کے خاتمہ پر تحویل قبلہ کے مسئلہ کی مزید تنویر۔ ۱۲
م۳ اے امدح الصابرین پر منصوب علی المدح ہے حمایت حق کی وجہ سے آنے والی تکلیفوں پر صبر کرنے والوں کی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لئے الصّٰبرین میں عنوان تعبیر رفع سے نصب کی طرف تبدیل کیا گیا۔ ۱۲
م۴ سورت کے دوسرے حصہ کی ابتداء ۱۲
م۵ پہلا انتظامی حکم قصاص لیا کرو تاکہ ملک قتل و خونریزی سے محفوظ ہوجائے۔ ۱۲

نعمت ہدایت یافتہ ہونے کی صورت میں ان کے لئے مقدر تھی اسے گمراہی اختیار کرکے عذاب دائمی سے تبدیل کرلیا۔ ف۳۱۹ یہ فعل التعجب ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنیکے لئے وہ بہت دلیر ہیں جبھی تو وہ بے کھٹکے کتمان حق کئے جارہے ہیں۔ اور خدا کے عذاب کی ذرا پرواہ نہیں کرتے ما اشجعھم علی النار اذ یعملون عملا یؤدی الیھا (قرطبی ص۲۳۶ ج ۲) ف۳۲۰ ذٰلِکَ سے مذکورہ عذاب کی طرف اشارہ ہے اور بان۔ لیستیقنوا محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ (حج ع ۱) ای لتستیقنوا بان اللہ الخ اور ایک جگہ فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ ورسولہ (انفال ع ۲) اور الْکِتٰبَ سے جنس کتاب مراد ہے۔ الکتب جنس ہے۔ الحق سے مراد سچائی یا دلیل اور حجت ہے۔ بالحق ای بالصدق وقیل بالحجۃ (قرطبی ص۲۳۶ ج ۲) اور بالحق میں با بمعنی لام ہے اور اس کے بعد مضاف محذوف ہے ای لاظہار الحق والکم یعنی یہ عذاب اس لئے دیا جائے گا تاکہ ان کو یقین ہوجائے کہ اللہ نے ان پر اظہار حق کے لئے کتاب نازل فرمائی جس میں نیازات غیر اللہ کی حرمت کا بیان تھا مگر وہ باز نہ آئے کیونکہ وہ محض ضدی اور معاند تھے۔ ف۳۲۱ اب جن لوگوں نے ہماری کتابوں میں اختلاف پیدا کیا ہے اور ان کے تمام احکام کو قبول کرنے میں تامل کیا ہے ان لوگوں کے پاس نہ کوئی صحیح دلیل ہے اور نہ کوئی معقول عذر۔ انہوں نے محض شدید مخالفت کی بنا پر ایسا کیا ہے اور یہ مخالفت قبول حق سے بہت دور ہے اور ضد و عناد کی حد تک پہنچی ہوئی ہے تو جو لوگ محض ضد و عناد کی وجہ سے حق کو چھپائیں اور گمراہی کی راہ اختیار کریں۔ ان کی یہی سزا ہے چنانچہ یہودی علماء اور ان کے پیر جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نذر غیر اللہ کی حرمت ان کی تورات میں موجود ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کو چھپاتے ہیں وہ محض ضد اور عناد کی بنا پر ایسا کررہے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس عذاب شدید کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی حال بعض موجودہ پیروں اور گدی نشینوں کا ہے جو محض ضد و عناد کی وجہ سے گمراہ ہورہے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ
جنہوں نے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے محض ضد و عناد کی وجہ سے اختلاف کیا ہے اور دوسری جگہ فرمایا کہ اختلاف صرف بڑے بڑے عالموں اور پیروں نے کیا ہے وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ (بقرہ ع ۲۶)
اور ایک اور جگہ فرمایا کہ ان علماء اہل کتاب نے اختلاف جان بوجھ کر کیا وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ (آل عمران ع ۲) ف۳۲۲ لفظ بر عام ہے اور نیکی
کی تمام انواع کو شامل ہے۔ البر جامع لانواع الخیر والطاعات المقربۃ الی اللہ تعالیٰ والخطاب لاھل الکتابین (روح ص۴۴ ج ۲) اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے۔ بحث رسالت کے اختتام

موضح قرآن ف یہود نے اپنی کتاب میں سے نبی آخر زمان کی صفت چھپا ڈالی اور بہت آیتوں کے معنی بدل ڈالے غرض دنیا کے واسطے ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی توجہ بجہت مشرق و مغرب چنانکہ یہود و نصاریٰ زعم میکنند نیکو کارے نیست بلکہ منسوخ شدہ است ۱۲ ف۲ یعنی صاحب آن نیکو کاری کہ ملتہاۓ وے اں اختلاف ندارند آنست ۱۲ ف۳ یعنی در آزادی بندگاں یا خلاصی مکاتب ۱۲ ف۴ یعنی اعتبار مماثلت در کشتگاں ۱۲ ف۵ یعنی مثل اوست در حکم ۱۲ ف۶ یعنی مثل اوست در حکم ۱۲

پر تحویل قبلہ کے متعلق دوبارہ اہل کتاب کے خیال کی تردید فرمادی ہے۔ تحویل قبلہ کے معاملہ کو اہل کتاب بڑے شدومد کے ساتھ بیان کرتے تھے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکیداً ان کا دوبارہ رد فرمایا ہے۔ یہودی مغرب کی طرف بیت المقدس کو صحیح قبلہ سمجھتے تھے اور عیسائی جانب مشرق کو کیونکہ حضرت مریم دردزہ کے وقت شہر سے مشرق کی جانب نکلی تھیں اور دونوں گروہوں کا عقیدہ تھا کہ ان کا قبلہ صحیح ہے باقی تمام قبلے غلط ہیں۔ اور اصل نیکی یہ نہیں ہے بلکہ اصل نیکی تو خالص ایمان اور عمل صالح یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اور ان کی تعمیل ہے وہ جس سمت منہ کرنے کا حکم دیدے۔ بس وہی اصل قبلہ ہے نیز اس میں ان مشرک اقوام کی بھی تردید ہے جوان سمتوں کو خیر و شر اور موت وحیات کا منبع و مصدر سمجھ کر مقدس جانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ۳۲۳ البرّ چونکہ معنی ہے اور مَنْ اٰمَنَ ذات ہے جو اس پر محمول نہیں ہو سکتی اس لئے یہاں یا تو البر سے پہلے ذا محذوف ہے یا مَنْ اٰمَنَ سے پہلے بر مضاف محذوف ہے یعنی ولکن ذا البر من اٰمن یا ولکن البر برّ مَنْ اٰمَنَ یہود و نصاریٰ کے باطل خیال کی تردید کے بعد اصل نیکی کا بیان فرمایا کہ اصل نیکی تو ایمان اور عمل صالح ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایمان کا ذکر ہے یعنی اللہ پر قیامت پر فرشتوں پر خدا کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر۔ لیکن ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو خالص ہو اور شرک سے پاک ہو۔ یہود و نصاریٰ کے ایمان کی

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ

اور عورت کے بدلے عورت ۳۳۰ پھر جس کو معاف کیا جائے ۳۳۱ اس کے بھائی کی طرف سے ۳۳۲ کچھ بھی وٹ تو تابعداری کرنی چاہیے

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ

موافق دستور کے وٹ اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ ۳۳۳ وٹ یہ آسانی ہوئی تمہارے

رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

دردناک ف اور تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

تاکہ تم بچتے رہو ۳۳۴ ف وٹ فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں

الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ

موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال ۳۳۵ وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور

الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ ؕ فَمَنْۢ

رشتہ داروں کے واسطے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر وٹ پھر جو کوئی

بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر ہے جنہوں نے

يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ

اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے وٹ پھر جو کوئی خوف کرے

مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ

وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے ۳۳۶ تو اس پر کچھ گناہ

عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے وٹ اے ایمان والو

ع ۲۲ ۶ ۶

۴ بالباطل سے مال حرام کھانے سے منع فرمایا اور یہاں پر روزہ کا ذکر کیا کیونکہ وہ اکل حرام سے مانع ہے ۱۲

موضح قرآن ف صاحب کے بدلے صاحب اور غلام کے بدلے غلام اسی طرح عورت یعنی ہر صاحب دوسرے صاحب کے برابر ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے۔ اشراف اور کم ذات کا فرق دولت مند اور فقیر کا فرق نہیں جیسے کفر میں معمول ہو رہا تھا جس کو معاف ہوا یعنی مقتول کے وارث اگر قصاص موقوف کر کے مال پر راضی ہوں تو قاتل کو چاہیئے کہ ان کو راضی کرے اور منت اٹھا کر خون بہا پہنچا دے یہ آسانی ہوئی یعنی اگلی امت پر قصاص ہی مقرر تھا اس امت پر معاف کرنا اور مال پر صلح کرنا بھی ٹھہرا۔ پھر جو کوئی زیادتی کرے یعنی صلح کر کے مبلغ خوں بہا لے کر پھر مارنے کا قصد کرے۔ ف۲ یعنی حاکموں کو چاہیئے کہ قصاص دلانے میں قصور نہ کریں تا آئندہ خون کرنا بند ہو۔ ف۳ کفر کی رسم میں مردے کا وارث اولاد کے سوا کوئی نہ تھا اور اولاد میں بھی فقط بیٹا سو اول اللہ صاحب نے وارث اولاد ہی رکھی ہے۔ مردے کو ضرور ہوا کہ ماں باپ کو اور ناتے والوں کو موافق ان کی حاجت کے روبرو دلوا جاوے۔ ف۴ یعنی اگر مردہ کہہ مرا تھا اور رونے والوں نے نہ دیا مردے پر گناہ ہے وہی ہیں گنہگار ف۵ یعنی کسی نے دیکھا کہ مردہ بے انصافی سے دلوا گیا اولاد کو بہت تھوڑا بچا تو اوروں کو سمجھا کر صلح کروا دے ویسا بدلنا گناہ نہیں۔ اول اللہ صاحب نے یہ حکم فرمایا تھا بعد اس کے سورۂ نساء میں وارثوں کے حصے آپ ہی ٹھہرا دیئے اب مردے کا دلوانا موقوف ہوا۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی چیزے از خون مسلمان مقتول ۱۲ ف۲ یعنی ولی دم اس معاملہ مطالبہ کنند نہ بدرشتی ۱۲ ف۳ یعنی قاتل بخوشخوئی دا نماید نہ بصعوبت ۱۲ ف۴ مترجم گوید اہل جاہلیت شریف در مقابلہ وضیع نمی کشتند و در مقابلہ شریف چند کس از وضیع می کشتند۔ خدائے تعالیٰ نازل فرمود کہ حکم الٰہی باعتبار مماثلت سے در اجناس کشتگاں کہ بایمعنی کہ احرار را حکم جدا است کہ ہر حر مثل حر دیگر است و دراں حکم و عبید را حکم جدا است کہ ہر عبد مثل عبد دیگر است دراں حکم و زناں را حکم جدا است و ہر زن مثل زن دیگر است دراں حکم و امتیاز حکم زناں در باب دیات است نہ در باب قود پس ہر فردے ازیں جنس مساوی است با فرد دیگر ہر چند بعضے شریف باشد و بعضے وضیع بعضے جمیل و بعضے ذمیم و بعضے مالدار و بعضے فقیر و سنت زیادہ کردہ است دو جنس دیگر کہ مسلمان در مقابلہ مسلمان است و کافر در مقابلہ کافر پس اگر بعضے ورثہ عفو کنند از کشتن گذشتہ خون بہا قبول نمایند و ولی دم را باید کہ بحسن معاملہ مطالبہ کنند بدرشتی و قاتل را باید کہ بخوشخوئی ادا کند نہ بد خوئی واللہ اعلم ۱۲ ف۵ مترجم گوید حکم وصیت منسوخ است بآیت مواریث واللہ اعلم ۱۲ ف۶ مترجم گوید مضمون ایں آیت تخییر است در صوم و فدیہ و ایں معنی منسوخ شد بآیتی کہ متصل می آید۔ مترجم گوید شاید کہ معنی آیت چنیں باشد و واجب است بر آناں کہ می توانند دادن فدیہ را دادن فدیہ کہ عبارت از طعام یک درویش است مراد صدقۃ الفطر است و سنت آں را مقدم کردہ بیک صاع جو یا نیم صاع از گندم پس آیت محکم باشد نہ منسوخ و شاید کہ معنی آیت چنیں باشد واجب است بر آناں کہ می توانند قضا کردن یعنی و قضا نہ کردند تا آنکہ رمضان دیگر در آمد واللہ اعلم ۱۲

طرح نہ ہو جو خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کو خدا کے شریک سمجھتے تھے اور انہیں پکارتے تھے والمراد بھذا الایمان ایمان خالٍ عن شائبۃ الاشراک لا کایمان الیھود و النصارٰی القائلین عزیر ابن اللّٰہ والمسیح ابن اللّٰہ (روح ص۴۷ ج ۲) اسی طرح فرشتوں، پیغمبروں اور کتابوں پر بھی بلا تفریق ایمان لائے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض فرشتوں اور پیغمبروں کو مانے اور بعض سے عداوت رکھے اسی طرح بعض کتابوں کو مانے اور بعض کو نہ مانے۔ ایسا ایمان قابل قبول نہیں ۳۲۴ اب یہاں سے اعمال صالحہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق انسان کے بدن سے ہے۔ حُبِّہٖ کی ضمیر المال کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی محبت کے باوجود وہ اسے خرچ کرے۔ ذوی القربٰی۔ یہ اٰتی کا مفعول ہے اور رشتہ دار سے مراد غریب اور محتاج رشتہ دار ہیں۔ والیتامٰی یتیم کی جمع ہے اور یتیم ہر اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر چکا ہو جب یتیم کا اپنا کوئی مال نہ ہو۔ تو اس کی پرورش بھی اسکے قریبی رشتہ داروں پر لازم ہے۔ وَالْمَسٰکِیْنَ مسکین کی جمع ہے یعنی حاجت مند اور محتاج وابن السبیل یعنی مسافر جب سفر میں بے خرچ ہو جائے اگرچہ اس کے گھر میں مال موجود ہو وَالسَّآئِلِیْنَ اس سے مراد بھی حاجت مند لوگ ہی ہیں تو مساکین اور سائلین میں یہ فرق ہے کہ مساکین وہ ہیں جو کسی سے نہ مانگیں اور سائلین وہ ہیں جو مانگ لیں۔ اھل الحاجۃ ثم ھم ضربان منھم من یکف عن السؤال وھو المراد ھٰھنا ومنھم من یسأل ویتبسط وھو المراد بقولہ والسائلین (کبیر ص۲۶ ج ۲) ۳۲۵ رَقَبَۃ کی جمع ہے اور رقبہ سے مجازاً شخص مراد ہے۔ الرقبۃ مجاز عن الشخص (روح ص۴۷ ج ۲) رقاب میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں چھڑایا جائے۔ ای فی تخلیص الرقاب وفکا کہا (روح ص۴۷ ج ۲) یہاں فک رقاب سے بعض مفسرین نے غلاموں کو آزاد کرانا اور بعض نے قیدیوں کو چھڑانا مراد لیا ہے مگر عموم لفظ اس بات کا مقتضی ہے کہ اس سے یہ دونوں مراد ہوں اور ان کے علاوہ وہ مقروض جو موحد ہو اور مشرک نہ ہو اس کی امداد کرنا بھی اس میں شامل ہو۔ یہاں تک مالی صدقات کا ذکر تھا۔ اب آگے نماز کا ذکر ہے جو تمام عبادات بدنیہ میں سب سے اعلیٰ ہے۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اقامت صلوٰۃ کا مفہوم وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے تحت گذر چکا ہے۔ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ پہلے نفلی صدقات کا ذکر تھا یہاں فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے۔ والمراد بالصلوٰۃ المفروضۃ کالزکوٰۃ فی واٰتی الزکوٰۃ بناءً علٰی ان المراد بما مرّ من ایتاء المال نوافل الصدقات (روح ص۴۷ ج ۲) ۳۲۶ عقائد و اعمال کی تصحیح کے بعد اب حسن اخلاق کا ذکر کیا جا رہا ہے اور عہد سے یہاں کوئی خاص عہد مراد نہیں بلکہ اس سے ہر وہ عہد مراد ہے جو کسی انسان نے کسی دوسرے انسان سے کیا ہو یا اللّٰہ تعالیٰ سے کیا ہو۔ ای فیما بینھم وبین اللّٰہ تعالیٰ وفیما بینھم وبین الناس (قرطبی ص۲۴۲ ج ۲) والظاہر حمل العھد علٰی ما یشمل حقوق الحق وحقوق الخلق (روح ص۴۷ ج ۲) انسانوں سے کئے گئے صرف ان وعدوں کا پورا کرنا جائز اور لازم ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ خلاف شریعت کام کے متعلق وعدہ پورا کرنا جائز نہیں۔ خدا سے کئے ہوئے عہد میں خدا کے نام کی نذر اور خدا کے نام کی قسم بھی شامل ہیں۔ اگر خدا کے لئے نذر مانی ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہے البتہ غیر اللّٰہ کی نذر و منت ناجائز اور شرک ہے اور کوئی جہالت سے مان بیٹھے تو اس سے توبہ کرے اور اس کو پورا نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی نے خدا کے نام کی قسم کھائی ہے اگر وہ ناجائز کام پر نہیں تو اسے ضرور پورا کرے اگر ناجائز کام پر ہے تو قسم توڑ دے۔ غیر اللّٰہ کے نام کی قسم کھانی درست نہیں۔ ۳۲۷ الصّٰبِرِیْنَ منصوب علی المدح اور اس کا عامل محذوف ہے یعنی امدح۔ الصٰبرین کو ماقبل سے اس لئے جدا کیا گیا ہے تاکہ صابرین کی مزید فضیلت ثابت ہو جائے البأسآء والضرآء دونوں کے معنی شدت اور تکلیف کے ہیں لیکن باساء کا تعلق مال سے ہے یعنی فقر و فاقہ وغیرہ اور ضراء کا تعلق بدن سے ہے جیسے بیماری البأسآء فی الاموال کالفقر والضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی ص۲۶) اور البأس سے مراد جنگ و جہاد ہے ای وقت القتال وجہاد العدو (روح ص۴۸ ج ۲) مطلب یہ کہ صرف آرام سے نماز پڑھنے ہی سے کام نہیں چلے گا بلکہ جہاد بھی کرنا پڑے گا۔ اور مال و جان میں تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی اس آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔ ۳۲۸ اُولٰٓئِکَ سے مذکورہ بالا صفات سے متصف لوگ مراد ہیں یعنی نیکی کے سچے طالب تو وہ لوگ ہیں جن میں ایمان و عمل (یعنی اللّٰہ کے احکام کو دل و جان سے ماننے) اور حسن اخلاق کی مذکورہ بالا تمام خوبیاں موجود ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے اور اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ یہ آیت تمام اعمالِ خیر کی جامع ہے۔ اس میں تمام بنیادی عقائد اور ضروری اعمال آگئے ہیں اس لحاظ سے یہ آیت اصول دین میں سے ایک بہت بڑی اصل ہے۔

حصّہ دوم

(۱) جہاد فی سبیل اللّٰہ (۲) انفاق فی سبیل اللّٰہ

تمہید یہاں تک سورۂ بقرہ کا پہلا حصہ جس میں توحید و رسالت کا بیان تھا، ختم ہوگیا۔ اب آگے دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے۔ اس حصہ میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے ایک جہاد فی سبیل اللّٰہ یعنی اللّٰہ کی راہ میں اللّٰہ کی توحید اور اس کے دین کی خاطر لڑنا اور دوسرا انفاق فی سبیل اللّٰہ یعنی اللّٰہ کے دین کی خاطر اپنی دولت خرچ کرنا۔

اصل مسائل شروع کرنے سے پہلے امور انتظامیہ بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ باہمی نظم و ضبط اور محبت و انس کے بغیر اجتماعی قوت کے ساتھ جہاد ناممکن ہے اور امور انتظامیہ کی پابندی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف اور اس کا باطن درست اور اس کی نیت نیک ہو اس لئے امور انتظامیہ کے ساتھ اور ان کے درمیان چند امور مصلحہ کا ذکر فرما دیا۔ مثلاً نماز، روزہ، حج۔ اس کے بعد جہاد کا ذکر ہے اور جہاد کے حکم کے ساتھ ساتھ امور مصلحہ بھی ذکر ہو رہے ہیں۔ تاکہ روزہ سے باطن کی صفائی حاصل ہو جائے اور حج کے موقع پر بیت اللّٰہ میں حاضر ہو کر اللّٰہ سے فتح کے لئے دعا کرو کیونکہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے اور نماز سے باہمی محبت پیدا ہوگی۔ ۳۲۹ امور انتظامیہ میں سے یہ پہلا امر انتظامی ہے۔ یہودیوں کے مذہب میں قتل کی سزا صرف قتل ہی تھی۔ معافی کی صورت کوئی نہیں تھی۔ عیسائیوں کے یہاں بس ایک ہی عفو و درگذر کا قانون تھا۔ قصاص نہیں تھا۔ عرب میں قصاص اور عفو دونوں چیزیں موجود تھیں لیکن ان میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا جاتا تھا۔ اگر قاتل کوئی معمولی آدمی ہوتا اور مقتول بڑا خاندانی تو اس کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کئی آدمی قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اس طرح بڑے لوگ اپنے زخموں کے عوض بھی دگنی تگنی دیتیں وصول کرتے تو اللّٰہ تعالیٰ نے قصاص اور دیت کے احکام نازل فرما کر ان تمام بے اعتدالیوں کی اصلاح فرما دی۔ قصاص کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو (کبیر ص۵۱ ج ۲، روح ص۴۹ ج ۲) یہاں مراد یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے اور قصاص صرف حکومت ہی لے سکتی ہے عوام کو اختیار نہیں ہے کہ وہ خود اپنے مقتولین کا قصاص لیتے پھریں کیونکہ اس سے بہت بڑی بے اعتدالیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ عداوتیں بڑھ جائیں گی اور زمین میں دنگا فساد برپا ہو جائے گا۔ اتفق ائمۃ الفتوٰی علٰی انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضھم من بعض (قرطبی ص۲۵۶ ج ۲) ۳۳۰ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی آزاد نے غلام کو یا کسی مرد نے عورت کو قتل کر دیا تو غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہما، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، قتادہ اور حکم بن عتیبہ کا بھی یہی مسلک ہے (قرطبی ص۲۴۶ ج ۲) امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ عورت کے بدلے مرد سے قصاص لیا جائے گا۔ اس آیت

میں چونکہ آزاد کا آزاد سے اور غلام کا غلام سے اور عورت کا عورت سے تقابل کیا گیا ہے اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے بدلے اور عورت کو عورت کے بدلے تو قتل کیا جائے گا لیکن آزاد کو غلام کے بدلے اور مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس تقابل کا مفہوم مخالف یہی ہے۔ اس طرح یہ آیت فریقین کے خلاف جاتی ہے۔ امام شافعیؒ نے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اس آیت کا ایک حصہ یعنی الانثیٰ بالانثیٰ حدیث سے منسوخ ہے حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آزاد کے بدلے غلام قتل نہ کرنے کا حکم آیت کے مفہوم مخالف سے لیا گیا ہے حالانکہ مفہوم مخالف احکام شرعیہ میں حجت نہیں ہے۔ قالہ صاحب المدارك۔ **فائدہ:۔** حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفہوم مخالف اثبات احکام از قسم حلال و حرام کے لئے تو معتبر نہیں البتہ تقدیم و تاخیر یا حصر وغیرہ کا نکتہ بیان کرنے کے لئے اسے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ الحر بالحر میں حصر مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد صرف قصاص میں مساوات بیان کرنا ہے یعنی جاہلیت کے زمانہ میں قصاص کے بارے میں جو زیادتیاں کی جاتی تھیں ان کی روک تھام مقصود ہے۔ قالہ الامام ولی اللہ الدہلوی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ قصاص کے معنوں میں عموم ہے کہ یہ لفظ قتل اور جراحت دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کسی آدمی کے ساتھ وہی کچھ کرنا جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو۔ اما القصاص فهو ان یفعل بالانسان مثل ما فعل (کبیر ص۵۱ ج ۲) نیز صراح میں قصاص کے یہ معنی لکھے ہیں "کشندہ را بازکشتن و جراحت کردن عوض جراحت"، تو آیت میں قصاص بالنفس اور قصاص بالاطراف دونوں کا ذکر ہے چنانچہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى میں قصاص بالنفس کا حکم ہے۔ اور الحر بالحر میں قصاص فی الاطراف کا حکم ہے۔ اب اگر مفہوم مخالف بھی مراد لے لیا جائے تب بھی یہ آیت حنفیہ کے خلاف نہیں جاتی کیونکہ قصاص فی الاطراف میں آزاد کے اعضاء کو غلام کے بدلے اور مرد کے اعضاء کو عورت کے بدلے قطع نہیں کیا جاتا۔ قالہ الشیخ روح اللہ تعالیٰ روحہ یہ تو قصاص کا حکم تھا یعنی قصاص نفس اور قصاص اطراف۔ اب آگے فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ سے دیت اور خوں بہا کا بیان ہے (دیت نفس اور دیت اطراف)۔ **۳۳۱** مَن سے مراد قاتل ہے اور لَہٗ کی ضمیر اسی کی طرف راجع ہے۔ اور مِنْ اَخِيْهِ میں ضمیر مجرور مَنْ کی طرف راجع ہے اور اَخِیْہِ سے مراد مقتول ہے اور مقتول کی طرف سے معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ورثاء معاف کر دیں۔ مقتول کو قاتل کا بھائی کہہ کر اس لئے ذکر کیا کہ قاتل کے دل میں شفقت اور ندامت کے جذبات پیدا ہوں کہ جسے اس نے قتل کیا ہے وہ کوئی غیر نہیں تھا بلکہ دین اور بشریت میں اس کا بھائی تھا۔ سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوة البشریة والدین (روح ص۵ ج ۲) **۳۳۲** شَيْءٌ کی تنوین تنکیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کی طرف سے سب کچھ نہ سہی کچھ ہی معافی دیدی جائے مثلاً قصاص معاف کر دیا جائے اور دیت لے لی جائے۔ **۳۳۳** صلح ہو جانے کی صورت میں قاتل اور مقتول کے ورثاء دونوں کو حسن سلوک کی تلقین فرمائی یعنی مقتول کے ورثاء بھی معقول طریقے سے خوں بہا کا مطالبہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ فریق ثانی کو تنگ کرنے کے لئے خوں بہا کے مطالبہ میں سختی کریں اور نہ زیادہ کا مطالبہ کریں اسی طرح قاتل کو بھی چاہئیے کہ وہ مقررہ رقم معاہدے کے مطابق ادا کرے اور ٹال مٹول نہ کرے۔ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔۔۔ ذٰلِكَ کا اشارہ حکم مذکور کی طرف ہے یعنی عفو اور دیت کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے کہ اس نے معافی اور خوں بہا کی سہولتیں پیدا کر دی ہیں کیونکہ عفو کی صورت میں قاتل کو سہولت ہے اور دیت کی صورت میں مقتول کے ورثاء کا فائدہ ہے۔ لما فی مشروعیة العفو تسهیل علی القاتل وفی شرعیة الدیة نفع لاولیاء المقتول (روح ص۵ ج ۲) فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ الخ یہ ان لوگوں کے لئے تخویف اخروی ہے جو حدود اللہ کے وضع ہو جانے کے بعد ان سے تجاوز کریں۔ مثلاً قاتل کے بجائے کسی بے گناہ کو قتل کر دیں یا معافی اور خوں بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کر دیں یا بے گناہ پر قتل کا الزام لگا کر اس پر جھوٹا دعویٰ دائر کر دیں **۳۳۴** قصاص اگرچہ بظاہر بہت دشوار اور برا معلوم ہوتا ہے مگر عقلمند اور صاحبِ ہوش لوگ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ قصاص تو زندگی کا باعث ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے قاتل قتل سے رک جائے گا اور اس طرح قاتل اور مقتول کی جان بچ جائے گی۔ اسی طرح قتل سے قاتل اور مقتول کے قبیلوں میں عداوت اور انتقام کی جس آگ کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے وہ بھی نہیں بھڑکے گی۔ اور اس طرح دونوں خاندان قتل و خونریزی سے بچ کر آرام اور چین کی زندگی بسر کریں گے۔ اس لئے ارشاد فرمایا۔ اے دانشورو! قصاص بری چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری جانوں کی حفاظت کی ضمانت اور تمہاری زندگی کا بیمہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ قصاص سے ایک طرف تو تم دنیا میں قتل اور خون خرابہ سے بچ جاؤ گے اور دوسری طرف آخرت میں قتل اور فساد فی الارض کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

۳۳۵ كُتِبَ عَلَيْكُمْ الخ خیر سے مراد یہاں مال ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (بقرہ ع ۳۷) اور معروف سے مراد عدل اور انصاف ہے یعنی وصیت کرنے میں باقی ورثاء کا بھی خیال رکھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقین سے مراد مومنین ہیں اور متقین کی تعبیر سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ حکم وصیت اور اسی طرح دیگر احکام الٰہی کی رعایت متقیوں اور پرہیزگاروں کا شیوہ ہے۔ وضع المظهر موضع المضمر للدلالة علی ان المحافظة علی الوصیة والقیام بها من شعائر المتقین الخائفین من اللہ (روح ص۵۵ ج ۲) فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ الخ بدّلہ اور سمعہ کی منصوب ضمیریں ایصاء کی طرف راجع ہیں جو ما قبل سے مفہوم ہے۔ اِثْمُهٗ کی ضمیر تبدیل کی طرف راجع ہے جو بَدَّلَهٗ میں مذکور ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت کا وصی ہے یا وصیت کا شاہد ہے اگر یہ لوگ بعد میں میت کی وصیت میں ردوبدل کر دیں یا سرے سے وصیت کا انکار ہی کر دیں تو اس تبدیل و تغییر کا گناہ ان تبدیل کرنے والوں پر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور وصیت میں ردوبدل کرنے والوں کے اقوال و افعال کو سنتا اور جانتا ہے۔ اور وہ ان کے مطابق ہر ایک کو جزا دیگا۔ **۳۳۶** جنف کے معنی حق سے ناحق کی طرف میلان کے ہیں۔ یہاں اس سے بلا قصد غلطی سے میلان عن الصواب مراد ہے اور اثماً سے قصداً میلان عن الصواب مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے آدمی کو ڈر ہو کہ وصیت کرنے والا غلطی سے یا عمداً وصیت میں شرعی ضابطہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے یا دوسرے ورثاء کی حق تلفی کر رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ وصیت کرنے والے کی رہنمائی کرے اور اسے حق اور انصاف کی راہ بتائے۔ یہ شخص گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وہ گنہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے جو نیک نیتی سے اصلاح کرنے والے ہیں۔ ان کو اپنی رحمت سے کیوں نہیں نوازے گا۔ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا مگر آیت میراث سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اب والدین کے لئے اور اسی طرح دوسرے ورثاء کے لئے وصیت جائز نہیں۔ ثم ان هذا الحكم كان في بدء الاسلام ثم نسخ بآية المیراث (روح ص۵۳ ج ۲) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن پانچ آیتوں کو منسوخ مانا ہے ان میں سے ایک یہ ہے لیکن بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں چنانچہ صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرک ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حکم استحبابی ہے وجوب کے لئے نہیں ہے وقیل غیر منسوخة لانها نزلت في حق من ليس بوارث بسبب الكفر . . . . فشرعت الوصیة فیما بینهم قضاءً لحق القرابة ندباً (مدارك ص۷۲ ج ۱) اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ یہاں وصیت والدین اور اقربین کے لئے نہیں بلکہ والدین اور اقربین کو ہے اور المعروف سے مراد حکم شرعی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں **۳۳۷** یہاں سے امور مصلحہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے روزہ کا حکم فرمایا۔ اس سے پہلے وصیت میں گڑبڑ کر کے کسی کا حق مارنے سے منع فرمایا اور آگے چل کر وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ سے دوبارہ مال حرام کھانے سے ممانعت فرمائی۔ ان دونوں انتظامی امور کے درمیان ایک امر مصلح یعنی روزہ کا ذکر فرمایا کیونکہ روزہ مال حرام سے اجتناب میں ممد و معاون ہے بایں طور کہ روزہ سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی محبت اور نیکی کی رغبت بڑھتی ہے۔ باطن پاک صاف ہو جاتا ہے اور دل گناہوں سے پاک اور مال حرام سے متنفر ہو جاتا

ہے۔ چنانچہ اسی نکتہ کیلئے احکام روزہ کے درمیان فرمایا وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ الخ کیونکہ ایک روزہ سے انسان ستر سال کی مسافت سے بھی زیادہ خداوند تعالیٰ سے نزدیک ہو جاتا ہے
ف۲۳۸ یعنی روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں کئے گئے بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے اور یہ تشبیہ تمام اوصاف میں نہیں ہے بلکہ نفس وجوب میں ہے۔ روزہ ہر پیغمبر کی شریعت میں فرض رہا ہے۔ البتہ روزوں کی تعداد اور وقت میں فرق تھا۔ علی الانبیاء والامم من لدن اٰدم علیہ السلام الی عہدکم فھو عبادۃ قدیمۃ (مدارک ص۷۵ ج۱) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ یہاں روزہ کی غرض وغایت بیان فرمائی ہے کہ روزہ بظاہر فاقہ اور تکلیف معلوم ہوتا ہے مگر اس میں تمہارے لئے روحانی فوائد ہیں اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تم روزے رکھنے سے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے۔ کیونکہ روزہ رکھنے سے قوت شہوانیہ ضعیف ہو جائے گی اور نفس کی خواہش مرغوبات نفسانیہ کی طرف کم ہو جائے گی جس کا نتیجہ گناہوں سے بچنے اور نیکی کے کاموں میں رغبت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی تقویٰ ہے اس

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
فرض کیا گیا تم پر روزہ ۲۳۸ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر ۲۳۸
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۸۳) اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ
تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ۱؎ چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی
مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں
وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ
اور ۲۳۹ جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا ۲۴۰ پھر جو کوئی
تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ
خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۸۴) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ
اگر تم سمجھ رکھتے ہو ف۱ ف۲ مہینہ ۲۴۱ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا
فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ
قرآن ۲۴۲ ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور
الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ
حق کو باطل سے جدا کرنے کی ف۳ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو
كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا
اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۸۵)
کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو ۲۴۳

۱؎ تشبیہ نفس وجوب میں ہے یعنی اوصاف میں نہیں ۱۲ ۲؎ مفعول فیہ ہے لازم الصیام ۱۲ ۳؎ ای فعلیکم العدۃ ۱۲ ۴؎ جو لوگ بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے میں سخت مشقت اٹھاتے ہیں (شیخ فانی) ۵؎ اعادہ برائے ترغیب ۶؎ معطوف علیہ محذوف ہے لیکملوا اللہ علیکم... ولتکملوا العدۃ

روحانی تزکیہ کے علاوہ روزہ سے بدن کی اصلاح بھی ہوتی ہے اس لئے مادی اور روحانی دونوں قسم کے فوائد کا حامل ہے اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ یہ كُتِبَ کا مفعول فیہ ہے۔ نصب علی الظرف لکتب ای کتب علیکم الصیام فی ایام (قرطبی ص۲۷۵ ج۲) اور ایاما معدودٰت (گنتی کے چند دن) سے مراد ماہ رمضان ہے۔ اور یہ حوصلہ بڑھانے کے لئے فرمایا کہ روزے کوئی زیادہ نہیں ہیں بلکہ گنتی کے چند دن ہیں۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ الخ روزہ کی فرضیت کا حکم دینے کے بعد معذورین کے لئے رعایت کا اعلان فرمادیا کہ جو مسلمان بیمار ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو یا کسی شخص کو رمضان میں لمبا سفر پیش آئے تو ان کو اجازت ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور جتنے روزے ان سے چھوٹ جائیں رمضان کے بعد ان کی قضا دے کر ماہ رمضان کے روزوں کی تعداد پوری کرلیں۔ ف۲۳۹ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ شروع میں روزے علی التخییر فرض تھے یعنی ہر آدمی کو اختیار تھا کہ چاہے وہ روزے رکھے یا اگر طاقت ہو تو ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلادے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا بعض کا خیال ہے یہاں لا مقدر ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے وَعلی الذین لا یطیقونہ یا ہمزۂ افعال سلب ماخذ کیلئے ہے اور ضمیر منصوب سے مراد روزہ ہے اور اس میں شیخ فانی، حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ یطیقونہ میں ضمیر منصوب فدیہ کی طرف راجع ہے جو بعد میں مذکور ہے لیکن رتبۃً مقدم ہے کیونکہ وہ مبتدا مؤخر ہے اور اس آیت سے مراد صدقۃ الفطر کا حکم ہے یعنی جو لوگ صدقۃ الفطر کی طاقت رکھتے ہیں ان پر صدقۃ الفطر واجب ہے (الفوز الکبیر) اور مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایام بیض کے روزوں کا ذکر ہے اور یہ حکم انہی سے متعلق ہے اور اب بھی یہ حکم باقی ہے۔ ایام بیض کے روزوں میں تخییر ہے چاہے روزے رکھے یا ہر روزہ کے عوض فدیہ دیدے۔ کیونکہ ابھی تک رمضان کی فرضیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ وھذا الحکم ایضًا یتعلق بالایام البیض ولا تعلق لہ برمضان الخ (فیض الباری ج۳ ص۱۸۵) دوسری توجیہ یہ فرمائی کہ اطاق یطیق کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی چیز بڑی مشقت سے برداشت کی جائے مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ مشکل اور مشقت سے روزہ رکھ سکیں۔ وہ فدیہ

موضح قرآن ف۱ یعنی روزے سے سلیقہ آجاوے جی روکنے کا تو ہر جگہ روک سکو۔ ف۲ اول یہی حکم اترا کہ مریض و مسافر چاہیں تو پھر قضا کرلیں اور جن کو طاقت ہے یعنی بے عذر ہیں وہ چاہیں کہ قضا کریں تو بالفعل روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھلادیں اور تو بھی بہتر ہے روزہ ہی پھر اس کے بعد جو آیت اتری اس میں فقط مریض و مسافر کو رخصت ملی قضا کی اور کسی کو نہیں ف۳ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ اسی سے ٹھہرا کہ اس میں اترا قرآن اس میں قرآن کی خدمت اس مہینے میں پہلے چاہیئے اسی سبب سے رسول خدا نے تقید کیا تراویح کا اور آپ نے چند روز جماعت کر کر پھر نہ کروائی کہ قرآن میں اشارات ہیں صریح فرض نہ ہو جاوے ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ فدیہ دادن کہ عبارت از یک طعام مسکین است بیک مُد و ایں حکم منقول است از قاسم و سعید بن جبیر و ہمیں است مذہب شافعی و دریں صورت نیز محکم است غیر منسوخ ۱۲ ف۲ یعنی در رمضان یکدفعہ ازلوح محفوظ بآسمانِ دنیا فرود آمد و از انجا بدفعات برآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرود آمد در چند سال ۱۲

دیدیں تو اس صورت میں اس سے مراد رمضان کے روزے ہوں گے۔ اور یہ آیت شیخ فانی کے حق میں ہوگی اور اس صورت میں لا کو مقدر کرنے یا ہمزہ کو سلب ماخذ کے لئے ماننے کی ضرورت نہ رہے گی یہ علامہ سے منقول ہے۔ قال الزمخشری ما حاصله ان فعل الاطاقة بمادته لا یستعمل الا فیما یتعذر او یتعسر الخ (فیض الباری ص۱۹۶ ج ۳) ۳۳۹ فدیہ کی معین مقدار تو بہرحال لازم ہے اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے اس کی مقدار میں اضافہ کرے یا ایک کی بجائے دو مسکین کو کھانا کھلاوے تو یہ اس کے لئے اور بہتر اور مزید اجر و ثواب کا موجب ہے ای زاد علی مسکین واحد فاطعم مکان کل یوم مسکینین فاکثر وقیل من زاد علی القدر الواجب علیه فاعطی صاعا او علیه مد (معالم ص۱۳۴ ج ۱) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اَنْ مصدریہ ہے اور ان تصوموا بتاویل مفرد مبتدا ہے اور خیر لکم اس کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ سفر اور بیماری کی حالت میں اگرچہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر سفر میں زیادہ تکلیف کا احتمال نہ ہو اور بیماری بھی زیادہ شدید نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے وان تصوموا فی السفر والمرض غیر الشاق (قرطبی ص۲۹۰ ج ۲) اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اِنْ کا جواب محذوف ہے ای اخترتموہ یعنی اگر تمہیں معلوم ہو کہ روزہ رکھنے میں کیا فضیلت ہے تو تم سفر اور بیماری میں بھی روزہ رکھو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں ۳۴۶ قبول کرتا ہوں دعا مانگنے

الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ

والوں کی دعا کو ۳۴۷ جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا ۳۴۸ اور یقین لائیں مجھ پر

لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ

تاکہ نیک راہ پر آئیں ف حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں

الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ

بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے ۳۴۷ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم

لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

پوشاک ہو ان کی ۳۴۸ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے

فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ

سو معاف کیا تم کو ۳۴۹ اور درگذر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور

ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ

طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے ۳۵۰ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے

لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے فجر کی ۳۵۱

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ

پھر پورا کرو روزہ کو رات تک ۳۵۲ اور نہ ملو عورتوں سے جب

اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں ۳۵۳ یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان

تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

کے قریب نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ

(ع) جامع ترمذی ... قرب الٰہی کا ذریعہ ... اس سے ان دونوں میں ... کو زیادہ ... پارہ ۲

۳۴۱ شَهْرُ مبتدا ہے اور اَلَّذِیْ الخ اس کی صفت اور فَمَنْ شَهِدَ الخ اس کی خبر ہے اور شَهْرُ رَمَضَانَ کی صفت چونکہ اسم موصول ہے اور اس وجہ سے وہ متضمن معنی شرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء کا دخول صحیح ہے۔ شهر رمضان مبتدأ خبره الموصول بعده او فمن شهد و الفاء لتضمنه معنی الشرط لکونه موصوفا بالموصول (روح ص۵۹ ج ۲) یہاں ماہِ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جس مہینے کے روزوں کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ بہت ہی فضیلت والا مہینہ ہے۔ اس میں قرآن مجید اتارا گیا۔ رمضان میں قرآن مجید اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ کیونکہ سارا قرآن تو تقریباً تئیس سال میں نازل ہوا تھا۔ ای ابتدی فیه انزاله وکان ذلک لیلة القدر (روح ص۶۱ ج ۲) ۳۴۲ هدی اور بیّنات دونوں القرآن سے حال ہیں یعنی قرآن تمام دنیا جہان والوں کے لئے ہدایت کا ایک جامع پروگرام ہے اور پھر اس کے دلائل ایسے ٹھوس اور واضح ہیں جو ہدایت کی تمام راہوں کو روشن کرتے ہیں اور حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرتے ہیں۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ بعض کے نزدیک پہلے روزے کی جگہ فدیہ دینا جائز تھا۔ ان کے نزدیک یہ آیت اس حکم کی ناسخ ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ الخ مریض اور مسافر کا حکم اگرچہ پہلے بیان ہو چکا تھا لیکن فمن شهد کی صراحت سے اس حکم کے نسخ کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے اس حکم کا اعادہ فرما دیا وتکریره لئلا یتوهم نسخه کما نسخ قرینه (روح ص۶۳ ج ۲) یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی مہربانی اور وسعتِ رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے عذر کی حالت میں روزہ کی معافی دیدی اور بیمار کے لئے آسانی پیدا کر دی۔ ۳۴۳ اس سے پہلے تین احکام بیان فرمائے ہیں یہاں تینوں کی الگ الگ علتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلے ایک حکم تو یہ تھا کہ رمضان کے پورے روزے رکھو۔ سفر اور بیماری کی حالت میں جو روزے رہ جائیں۔ رمضان کے بعد ان کی قضا دو۔ دوسرا حکم چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کے طریقہ کے متعلق تھا اور تیسرا حکم بیماری اور سفر کی حالت میں رخصت کا تھا۔ اب یہاں ترتیب وار تینوں کی علتیں بیان فرمائی ہیں یعنی رمضان کے روزوں کی گنتی کا خیال رکھنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ تمہاری گنتی پوری ہو جائے۔ اور کوئی روزہ کم نہ رہے۔ اور قضا کا طریقہ تمہیں بتایا تاکہ تم اللہ کے اس احسان پر اس کی عظمت اور برتری کا اقرار کرو۔ اور عذر کی حالت میں تمہیں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی تاکہ تم اس کے اس انعام کا شکریہ ادا کرو۔ فقوله لتکملوا علة الامر بمراعاة العدة ولتکبروا علة ما علم عن کیفیة القضاء والخروج عن عهدة الفطرة ولعلکم تشکرون علة الترخیص (مدارک ص۷۷ ج ۱)

موضح قرآن ف اوپر کی آیت میں فرمایا کہ بڑائی کرو اللہ کی یعنی عید کے دن جو تکبیر کہتے ہیں باآواز بلند اس واسطے دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ دور نہیں بلند آواز سے اور فائدے کے واسطے ہے۔ ایک شخص نے حضرت سے بھی پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کہیں، اس پر یہ آیت اتری۔

ف۳۴۴ یہ جملہ معترضہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے قرب کا بیان ہے روزہ چونکہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کا موجب ہے اس لئے روزہ کے بعد قربِ الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے نیز پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑھائی کا بیان تھا اس لئے اس سے اللہ کے بُعد کا تصور آسکتا تھا۔ اس لئے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمارا خدا دور ہے یا نزدیک۔ اگر دور ہے تو اس کو زور زور سے پکاریں اور اگر نزدیک ہے تو آہستہ پکاریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عَنِّیْ کے معنی ہیں میرے قُرب اور بُعد کے متعلق یعنی اے پیغمبر جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں کہ آیا ہمارا رب قریب ہے یا دور، تو آپ ان سے فرمائیں کہ میں نزدیک ہوں دُور نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہر جگہ قریب ہے جہاں چاہو اس کی عبادت کرو اور جہاں سے چاہو پکارو لیکن مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی قبروں پر جا کر ان کو مافوق الاسباب حاجت روائی اور مشکلکشائی کے لئے پکارتے ہیں وہ اللہ کے بندے وہاں بھی ان سے دور ہوتے ہیں اور ان کی دعاء و پکار کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ان کی حاجت روائی کی قدرت رکھتے ہیں ف۳۴۵ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کی دلیل بیان فرمائی ہے۔ یہاں اجابت کے معنی قبول کرنے کے ہیں اور دعا کے معنی عبادت کے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خالص میری عبادت کرتے ہیں اور توحید کے پابند ہیں ان کی عبادت اور پکار قبول کر لیتا ہوں تو اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کی عبادت اور دعاء مردود ہوتی ہے ای اقبل عبادة من عبدنی فالدعاء بمعنی العبادة والاجابة بمعنی القبول (قرطبی ص۳۰۸ ج ۲) ف۳۴۶ جس طرح وہ مجھے حاجات میں پکارتے ہیں اور میں ان کی پکار سنتا ہوں اسی طرح انہیں بھی چاہیئے کہ وہ میری دعوتِ ایمان و توحید قبول کریں اور میری اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ فلیستجیبوا لی اذا دعوتهم للایمان والطاعة کما انی اجیبهم اذا دعونی لحوائجهم (مدارک ص۷۵ ج ۱، روح ص۶۳ ج ۲) وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ اور خالص ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اس میں شرک کی ملاوٹ نہ کریں۔ امر بالثبات والمداومة علی الایمان (روح ص۶۳ ج ۲) لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ تاکہ ان پر رشد و ہدایت کے دروازے کھل جائیں اور وہ دین و دنیا کی مصالح کو سمجھ سکیں۔ ای یهتدون لمصالح دینهم و دنیاهم (روح ص۶۳ ج ۲) ف۳۴۷ شروع شروع میں جب رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی اس وقت جس طرح دن کو کھانے پینے اور جماع سے علیحدگی کا حکم تھا اسی طرح رات کو بھی ان چیزوں سے بچنا لازم تھا۔ صرف اس قدر اجازت تھی کہ غروبِ آفتاب کے وقت روزہ افطار کرنے کے بعد سے لے کر سو جانے تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی۔ ایک دفعہ سو جانے کے بعد اجازت نہیں تھی اس تنگی کی وجہ سے بعض دفعہ صحابہ کرام کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ چنانچہ حضرت قیس بن صرمہ انصاری کا واقعہ ہے کہ وہ روزہ سے تھے اور دن بھر ایک باغ میں مزدوری کرتے رہے افطار کے وقت گھر آئے اور بیوی سے کھانے کی کوئی چیز طلب کی۔ چونکہ کوئی چیز موجود نہیں تھی اس لئے ان کی بیوی کہیں سے کوئی چیز لینے کے لئے گئی۔ جب لیکر واپس آئی تو وہ دن کے تھکے ماندے سو چکے تھے اس لئے اب کچھ نہیں کھا سکے۔ صبح پھر روزہ رکھنا تھا۔ اگلے دن جب دوپہر ہوئی تو بیہوش ہو گئے۔ یہ واقعہ حضور علیہ السلام سے بیان کیا گیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (قرطبی ص۳۱۶ ج ۲) لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ کا مفعول فیہ ہے اور الرفث سے جماع مراد ہے۔ والرفث کنایة عن الجماع لان اللہ عزوجل کریم یکنی (قرطبی ص۳۱۵ ج ۲) یعنی اب روزوں کی راتوں میں بیویوں سے مشغول ہونا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ ف۳۴۸ یعنی اب رات کے وقت میاں بیوی کا باہمی اختلاط جائز ہے۔ عربی زبان میں لباس کے معنی راحت اور سکون کے بھی آتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے یہاں یہی منقول ہے ای هن سکن لکم وانتم سکن لهن قال ابن عباسؓ (روح ص۶۵ ج ۲) یعنی عورتیں تمہارے لئے آرام اور سکون کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے۔ ف۳۴۹ خیانت دراصل عہد پورا نہ کرنے سے عبارت ہے الخیانة عبارة عن عدم الوفاء بما یجب علیه (کبیر ص۱۲۰ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر رمضان کی راتوں میں حرمتِ جماع کا حکم باقی رہتا تو تم اس کو پورا نہ کر سکتے اور تم سے اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حرمتِ جماع کا حکم اٹھا لیا اور بوقتِ شب بیوی سے مباشرت کی اجازت دیدی اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک صحابہ کرامؓ سے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی۔ ان المراد علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم لو دامت تلک الحرمة ومعناه ان اللہ یعلم انه لو دام ذلک التکلیف الشاق لوقعوا فی الخیانة وعلی هذا التفسیر ما وقعت الخیانة (کبیر ص۱۲۰ ج ۲) فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی فرمائی اور سابقہ حکم اٹھا لیا وسع علیکم ان اباح لکم الاکل والشرب والمباشرة فی کل اللیل (کبیر) بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ سے خیانت یعنی حکم کی خلاف ورزی ہو گئی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے وہ حکم اٹھا لیا اور گذشتہ خیانت کا گناہ معاف کر دیا۔ ف۳۵۰ مباشرت سے مراد جماع ہے اور مَا کَتَبَ لَکُمْ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے) سے مراد اولاد ہے قال ابن عباس ومجاهد والحکم بن عتیبة وعکرمة والحسن والسدی والربیع والضحاک معناه وابتغوا الولد (قرطبی ص۳۱۸ ج ۲) یعنی اب اجازت ہے رات کو اپنی بیویوں سے مباشرت کرو اور خدا نے جو اولاد تمہاری قسمت میں لکھی ہے۔ اس کی تلاش کرو۔ اس آیت سے اس طرف اشارہ ہے کہ مباشرت سے جنسی تسکین کے علاوہ سب سے بڑا مقصد افزائش نسل ہے وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا یعنی اب رات کے وقت عورتوں سے مباشرت کے علاوہ تمہیں کھانے پینے کی بھی اجازت ہے۔ ف۳۵۱ اس آیت میں تینوں چیزوں یعنی مباشرت، کھانے اور پینے کی آخری غایت اور حد بیان کر دی ہے جس تک یہ تینوں کام جائز ہیں غایة الثلاثة الاشیاء من الجماع والاکل والشرب (بحر ص۵۰ ج ۲) خیط ابیض (سفید دھاری) سے روشنی کی وہ لمبی لکیر مراد ہے جو صبح کے وقت افق کے ساتھ ساتھ نمودار ہوتی ہے اور خیط اسود (سیاہ دھاری) سے مراد رات کی تاریکی ہے۔ الخیط الابیض هو اول ما یبدو من الفجر المعترض فی الافق کالخیط الممدود من الخیط الاسود وهو ما یمتد من سواد اللیل (مدارک ص۷۶ ج ۱) مِنَ الْفَجْرِ یہ الخیط الابیض کا بیان ہے اور اس بیان سے اس طرف اشارہ ہے کہ سفیدی سے بیاض معترض یعنی صبح صادق کی سفیدی مراد ہے جو زمین کے ساتھ ساتھ پھیلتی ہے اور بیاض مستطیل یعنی صبح کاذب کی سفیدی مراد نہیں جو صبح صادق سے پہلے ایک لمبے خط کی صورت میں آسمان پر ظاہر ہوتی ہے۔ سیاہ دھاری سے سفید دھاری کے نمودار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رات کی تاریکی سے صبح صادق کی روشنی افق کے ساتھ ساتھ ظاہر ہو جائے بس اس حد تک یعنی طلوع صبح صادق تک مباشرت اور کھانا پینا جائز ہے۔ ف۳۵۲ پہلے روزے کی ابتدا بیان کی۔ اب یہاں اس کی غایت کا ذکر ہے یعنی صبح صادق سے لے کر رات کی ابتدا تک روزہ پورا کرو۔ معلوم ہوا کہ رات روزہ میں داخل نہیں اور رات غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے لہٰذا غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی روزہ ختم ہو جاتا ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد سرخی کے غائب ہونے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مکروہ ہے جیسا کہ جہلاء میں مشہور ہے۔ فظاهر الآیة ان الصوم ینتهی عند دخول اللیل (کبیر ص۱۲۵ ج ۲) ف۳۵۳ اس آیت میں اعتکاف کا حکم بیان فرمایا ہے یعنی ویسے روزوں میں رات کے وقت بیوی سے مباشرت جائز ہے مگر اعتکاف کی صورت میں رات کو بھی مباشرت جائز نہیں۔ مباشرت سے مراد جماع ہے۔ اگر رات کے وقت معتکف نے بیوی سے صحبت کر لی تو اس کا اعتکاف باطل ہو گیا۔ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ تِلْکَ سے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ ای هذه الاحکام حدود اللہ فلا تخالفوها (قرطبی ص۳۳۷ ج ۲) ف۳۵۴ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام اوامر و نواہی کا علم ہو جائے اور وہ اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے بچ کر پرہیزگار بن جائیں۔

اعتکاف کے مسائل

حنفیہ کے نزدیک رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کسی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھنا سنت مؤکدہ ہے جس میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھی جاتی ہوں۔ اگر ایک محلہ میں ایک آدمی اعتکاف بیٹھ جائے تو دوسروں سے اعتکاف ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ سنت کفایہ ہے۔ اعتکاف کے لئے مسجد اور روزہ شرط ہے۔ اعتکاف کی حالت میں طبعی حاجات

مثلاً کھانا پینا اور قضائے حاجت کے بغیر مسجد سے نکلنا جائز نہیں بعض شرعی ضروریات کے لئے بھی مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ مثلاً دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جانا اگر اعتکاف والی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو۔ اور نماز جنازہ وغیرہ۔ اگر کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلے تو ضرورت سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے۔ اگر بلا ضرورت مسجد سے باہر رہا تو اس سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان سے اعتکاف بھی باطل ہو جاتا ہے۔ اعتکاف کی حالت میں نہ بلا ضرورت دنیوی باتیں جائز ہیں اور نہ ہی بالکل خاموش رہنا جائز ہے بلکہ ذکر اللہ، تلاوت قرآن اور صلوٰۃ و سلام میں مصروف رہنا چاہیئے۔

قصاص اور وصیت دو انتظامی امر بیان کرنے کے بعد ایک امر مصلح یعنی روزہ کا بیان فرمایا۔ روزہ چونکہ تقویٰ و طہارت کی ترغیب دیتا ہے اور باطن کا تزکیہ کرتا ہے کیونکہ روزہ کے ذریعہ مسلمان کو حلال مرغوبات سے باز رہنے کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ یعنی روزہ میں خدا کے حکم سے طلوع صبح صادق اور غروب آفتاب کے درمیان اکل و شرب اور جماع ممنوع ہے حالانکہ یہ چیزیں فی نفسہ حلال ہیں روزہ میں حلال چیزوں سے روک کر حرام چیزوں سے دور رہنے اور بچنے کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے چنانچہ اسی مناسبت سے روزہ کے بعد اکل حرام کی ممانعت فرمائی۔ ۳۵۵ یہاں کھانے سے لینا اور قبضہ کرنا مراد ہے۔ المراد من الاکل ما یعم الاخذ والاستیلاء (روح ص۶۹ ج۲) باطل سے مراد ہر وہ طریقہ ہے جو حرام ہو اور شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہو۔ والمراد من الباطل الحرام کالسرقۃ والغصب وکل مالم یاذن باخذہ الشرع (روح ص۷۰ ج۲) تو اس تفسیر کے مطابق توحید اور حق چھپانے کی بنا پر جو نذریں نیازیں اور تحفے تحائف

یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ

بچتے رہیں ۳۵۴ ف۱ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق ۳۵۵ اور

تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ

نہ ان کو پہنچاؤ حاکموں تک ۳۵۶ کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں

النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے ۳۵۷ ف۲ ف۳ تجھ سے پوچھتے ہیں حال

الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ

نئے چاند کا ۳۵۸ کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کیواسطے ۳۵۹ ف۴ اور

الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ

نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے ۳۶۰ اور لیکن

الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا

نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے ۳۶۱ اور اللہ سے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو ۳۶۲ ف۵ اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے

يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی نہ کرو ۳۶۳ بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنیوالوں کو ف۶

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ

اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ ۳۶۴ اور نکال دو ان کو جہاں

حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا

سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے ۳۶۵ ف۳ اور نہ

تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ

لڑو ان سے مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ

ع ۲۳ / ۷

۳۵۴ امر مصلح روزہ کے بعد مالیات سے متعلق امر انتظامی کا ذکر ۱۲ ۳۵۵ تا کلوا پر معطوف ہے ۳۵۶ متفرع بر نفی ۱۲ ۳۵۷ امر مصلح سے متعلق ایک سوال روزہ جب قریب آئی کہا یک ذریعہ ہے تو کیا ماہ رمضان کی تخصیص ضروری ہے یا کوئی سے تیس دن روزے رکھ لیے جائیں ۱۲ ۳۵۸ جواب ۳۵۹ یہ سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا ایسے سوالوں سے پرہیز کرو ۱۲ ۳۶۰ امر انتظامی ہم معصلح کے بعد اصل مقصد (امر جہاد) کا بیان پہلی بار ۱۲ ۳۶۱ قتال کی پہلی علت ۳۶۲ تعلیم ۱۲ ۳۶۳ مراد شرک ، قتال کی دوسری علت ۱۲۔

موضح قرآن

ف۱ جب روزہ فرض ہوا تو مسلمان سارے رمضان عورت کے پاس نہ جاتے اور پہلی امت کی طرح رات کو سو کر پھر نہ کھاتے۔ اس بیچ میں بعضے شخص نہ رہ سکے پھر حضرت کے پاس عرض کیا تب یہ آیت اتری یعنی تم اپنی چوری کرتے تھے اللہ نے منع نہیں کیا اور کھانا صبح تک رخصت ہے جب دھاری سفید پڑے وہی صبح صادق ہے اور جب تک روشنی اونچی رہے ستون ہی وہ صبح کاذب ہے مگر اعتکاف میں رات دن عورت پاس نہ جاوے ف۲ نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو یا رشوت نہ دو کہ حاکم کو پھیر کر کسی کا مال کھا جاؤ۔ ف۳ لوگوں نے حضرت سے پوچھا کیا سبب ہے چاند ایک حالت پر نہیں رہتا اللہ صاحب نے جواب فرمایا کہ اس پر حال بدلتے رکھے ہیں تا مہینے کی حد ٹھہرے پھر مہینوں سے برس ٹھہرے اس پر خلق کے معاملے اور اللہ کی عبادت کو وقت مقرر ہو عبادت جو برس پر مقرر ہے ایک روزہ ہے جس کا حکم مذکور ہوا دوسرے حج اس کا حکم آگے شروع ہوتا ہے۔ کفر کی غلطیوں میں ایک یہ تھی کہ جب گھر سے نکل کر احرام باندھا حج کا پھر کچھ ضرورت ہوئی کہ گھر میں جائے تو دروازے سے نہ جاتے چھت پر چڑھ کر آتے اللہ نے اس کو غلط کیا۔ ف۴ حج کے ساتھ یہ مذکور بھی ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جائے امان تھی اگر یہاں دشمن کو دشمن پاتا تو بھی کچھ نہ کہتا اور حج کے اول اور آخر تین مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب کہ وہ بھی وقت زیارت تھا یہ چار مہینے وقت امان تھے کہ تمام عرب میں راہیں جاری ہوتیں اور لڑائی موقوف رہتی اللہ تعالیٰ ان کا حکم فرماتا ہے اس بیچ میں اور بھی لڑائی کے حکم اور جہاد کے آداب فرماتا ہے۔ یہ جو فرمایا کہ جو تم سے لڑیں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑکے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ ماریئے لڑنے والوں کو ماریئے ۱۲

فتح الرحمٰن

ف۱ مترجم گوید ظاہر نزدیک ایں بندہ آنست کہ سوال کردند از اشہر حج کہ شوال و ذیقعدہ و دہ روز از ذی الحجہ باشند کہ ایام حج موقت است بآنہا یا نہ و دیگر از تحریفات جاہلیت آں بود کہ از حال احرام از بالائے دیوار جستہ و یا از نقب دیوار گذشتہ بہ خانہ می آمدند و از راہ دروازہ نمی آمدند پس نازل شد ایں آیت واللہ اعلم ۱۲ ف۲ یعنی با مردمان احرام حج بندند ۱۲ ف۳ یعنی در مقابلہ او قتل جائز است ۱۲

وصول ہوں گے ۔ وہ بھی باطل ذریعے کے تحت داخل ہوں گے ۔ اسی طرح رشوت جھوٹے مدعی کی وکالت اور دیگر غیر شرعی پیشوں سے جو کمائی حاصل ہوگی وہ سب اس کے تحت آئے گی ۔
۳۵۶ اس کا عطف تاکلوا پر ہے یعنی نہ غیر شرعی اور حرام ذریعے سے ایک دوسرے کا مال کھاؤ اور نہ ہی اپنا مال بطور رشوت حاکموں کو دو لتاکلوا فریقًا من اموال الناس بالاثم حکام کو رشوت
دینے کا مقصد ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے کہ جو فیصلہ اپنے خلاف جاتا ہو اسے اپنے حق میں فیصل کرا لیا جائے اور اس طرح ناجائز طور پر ایک اصل حقدار کی حق تلفی کر کے غیر شرعی طریقے سے اس پر قبضہ کیا جائے رشوت
دینے کے اس گھٹیا مقصد کو اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر کیا ہے ۔ یعنی اس گھٹیا اور غیر شرعی مقصد کی خاطر حاکموں کو رشوت نہ دو ۔ ۳۵۷ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم دوسرے بھائی کی حق تلفی کر رہے ہو ۔
اور اس کے مال پر ناجائز قبضہ کر رہے ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص رشوت دیکر یا اپنی چرب زبانی کے ذریعے جج یا قاضی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا کر دوسرے کا مال حاصل کر لیتا ہے تو
قاضی کا فیصلہ اگرچہ بظاہر نافذ ہو جائے گا مگر عند اللہ وہ شخص سخت مجرم اور اس کا مال لینا اس کے لئے حرام ہے کیونکہ قاضی یا جج کے فیصلہ سے حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی ومن الاکل بالباطل
ان یقضی القاضی لك وانت تعلم انك مبطل فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی لانه انما یقضی بالظاهر وهذا اجماع فی الاموال (قرطبی ص ۳۳۸ ج ۲) ۳۵۸ اَهِلَّة
ھلال کی جمع ہے جس کے معنی نئے چاند کے ہیں بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے بارے میں سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ چاند سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا ہر ماہ کا
چاند پہلے باریک سا ہوتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے چودھویں تاریخ کو پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ دوبارہ پہلے کی طرح باریک رہ جاتا ہے ۔ ذکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سئل عن زیادۃ الاھلۃ ونقصانها فی اختلاف احوالها (ابن جریر ص ۱۰۸ ج ۲) ۳۵۹ یہ اس سوال کا جواب ہے ۔ یعنی یہ چاند لوگوں کے لئے اپنے معاملات میں تعیین اوقات کا ذریعہ ہے نیز ان
کے سب سے بڑے مذہبی اور سماجی اجتماع حج کی تعیین بھی اسی کے ذریعہ ہوتی ہے ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق چونکہ سوال نامناسب اور موقع اور محل کے مطابق نہیں تھا
اس لئے ان کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا گیا بلکہ جواب میں چاند کی کمی بیشی کی حکمت بیان کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ ایسے بیکار اور بے فائدہ سوالوں اور کاموں سے اجتناب چاہیئے ۔ چنانچہ
مثال کے طور پر ان کی ایک فضول رسم آگے بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے فضول کام نیکی میں داخل نہیں ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ پوچھا تھا کہ حج کیلئے
اشہر حج کی تعیین ضروری ہے یا حج دوسرے مہینوں میں بھی کیا جا سکتا ہے تو اس کا جواب دیا گیا کہ اشہر حج کی تعیین ضروری ہے ۔ مگر اس طرح بھی آیت کا ماقبل سے کوئی ربط ظاہر نہیں ہوتا اس لئے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ روزہ بذاتِ خود قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے اس کے لئے ماہ رمضان کا چاند دیکھنے کی تخصیص کیا ضروری ہے چاند دیکھے بغیر کوئی سے تیس دنوں کے روزے رکھ لئے جائیں
تو کیا حرج ہے تو جواب دیا گیا کہ رمضان کی تخصیص ضروری ہے ۔ اور اسی لئے چاند کی کمی بیشی سے بارہ ماہ معین کئے گئے ہیں تاکہ ہر شخص آسانی سے ایک ماہ کا اختتام اور دوسرے ماہ کی ابتدا سمجھ سکے ۔
۳۶۰ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ حج کے احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ مکان کی پچھلی دیوار توڑ کر یا اسے پھاند کر گھر میں آتے تھے اور اس کو وہ بہت
بڑی عبادت سمجھتے تھے اسلام کے بعد نو مسلموں نے بھی اپنی عادتِ قدیمہ کے مطابق ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس غلط روش سے منع فرمایا اور ان پر واضح فرمایا کہ یہ غیر معقول حرکت نیکی
اور ثواب کا کام نہیں ۔ ان ناسًا من العرب کانوا اذا احجوا لم یدخلوا بیوتهم من ابوابها کانوا ینقبون فی ادبارها الخ (ابن جریر ص ۱۰۹ ج ۲) ۳۶۱ یعنی نیکی یہ نہیں کہ تم اس قسم کی جاہلانہ رسموں
کی پابندی کرو بلکہ نیکی کی حقیقت تو تقوی ہے اس لئے تم تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاؤ ۔ اور جن کاموں سے اس نے روکا ہے ان سے بچو ۔ یہ ماقبل کے لئے ایک تمثیل تھی یعنی چاند کے
بارے میں سوال کرنا بالکل بے معنیٰ اور الٹا سا سوال ہے بلکہ اسی طرح جیسا کہ حج کے موقع پر گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہونا ایک الٹا کام ہے ۔ ۳۶۲ دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامیابی کا راز خوفِ
خدا ہی میں مضمر ہے خدا سے ڈر کر اس کے مقرر کئے ہوئے آئینِ حیات کے اتباع ہی سے دین و دنیا میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہو سکتی ہے ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ سے
لے کر یہاں تک تین امور انتظامیہ قصاص ، وصیت ، مالِ غیر سے اجتناب اور ایک امر مصلح یعنی روزہ کا بیان تھا اب آگے جہاد کا حکم ہے ۔ ربط ۳۶۳ دوسرے حصہ میں پہلے تین امور انتظامیہ بیان
فرمائے کیونکہ نظم و نسق اور اتحادِ باہمی کے بغیر جہاد ناممکن ہے ۔ پھر ایک امر مصلح بیان فرمایا کہ باطن کی صفائی ہو اور امور انتظامیہ پر بخوشی عمل کیا جا سکے اب آگے اصل مضمون کا ذکر ہے یعنی امر قتال اور یہ
قتال محض اللہ کی توحید کو بلند کرنے کے لئے ہے مسلمانوں نے مکہ میں پورے تیرہ برس انتہائی مظلومی کی حالت میں گذارے مشرکین کی طرف سے ہر قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں برداشت کیں ۔ آخر مدینہ کی
طرف ہجرت کر کے چلے گئے مگر دشمنوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی اپنی مدافعت کے لئے جنگ کرنے کی اجازت دیدی لیکن ساتھ ہی تین شرطیں بھی عائد فرما دیں ۔ اول یہ کہ لڑائی
میں پہل نہ کریں اور صرف اس صورت میں لڑیں جبکہ کفار خود لڑائی کا آغاز کریں ۔ ظاهرہ من یناجزکم القتال ابتداء او دفعًا عن الحق (بحر ص ۶۵ ج ۲) دوم لڑائی صرف انہیں سے کی جائے جو میدان
جنگ میں تم سے لڑ رہے ہیں یا دشمن کو کمک پہنچا رہے ہیں یا انہیں جنگ کی تدبیریں بتا رہے ہیں ۔ اور جو لوگ لڑائی میں کسی قسم کا حصہ نہیں لے رہے ان سے تعرض نہ کیا جائے یہ دونوں شرطیں الذین
یقاتلونکم سے مفہوم ہیں تیسری شرط ولا تعتدوا کہ حد سے تجاوز نہ کرو ۔ اس کے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے لا تقاتل من لا یقاتلك یعنی النساء والصبیان والرهبان (ابن جریر
ص ۱۱۰ ج ۲) یعنی جو لوگ لڑنے کے قابل نہیں یا لڑائی میں شریک نہیں ہیں مثلاً عورتیں ، بچے اور ان کے مذہبی رہنما وغیرہ انہیں مت قتل کرو ۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اللہ کی راہ میں) یہاں سبیل سے مراد اللہ کا دین
اور اس کی توحید ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے دین کو عزت حاصل ہو اور کلمۂ توحید سربلند ہو ۔ ای جاھدوا لاعزاز الدین واعلاء کلمته (روح ص ۷۶ ج ۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔
یہ حکم ماقبل کی علت ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ مقررہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۳۶۴ ھُمْ کی ضمیر الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ کی طرف راجع ہے ضمیر المفعول عائد علی الذین یقاتلونکم وهذا امر بقتلهم حیث
ثقفوا فی کل مکان حال حرمه الخ (بحر ص ۶۶ ج ۲) یعنی جو مشرکین تمہارے ساتھ برسرِ پیکار ہیں جب وہ تم سے لڑنے کے لئے نکل پڑیں تو جہاں کہیں بھی تمہاری ان سے مڈبھیڑ ہو جائے تم ان سے لڑو اور
قتل کر دو خواہ حرم ہی میں مقابلہ کیوں نہ ہو جائے وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ۔ حَیْثُ یہاں تعلیلیہ ہے یعنی ان کو مکہ سے نکالو کیونکہ انہوں نے تم کو نکالا ہے یا ظرفیہ ہے یعنی جہاں سے انہوں
نے تم کو نکالا ہے ۔ وہاں سے تم ان کو نکالو ۔ یعنی مکہ مکرمہ سے یا حیث تشبیہ کے لئے ہے یعنی جس طرح انہوں نے تم کو سرزمین مکہ سے نکالا ہے اسی طرح تم ان کو وہاں سے
نکال دو مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے قتل و اخراج میں سے جو ممکن ہو اس پر عمل کرو ۔ والمراد افعلوا کل ما یتیسر لکم من هذین الامرین فی حق المشرکین (روح ص ۷۵ ج ۲) ۳۶۵ یہ اقتلوھم کی
علت ہے اور فتنہ سے مراد شرک ہے ۔ مشرکین نے مسلمانوں پر ظلم کی تھی کہ انہوں نے حرم کعبہ کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور اس میں جنگ و قتال شروع کر دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو بیت اللہ
میں شرک اور بت پرستی کرتے ہو وہ گناہ تو قتل اور خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے اور اس سے زیادہ بُرا ہے ۔ اللہ نے تو اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بیت اللہ کو شرک سے پاک رکھیں تم نے
بیت اللہ کو شرک و بت پرستی کا مرکز بنا دیا ہے ۔ ای شرکهم بالله اشد حرامًا من القتل الذی عیروکم به فی شان ابن الحضرمی (بحر ص ۶۶ ج ۲) وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ الخ اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت فرما دی کہ وہ حدود حرم میں مشرکین سے لڑنے میں پہل نہ کریں ۔ ہاں اگر مشرکین حدود حرم میں داخل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے لگیں تو اب مسلمانوں

کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ان سے لڑیں ۔ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۔ ایسے ضدی اور معاند کفار کی یہی سزا ہے کہ جب وہ حرم کعبہ میں بھی شر و فساد اور قتل و خونریزی سے باز نہ آئیں تو وہیں ان کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ ۳۶۶ یعنی اگر وہ ایمان لے آئیں اور شرک چھوڑ دیں اور جنگ و قتال سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ گناہ معاف فرما کر انہیں اپنی رحمت میں شامل فرمالے گا ای عن قتالکم بالایمان فان اللہ یغفرلهم جمیع ما تقدم ویرحم کلا منهم بالعفو عما اجترموا (قرطبی ص۳۵۳ ج ۲) وَقٰتِلُوْهُمْ الخ یہاں بھی ہُمْ کی ضمیر ان مشرکین عرب کی طرف راجع ہے اور فتنۃ سے مراد شرک ہے یعنی مشرکین عرب سے اس وقت تک جہاد جاری رکھو جب تک کہ سرزمین عرب سے شرک کا بالکل خاتمہ ہو جائے اور ہر طرف صرف اللہ ہی کی عبادت اور پکار ہونے لگے ۔ ضمیر المفعول عائد علی من قاتله وهم کفار مکة والفتنة ههنا الشرك وما تابعه من اذى المسلمين امروا بقتالهم حتى لا يعبدوا غير الله ولا يسن بهم سنة اهل

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی ف۱

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ

پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۳۶۶ ف۲ اور لڑو ان سے

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ

یہاں تک کہ نہ رہے باقی فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر

انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ

وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر ۳۶۷ ف۳ حرمت والا

الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا ۳۶۸ ف۴ اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى

تم پر زیادتی کی ۳۶۹ تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی

عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے ف۵

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں ۳۷۰ اور نہ ڈالو اپنی جان کو

التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

ہلاکت میں اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو ف۶ ف۱

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے ۳۷۱ ف۲ پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ

کہ میسر ہو قربانی سے ۳۷۲ اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے

مع عند المتقدمین ۱۲

الکتاب فی قبول الجزیة قاله ابن عباس (بحر ص۶۶ ج ۲) یعنی لا یکون شرك باللہ وحتی لا یعبد دونه احد (ابن جریر ص۱۰۹ ج ۲) ۳۶۷ اگر وہ کفر و شرک سے باز آجائیں اور تم سے لڑائی بند کر دیں اور دین اسلام اور توحید کو قبول کرلیں تو پھر ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے ۔ البتہ ان میں سے جو ظالم ہوں یعنی کفر و شرک پر قائم ہوں اور تم سے برسرپیکار ہوں ان سے بیشک لڑو اور انہیں قتل کرو ۔ فان انتهوا عن قتالکم ودخلوا فی ملتکم واقروا بما الزمکم اللہ من فرائضه وترکوا ما هم علیه من عبادة الاوثان (ابن جریر ص۱۰۹ ج ۲) اور عدوان سے یہاں جنگ اور سزائے قتل مراد ہے ۔ والمراد بالعدوان ههنا المعاقبة والمقاتلة (ابن کثیر ص۲۲۷ ج ۱) ۳۶۸ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے یعنی محرم، رجب، ذیقعدہ اور ذی الحجہ اشہر الحرم کہلاتے تھے اور ان میں جنگ و قتال جائز نہیں تھا ۔ ذیقعدہ کے مہینے میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور مسلمانوں پر تیراندازی اور سنگباری کے ذریعہ اس عزت والے مہینہ میں جنگ کی ابتدا کی ۔ اس وقت دونوں فریقوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ مسلمان اگلے سال عمرہ کریں ۔ جب اگلے سال مسلمان عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تو دل میں تردد پیدا ہوا کہ اگر کفار نے پہل کی اور لڑائی شروع کر دی تو پھر ہم کیا کریں اگر جوابی کاروائی نہ کریں تو یہ بھی مناسب نہیں اگر لڑیں تو عزت والے مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جوابی کاروائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ عزت والا مہینہ تو عزت والے مہینے کے بدلے ہوتا ہے ۔ اگر انہوں نے اس مہینے کی

موضح قرآن ف۱ یعنی مکہ جائے امان ہے لیکن جب انہوں نے ابتدا کی اور تم پر ظلم کیا اور ایمان لانے پر ستانے لگے کہ یہ مار ڈالنے سے زیادہ ہے اب ان کو امان نہ رہی جہاں جاؤ مارو آخر جبکہ مکہ فتح ہوا تو حضرت نے بھی حکم کیا کہ جو ہتھیار سامنے کرے اسی کو مارو اور باقی سب کو امن ۔ ف۲ یعنی اس سب پر اگر اب بھی مسلمان ہوں تو توبہ قبول ہے ف۳ یعنی لڑائی کافروں سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور دین سے گمراہ نہ کر سکیں اور حکم اللہ کا جاری رہے ۔ اگر تابع ہو کر رہیں تو لڑائی کی حاجت نہیں اور ایمان تو دل پر موقوف ہے زور سے مسلمان کرنا کیا حاصل ۱۲ ف۴ یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کو مانے کہ اس مہینے میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی اس سے نہ لڑو اور یہ کہ لوگ انہیں مہینوں میں ظلم کرتے رہے مسلمانوں پر پھر مسلمان پر کیوں قصور کریں بلکہ سفر حدیبیہ میں ماہ ذیقعدہ تھا حضرت عمرے کو گئے اور کافر لڑنے کو موجود ہوئے یہ آیت اسی واسطے اتری کہ مسلمان خطرہ کرتے تھے کہ اگر ماہ حرام میں کافر لڑنے لگیں تو ہم کیا کریں ۱۲ ف۵ یعنی جہاد نہ چھوڑ بیٹھو اسی میں تمہاری ہلاکت ہے ۔

فتح الرحمٰن ف۱ حاصل این آیت آنست کہ در مسجد حرام ابتداء قتال نہ باید کرد و چوں کافراں ابتدا کنند در مقابلہ ایشاں باید جنگ کردن کہ این معنی با حرمت مسجد و شہر منازع نہ دارد چنانچہ ابتدا بکشتن مسلمان درست نیست و اگر خون ناحق ریختہ باشد بقصاص بتواں کشت و فقہا ازاں سبب تصریح نہ کردند کہ اقامت حربیاں بمکہ بعد فتح مکہ بودنی است ۱۲ ف۲ یعنی بشروع لازم می شود ۱۲

حرمت کو قائم نہیں رکھا اور تم سے لڑنے لگے ہیں تو تم پر سے بھی اس کا احترام ساقط ہے۔ قاتلهم المشركون عام الحديبية فی ذيقعدة قتالاً خفيفاً بالرمی بالسهام والحجارة فاتفق خروجهم لعمرة القضاء فيه فكرهوا ان يقاتلوهم ... فقيل هذا الشهر بذلك وهتكه بهتكه فلا تبالوا به (روح ج ۲) وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ اور عزت و حرمت والی چیزیں تو برابر اور عوض و معاوضہ کی چیزیں ہیں - اگر وہ انکا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور اگر وہ احترام نہ کریں تو تم پر بھی لازم نہیں۔ ۳۶۹ یہ ماقبل پر متفرع ہے یعنی اگر وہ تم پر زیادتی کریں مثلاً شہر حرم میں تمہارے ساتھ لڑائی کی ابتدا کریں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو مگر تمہاری جوابی کارروائی ان کے ظلم و عدوان سے بڑھ کر نہ ہو۔ عربی محاورات میں فعل کی جزا کو نفس فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی محاورے کے مطابق یہاں مسلمانوں کی جوابی کارروائی کو جو مشرکین کی زیادتی کی جزا تھی اعتدا اور زیادتی سے تعبیر کیا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ کیسا زریں اصول ہے یہ اسلام کا کہ دشمن سے انتقام لینے میں بھی خوفِ خدا کو بیچ میں رکھ دیا کہ کہیں دشمن پر زیادتی نہ ہو جائے اور پھر ساتھ ہی مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو ہمیشہ میری مدد تمہارے شامل حال رہے گی۔ ۳۷۰ جہاد کے حکم کے بعد اب یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ خرچ کے بغیر جہاد ناممکن ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ سے بخل کرکے اور جہاد سے جی چرا کر اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو بترك الغزو والانفاق فيه (روح ج ۲) کیونکہ خرچ کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا اور جہاد کے بغیر نہ توحید قائم ہو سکتی ہے اور نہ مشرکین کا زور ٹوٹ سکتا ہے۔ وَاَحْسِنُوْا اور اپنے تمام اعمال کو اخلاص اور حسن نیت سے بجا لاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلصین کو بہت پسند کرتا ہے۔

ربط ۳۷۱ جہاد اور انفاق کے بعد اب یہاں سے دوسرے مصلح کا بیان شروع ہوتا ہے۔ امور مصلحہ کا ذکر ساتھ ساتھ چل رہا ہے تاکہ باطن کی اصلاح ہوتی رہے اور خدا کے احکام کی تعمیل طبیعت پر گراں نہ گزرے۔ جہاد کے بعد حج کا ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم میرے گھر میں حاضر ہو کر مجھ سے دعا مانگو اور مدد کی درخواست کرو میں تمہاری مدد کروں گا اور مشرکین پر تم کو غلبہ دوں گا۔ اور تمہیں قیامت تک قائم رکھوں گا۔ کیونکہ بیت اللہ کی حاضری لوگوں کے لئے قیام کا باعث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (مائدہ ع ۱۴)

موضح قرآن ف۱ یہاں سے حکم ہیں حج کے طریق یہ ہیں کہ احرام باندھے پھر عرفے کے دن عرفات میں حاضر ہو پھر وہاں سے چلے تو رات رہے مشعر الحرام میں پھر عید کی صبح منا میں پہنچ کر کنکر پھینکے اور حجامت کر کر احرام اتارے پھر مکے میں جا کر طواف کعبہ کرے پھر صفا اور مروہ کے بیچ دوڑے پھر منا میں آوے تین دن رہے ہر روز کنکر پھینکے پھر مکے میں جا کر طواف رخصت کرے اور چلا جاوے اور عمرے کے طریق یہ کہ احرام باندھے جن دنوں چاہے اور طواف کعبہ کرے اور صفا و مروہ کے بیچ دوڑے پھر حجامت کر کر احرام اتارے

الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى

قربانی اپنے ٹھکانے پر ۳۶۵ ف۱ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو

مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

سر کی ۳۶۶ ف۲ تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی ۳۶۷

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا

پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو جائے تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر ف۳ حج کے ساتھ تو اس پر ہے

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

جو کچھ میسر ہو قربانی سے ۳۶۸ پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین

اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ

حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو ۳۶۹ یہ دس روزے

كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ

ہوئے پورے ۳۷۰ یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں ۳۷۱ مسجد

الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ ۝۱۹۶ ع اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ

سخت ہے ف۴ حج کے چند مہینے ہیں معلوم ۳۷۲ ف۵ پھر جس نے لازم کر لیا

فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ

ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷

بہتر فائدہ زاد راہ کا بچنا ہے سوال سے ۳۷۳ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو ف۶

اور حج و عمرہ میں قربانی ضرور نہیں مگر کسی سبب سے یہاں اللہ تعالیٰ نے تین سبب فرمائے ایک یہ کہ احرام کر کر وہ شخص روکا گیا مرض سے یا دشمن سے تو کسی کے ہاتھ قربانی بھیج دیوے جب مکہ میں قربانی ذبح ہو تب یہ احرام سے نکلے پہلے حجامت نہ کرے دوسرا یہ کہ آزار سے یا سر کے بالوں سے عاجز ہو کر احرام کے بیچ حجامت کرے تو اس کا بدلہ ہے یا قربانی پہنچاوے یا تین روزے رکھے یا چھ محتاجوں کو کھلانا تیسرا یہ کہ حج و عمرہ جدا جدا نہ کرے ایک ہی سفر میں دونوں ادا کرے تو قربانی ضرور ہے۔ یہ قربانی پیدا نہ ہو تو دس روزے تین حج کے دنوں میں اور سات پیچھے اور قربانی کم سے کم ایک بکری ایک شخص کو اور ایک گائے یا اونٹ سات شخص کو اور حج و عمرہ ملنے سے جو قربانی آئی سو مکے کے ساکنوں پر نہیں ۱۲ ف۲ حج کے واسطے احرام باندھنے کا وقت غرہ شوال سے تا شب عید قربان اس سے پہلے بہتر نہیں اور حج اور عمرہ لازم کر لینا احرام سے ہے احرام یہ کہ نیت کرے شروع کرنے کی اور زبان سے کہے لبیک تمام پھر جب احرام میں داخل ہوا تو پرہیز رکھے مرد عورت کی صحبت سے اور ہر گناہ سے اور آپس کے جھگڑے سے اور بدن کے بال اتارنے اور ناخن تراشنے اور خوشبو ملنے اور شکار مارنے اور مرد بدن پر سلے کپڑے نہ پہنے اور سر نہ ڈھانکے اور عورت کپڑے پہنے سر ڈھانکے لیکن منہ پر کپڑا نہ ڈالے اور کفر کی ایک غلطی یہ تھی کہ بغیر خرچ حج جانا ثواب گنتے تھے اور توکل پر مقدور رہتے ہوئے خرچ نہ لیتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقدور ہو تو

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی در حج رمی جمرة العقبہ کنند کہ بمنی و در عمرہ از سعی بین الصفا والمروہ فارغ شوند بمکہ ۱۲ ف۲ یعنی پس لبیار داشتہ باشد و ایں سبب حلق کند پیش از محل ۱۲ ف۳ یعنی با امور ممنوعہ احرام بہرہ رشد ۱۲ ف۴ مترجم گوید دریں آیت چند

علامہ نسفی رحمہ نے لکھا ہے کہ اگر ایک سال کوئی آدمی حج کو نہ جائے تو تمام جہان تباہ ہو جائے ۔ قیل لو ترکوہ عاماً لم ینظروا ولم یؤخروا (مدارک ص۱۳۵ ج ۱) اور حج وعمرہ کے اتمام سے مراد یہ ہے کہ انکو ان کے فرائض وواجبات کے ساتھ ادا کیا جائے اور ان میں سستی نہ کی جائے اور للہ کا مطلب یہ ہے کہ حج محض اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے حج سے تجارت یا نمائش مقصود نہ ہو وادوهما تامين بشرائطهما وفرائضهما لوجه الله تعالى بلا توان ونقصان (مدارک ص۱۳۷ ج ۱) اب آگے احکام کی جزوی تفصیلات کا ذکر ہے ۔ ۳۷۲ یہاں مآ موصولہ ہے اور مِنَ الْهَدْيِ اس کا بیان ہے اور ف کے بعد علیکم اسم فعل محذوف ہے اور یہ جملہ شرطی جزا ہے اس آیت میں احصار کا حکم بیان فرمایا احصار سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص احرام باندھ کر بغرض حج یا عمرہ بیت اللہ کی طرف جا رہا ہو لیکن راستے میں کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے راستے کی کسی رکاوٹ کی بنا پر وہ بیت اللہ تک نہ پہنچ سکے تو اب وہ حج تو کر نہیں سکتا لیکن احرام سے بھی باہر آنا ہے ۔ اس لئے یہاں ایسے عازم حج کو احرام کھولنے کا طریقہ بتایا ہے کہ وہ قربانی کا ایک جانور حرم میں بھیج دے تاکہ وقت مقررہ پر اسے اس کی طرف سے ذبح کر دیا جائے ۔ ھدی اس جانور کو کہتے ہیں جو بیت اللہ میں بطور ہدیہ بھیجا جائے ۔ اور اس میں وہ تمام جانور جائز ہیں جو قربانی میں جائز ہیں ۔ ۳۷۳ محل سے حدود حرم مراد ہیں کیونکہ حاجیوں کے لئے قربانی کی وہی جگہ ہے ۔ ای مکانه الذی یجب نحره فیه وهو الحرم (مدارک ص۱۳۷ ج ۱) سر منڈانا چونکہ احرام سے باہر آنے کی علامت ہے اس لئے ارشاد فرمایا کہ جب تک تمہیں یقین نہ ہو جائے کہ تمہاری ہدی حدود حرم تک پہنچ گئی ہے اس وقت تک تم سر منڈا کر احرام سے باہر مت نکلو ۔ ۳۷۴ یہ ولا تحلقوا پر متفرع ہے یہاں بیمار کا حکم بیان فرمایا کہ اگر کوئی عازم حج بیمار ہو جائے اور ایسی بیماری لاحق ہو جس کی وجہ سے قبل از وقت سر منڈانے کی ضرورت پیش آ جائے یا اس کے سر میں پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں جن کی وجہ سے سر منڈانا پڑے ۔ ۳۷۵ تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قبل از وقت سر منڈالے لیکن اسے اس کا شرعی فدیہ ادا کرنا پڑے گا ۔ اور فدیہ تین چیزوں میں سے ایک چیز ہے یا تو تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کے اندازے کے مطابق غلہ دے اور یا پھر ایک جانور کی قربانی کرے خواہ بکری ہو خواہ گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ ۔ ۳۷۶ اب یہاں سے حالت امن کے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے ۔ امن سے مراد یہ ہے کہ احصار کی حالت نہ ہو ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمتع کا حکم بیان فرمایا ہے ۔ حج اور عمرہ کرنے کے تین طریقے ہیں ۔ (۱) افراد یعنی پہلے حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے اور اس کا احرام شرعی طریقہ سے ختم کر کے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کیا جائے ۔ والافراد وهو ان یحرم بالحج وبعد الفراغ منه بالعمرة (روح ص۸۲ ج ۲) یا برعکس کیا جائے یعنی پہلے عمرہ کیا جائے اور اس کا احرام ختم کر کے پھر حج کا احرام باندھ کر حج بجا لائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ دونوں ایک سال ہوں ۔ (۲) قران ۔ قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے ۔ احرام باندھتے وقت دونوں کی نیت کرے اور دعا میں بھی دونوں کا نام لے اور پھر حج کے احکام ادا کرے اور ان کے ساتھ ہی عمرہ کے احکام بجا لائے القران هو ان یحرم بهما معاً ویاتی بمناسك الحج فیدخل فیها مناسك العمرة (روح) (۳) تمتع اور وہ یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھ اور اس کے احکام بجا لائے اور پھر مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور اس کے مناسک ادا کرے اور پھر حج کا احرام کھول دے وهو ان یحرم بالعمرة فی اشهر الحج ویاتی بمناسکها ثم یحرم بالحج من جوف مکة ویاتی باعماله (روح) پھر تمتع کی دو قسمیں ہیں ایک مع سوق الهدی یعنی قربانی کا جانور ساتھ ہو ۔ دوم بغیر سوق الهدی یعنی قربانی کا جانور ساتھ نہ ہو پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ عمرہ بجا لانے کے بعد احرام نہ کھولے بلکہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد دونوں احرام اکٹھے کھولے ۔ اور دوسری صورت میں عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کے بال ترشوا کر عمرہ کے احکام سے حلال ہو جائے اور پھر مکہ میں مقیم رہے اور یوم ترویہ یا اس سے پہلے مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے اور حج ادا کر کے اس کا احرام کھول دے ۔ اس آیت میں تمتع کا حکم بیان فرمایا ہے کہ جو شخص تمتع کرے اس پر ایک جانور کی قربانی لازم ہے بعض مفسرین نے یہاں تمتع کو لغوی معنوں پر محمول کر کے قران کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے مگر آیت کے الفاظ اس کے متحمل نہیں کیونکہ آیت میں اِلَی انتہا کے لئے ہے اور اس میں عمرہ سے حج کی طرف منتقل ہونے کا ذکر ہے اور یہ چیز صرف تمتع پر صادق آسکتی ہے نہ کہ قران پر کیونکہ قران میں حج اور عمرہ دونوں اکٹھے ادا کئے جاتے ہیں اس لئے یہاں صرف تمتع کا ذکر ہے اور قران کا ذکر واتموا الحج والعمرة لله میں آچکا ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے اس لئے آیت افراد اور قران دونوں کو شامل ہے ۔ قاله الشیخ الانور رحمه الله تعالیٰ ۔ ۳۷۷ جو شخص تمتع کرے مگر ہدی دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو ۔ تو اس کے لئے یہاں ایک رخصت کی صورت بیان فرما دی کہ وہ اس کی جگہ دس روزے رکھ لے ان میں سے تین روزے تو ایام حج ہی میں رکھے اور سات حج سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹنے سے گھر واپس آنا مراد نہیں بلکہ اعمال حج سے فراغت مراد ہے ۔ وقال ابو حنیفة رضی الله عنه المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج والاخذ فی الرجوع (کبیر ص۱۴۳ ج ۲) لہٰذا اگر کوئی حج سے فارغ ہو کر مکہ ہی میں سات روزے بھی رکھ لے تو جائز ہے ۔ ۳۷۸ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ محض تاکید ہے یا کاملة سے فضیلت اور ثواب میں کامل مراد ہے اور یہ اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ قربانی کی جگہ دس روزے کس طرح کام دے سکیں گے ۔ یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کم ہیں ۔ تو فرمایا کم نہیں ہیں بلکہ یہ دس روزے فضیلت اور ثواب کے لحاظ ہدی کے برابر ہوں گے ۔ اور ہدی کا پورا پورا بدل ہوں گے ۔ ۳۷۹ ذٰلِكَ کا اشارہ تمتع کی طرف ہے جو فمن تمتع کے ضمن میں مذکور ہے ای التمتع بالعمرة الی الحج لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام (ابن جریر ص۱۴۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ تمتع اور اسی طرح قران صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو مکہ مکرمہ میں نہ رہتے ہوں یعنی باہر سے آنے والوں کے لئے مکہ یعنی حدود حرم میں رہنے والوں کے لئے جائز نہیں ہیں ۔ امام شافعی رح ذٰلِكَ کا اشارہ ہدی اور بدل ہدی کی طرف راجع کرتے اور ہدی یا بدل ہدی کو آفاقی متمتع پر ایک جنایت کی وجہ سے واجب قرار دیتے ہیں ۔ آفاقی پر اپنے میقات سے حج کا احرام باندھنا واجب تھا لیکن تمتع کی صورت میں اس نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور بیت اللہ میں آ کر عمرہ ادا کیا ۔ اب چونکہ حج کا احرام اس نے حرم سے باندھا ہے اور اس طرح ترک واجب کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اس جنایت کی وجہ سے اس پر ہدی واجب ہے لیکن ٹھیک نہیں کیونکہ اس صورت میں ذٰلك علی من ہونا چاہئے تھا نہ کہ لمن کیونکہ ہدی واجب ہے اور واجب کا صلہ علی آتا ہے ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ه اللہ کے اوامر ونواہی میں اس سے ڈرتے رہو اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ نافرمانوں کے لئے اس کا عذاب بڑا سخت ہے تاکہ تم اس کی نافرمانی سے بچے رہو ۔ ۳۸۰ الحج سے پہلے وقت مضاف محذوف ہے یعنی حج کا وقت مشہور ومعروف مہینے ہیں اور وہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں ۔ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فرض کے معنے یہاں مقرر اور لازم کر لینے کے ہیں اور حج لازم کر لینے سے مراد یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ لے ای الزم نفسه فیهن الحج بالاحرام (روح ص۸۵ ج ۲) رفث سے فحش کلامی، جماع اور اس کے محرکات مثلاً بوسہ اور لمس وغیرہ مراد ہیں ۔ ای الجماع او الفحش فی الکلام (روح ص۸۶ ج ۲) الجماع ودواعیه محظورة علی المحرم (ابوبکر جصاص) اور فسوق سے ہر قسم کے غیر شرعی افعال کا ارتکاب مراد ہے ۔ والخروج عن حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح ص۸۶ ج ۲) اور جدال سے ساتھیوں اور نوکروں سے جھگڑا اور سخت کلامی مراد ہے والخصاء مع الخدم والرفقة (روح ص۸۶ ج ۲) اور فِي الْحَجِّ سے ایام حج مراد ہیں ۔ یعنی جو شخص احرام باندھ کر حج پر روانہ ہو جائے، ایام حج میں اسے ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیئے وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ط اس لئے تمہاری کوئی نیکی ضائع اور رائگاں نہیں جائے گی بلکہ تمہارے درجات اخلاص کے مطابق تمہیں ہر نیکی کا صلہ ملے گا ۔ ۳۸۱ کچھ لوگ زاد سفر کے بغیر ہی سفر حج پر نکل پڑتے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے لیکن راستہ میں گداگری کرتے اور لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ گھر سے سفر خرچ لے کر چلو ۔ وکان اهل الیمن لا یتزودون ویقولون نحن متوکلون فیکونون کلاً علی الناس فنزل فیهم (مدارک ص۹۰ ج ۱) فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ یہاں گداگری اور سوال کرنے سے بچنا مراد ہے ۔ یعنی سب سے اچھا زاد راہ اپنی عزت نفس اور خودداری کی حفاظت کی خاطر گداگری اور سوال سے بچنا ہے ۔

وتزودوا ماتبلغون به فان خیرالزاد ما تکفون به وجوهکم عن السوال (کبیر صٓ۲۵۳ ج ۲) اور یہ وہی زادِ راہ ہے جو انسان اپنے گھر سے لے کر چلے نہ کہ وہ نام نہاد توکل وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ تمام احکام میں میرے لئے تقویٰ اختیار کرو۔ اور میرے سوا کسی سے مت ڈرو۔ کیونکہ عقلِ کامل کا یہی تقاضا ہے۔ ای اخصوالی التقوٰی فان مقتضی العقل الخالص عن الشوائب ذٰلك (روح صٓ۸۶ ج ۲) **۳۸۲** یہاں فضل سے مراد تجارت اور تلاشِ معاش ہے وهو الربح والنفع بالتجارة والكراء (مدارک صٓ۸۰ ج ۱) بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حج کے موقع پر تجارت کرنا مزدوری وغیرہ کرنا جائز نہیں۔ ایسا کرنے سے حج باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے اخلاص میں فرق آجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمادی اور ایامِ حج میں مکہ مکرمہ میں طلبِ معاش کے لئے تجارت اور مزدوری کی اجازت دیدی۔ ھٰذہ الاٰیة نزلت رداعلی من یقول لاحج للتجار والاجراء والحمالین (کبیر صٓ۲۵۵ ج ۲) **۳۸۳** مکہ مکرمہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا میدان ہے اس کا نام عرفات ہے ۹ ذی الحجہ کو پچھلے پہر تمام حاجی یہاں پہنچ جاتے ہیں اور آخر وقت عصر تک تکبیر و تہلیل اور ذکر اللہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کا نام اصطلاحِ شرع میں وقوفِ عرفہ ہے اور یہ حج کا بہت بڑا رکن ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد یہاں سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوتی ہے اور مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے۔ عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے کو افاضہ کہتے ہیں اور مشعر الحرام اصل میں تو وہ میدان ہے جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے مگر ذکر اللہ کے حق میں سارا میدان مزدلفہ مشعر حرام ہے اور مشعر حرام کی تخصیص شرف و فضیلت کے لئے ہے۔ اور یہ میدان مکہ مکرمہ سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ویسے تو تمام اعمالِ حج میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم ہے لیکن مزدلفہ کی رات میں خصوصیت سے حکم دے کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ رات اپنی قومی بڑائی اور خاندانی برتری کے اظہار کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی عیش و طرب اور جشن میلہ کے لئے ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا کہ مختلف قبیلوں کے شعراء اور خطباء اپنی قومی برتری کے اظہار کے لئے قصیدے اور خطبے پڑھا کرتے تھے۔ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ پھر اللہ کی یاد اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرو۔ اپنی مرضی اور خواہش سے نئے نئے طریقے ایجاد نہ کرو۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ یعنی خدا کی ہدایت اور راہنمائی سے پہلے تم بالکل دین و ایمان سے غافل اور بے خبر تھے۔ والمراد من الضلال الجهل بالايمان ومراسم الطاعات (روح صٓ۹۰ ج ۲) تو اللہ نے اپنا پیغمبر بھیج کر تمہیں مناسکِ حج اور دیگر احکام سے آگاہ فرمایا۔ **۳۸۴** قریش نے زمانہ جاہلیت سے اپنے لئے ایک امتیاز قائم کیا ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے برتر سمجھتے تھے اور حج کے موقع پر مزدلفہ ہی سے واپس آجاتے تھے۔ جبکہ دوسرے تمام لوگ عرفات تک جاتے۔ اور وہاں وقوف کر کے واپس آتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ واپس وہیں سے لوٹا کرو۔ جہاں سے عام لوگ واپس آتے ہیں یعنی عرفات سے اخرج البخاری عن عائشة رضی

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا **۳۸۲** ف۱

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ

پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر

الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ

الحرام کے **۳۸۳** اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا اور بے شک تم تھے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ

اس سے پہلے ناواقف ف۱ پھر طواف کے لئے پھرو جہاں

حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سے سب لوگ پھریں **۳۸۴** ف۲ اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

بخشنے والا ہے مہربان **۳۸۵** ف۲ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ

تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ **۳۸۶** پھر کوئی

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ

آدمی تو کہتا ہے ف۳ اے رب دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے

فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

آخرت میں کچھ حصہ نہیں **۳۸۷** اور کوئی ان میں کہتا ہے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ النصف اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے **۳۸۸** انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی

منزل ۱

(حاشیہ: تعقیب ذکری ۱۲ — حجاج کی قسم اول ۱۲ — حجاج کی قسم ثانی ۱۲ — النصف)

اللہ عنہا قالت کانت قریش ومن دان دینها یقفون بالمزدلفة وکانوا یسمون الحمس وکانت سائر العرب یقفون بعرفات (روح صٓ۹۰ ج ۲) اس آیت میں ثُمَّ تعقیب حکمی کے لئے نہیں بلکہ محض تعقیب ذکری کے لئے ہے کیونکہ افاضہ یعنی عرفات سے مزدلفہ جانے کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔ اب یہاں تاکید کے لئے فرمایا پھر سن لو کہ مزدلفہ سے مت واپس آجاؤ بلکہ جہاں تک دوسرے لوگ جاتے ہیں یعنی عرفات تک تم بھی وہاں تک جاؤ اور وہیں سے تمہاری واپسی ہونی چاہئے۔ **۳۸۵** اگر مناسکِ حج کی ادائیگی میں یا موقف کے سلسلے میں کوئی غلطی ہو جائے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ

موضح قرآن ف۱ گناہ نہیں کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا یعنی حج کے سفر میں مالِ تجارت بھی لے جاؤ روزی کمانے کو منع نہیں۔ لوگوں نے اس میں شبہ کیا تھا کہ شاید حج قبول نہ ہو اس واسطے فرمایا۔ ف۲ یہ بھی کفر کی غلطی تھی کہ مکے کے ساکن عرفات تک نہ جاتے کہ عرفات حرم سے باہر ہے حرم کی حد پر کھڑے رہتے سو فرمایا کہ جہاں سے سب لوگ چلیں طواف کو تم بھی چلو اور اگلی تقصیر پر نادم ہو

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی تجارت ۱۲ ف۳ یعنی از عرفات نہ از مزدلفہ چنانکہ قریش تحریف کردہ بودند ۱۲ ف۳ بعد ازیں خدا تعالیٰ تصویر میفرماید حال کافر و مومن را ۱۲

استغفار کرو کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں سے رحمت اور مغفرت سے پیش آتا ہے۔ ف۳۸۶ زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب حج سے فارغ ہو کر مل کر بیٹھتے اور اپنے آباء و اجداد کی تعریفیں کرتے اور اپنی خاندانی بڑائی بیان کرتے اور اپنے بڑوں کے کارناموں پر فخر کرتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح پہلے تم لوگ اپنے آباء کی بڑائی بیان کرتے تھے اس طرح اب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تو تم اپنے باپ دادا سے بھی بڑھ کر کیا کرو۔ اب آگے حاجیوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ف۳۸۷ پہلی قسم کے حاجی تو وہ ہیں کہ جس طرح ان کی زندگی کی ساری تگ و دو کا مطلب صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے اسی طرح حج بھی وہ دنیوی اغراض ہی کے لئے کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین عرب۔ یہ لوگ حج اس لئے کرتے تھے کہ حج کے موقع پر اور حج سے فارغ ہو کر اپنے آبائی مفاخر بیان کریں اور اپنی عظمت اور بڑائی کا اظہار کریں نیز ان مقامات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ سے دولت، مال مویشی اور دشمنوں پر فتحمندی کے لئے دعا کریں۔ چنانچہ یہ لوگ وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے اونٹ گائے اور بھیڑ بکری کے لئے دعائیں کرتے مگر اللہ سے بخشش اور انعام آخرت کی دعا کبھی نہ کرتے

كَسَبُوا ۚ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور یاد کرو اللہ کو

فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ

گنتی کے چند دنوں میں ف۳۸۹ پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۙ

تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں

لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ

جو کہ ڈرتا ہے ف۳۹۰ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس

تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ

جمع ہو گے ف۳۹۱ ف۱ اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ

دنیا کی زندگانی کے کاموں میں ف۳۹۲ اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر

وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ

تاکہ اس میں خرابی ڈالے ف۳۹۳ اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ

لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ

ناپسند کرتا ہے فساد کو اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو

الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾

غرور گناہ پر ف۳۹۴ تو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانا ہے ف۲

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ

اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں ف۳۹۵

۱؎ مراد ایام تشریق ۱۲

مع جہاد کی پہلی ترغیب ۱۲

مع جہاد کی دوسری ترغیب ۱۲

عن ابن عباس رض ان المشرکین کانوا یقولون اذا وقفوا اللّٰھم ارزقنا ابلًا و بقرًا و غنمًا و عبیدًا و اماءً او ما کانوا یطلبون التوبۃ والمغفرۃ (کبیر ص۲۲۰ ج ۲) کانوا یسئلون الابل والغنم والظفر بالعدو ولا یطلبون الاخرۃ (قرطبی ص۴۳۲ ج ۲) تو ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بس جو کچھ ہم نے دینا تھا، دنیا میں دیدیا۔ آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں البتہ جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ف۳۸۸ یہ حاجیوں کی دوسری قسم ہے۔ یہ لوگ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے دنیوی مقاصد کے لئے دعا کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ آخرت میں کامیابی اور جہنم کے عذاب سے بچانے کی دعا کرتے ہیں۔ اور حسنۃ سے دونوں جگہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مراد ہیں۔ والذی علیہ اکثر اھل العلم ان المراد بالحسنتین نعم الدنیا والاخرۃ وھذا ھو الصحیح (قرطبی ص۴۳۲ ج ۲) یہ گروہ مومنین کا ہے جو حج کے موقع پر اللہ سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی تمام نعمتیں مانگتے ہیں۔ ان کا مطمح نظر صرف دنیا ہی نہیں ہوتی اور یہی مومن کی شان ہونی چاہیئے بلکہ مومن کا اصل مقصد تو طلب آخرت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیوی منافع حاصل کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ دنیا طلب آخرت کی راہ میں حائل نہ ہو جاوے۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ یہ دوسری قسم کے حاجیوں کی جزاء ہے یعنی انہیں ان کی نیکی اور دعا کی جزاء آخرت میں ملے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولٰئک کا اشارہ دونوں فریقوں کی طرف ہو کہ فریقین میں سے ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء ملے گی (مدارک ص۱۰۹ ج ۱، البحر ص۱۰۶ ج ۲) وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۚ وہ لوگوں کی کثرت کے باوجود تھوڑے سے وقت میں سب کا حساب لے لیگا۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ جلدی ہی حساب لینے والا ہے کیونکہ قیامت قریب ہے اس لئے نیکی کی طرف توجہ کرو۔ ف۳۸۹ ایام معدودات سے مراد تین ایام تشریق ہیں یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ۔ ۹ ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گذار کر علی الصباح حجاج کرام منی کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

موضح قرآن ف۱ ان آیتوں میں فرمایا کہ کفر کے وقت دستور تھا حج سے فارغ ہو کر تین دن اور عید کے بعد خوشی کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادوں کے ساکے بیان کرتے اب اللہ صاحب نے اس کے بدلے تین دن ٹھہرنا مقرر کیا کہ اللہ کو یاد کرو ان دنوں میں دوپہر کو کنکر پھینکتے ہیں اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے اور سوائے نماز ہر وقت اور کوئی چاہے تو دو ہی دن رہ کر رخصت ہو اور تین دن رہے تو بہتر ہے اور یہ فرمایا جن کو رغبت نری دنیا ہی ہے وہ آخرت سے محروم ہیں۔ اب حج کا مذکور ہو چکا۔ ف۲ یہ حال ہے منافق کا ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ رکھے کہ میرے دل میں تمہاری محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کچھ کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ اور مار مچاوے اور منع کرنے سے اور ضد چڑھے زیادہ گناہ کرے۔ ایک شخص اخنس بن شریق تھا اس نے بھی حضرت سے یہی سلوک کیا۔

یہ مقام مکہ مکرمہ سے کوئی چار میل کے فاصلے پر شمال سے ذرا مغرب کی طرف ہٹ کر واقع ہے۔ اس جگہ ۱۰ سے لیکر ۱۲ کو غروبِ آفتاب تک قربانیاں کی جاتی ہیں اور جمرات کی رمی کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ
نے حکم دیا ہے کہ یہ ایام، تکبیر و تہلیل اور میری حمد و ثنا اور دعا و پکار ہی میں گذارو۔ ۳۹۰ منی میں قیام کے دوران تین جگہوں پر جنہیں جمرات کہتے ہیں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ پہلے دن یعنی ۱۰ کو طلوعِ صبح
کے بعد جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں پھینکے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے۔ دوسرے اور تیسرے دن زوالِ شمس کے بعد تینوں جمروں پر رمی کرے۔ پہلے مسجد خیف کے ساتھ والے جمرہ کو پھر اس کے ساتھ والے پر
اور سب سے آخر میں جمرہ عقبہ پر۔ ہر جمرہ پر سات کنکریاں پھینکے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منیٰ میں قیام کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دن ٹھہرے
اور ۱۲ کی شام کو مکہ مکرمہ چلا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ۱۳ کو بھی وہاں ٹھہرے اور جمرات کی رمی کرے مگر ۱۳ کو رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد نہیں بلکہ پہلے دن کی طرح طلوعِ صبح کے بعد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں
صورتوں کا اختیار دیا ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے کوئی گناہ نہیں مگر یہ گناہ و ثواب تو اس کے لئے ہے جسے خدا کا خوف ہو اور گناہ و ثواب کا احساس ہو جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں اسے گناہ و ثواب کی کیا پرواہ ہے۔
۳۹۱ اپنے تمام اعمال میں خدا سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تم خدا کے یہاں اکٹھے کئے جاؤ گے اور تمہارے تمام اعمال کا حساب ہوگا۔

ربط: یہاں تک توجہ کے ضروری احکام کا بیان تھا۔ حکمِ جہاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میرے گھر کی اس طریقے سے حاضری دو اور اس طریقے سے مجھ سے دعا مانگو تو میں تمہیں فتح دوں گا۔ اب آگے پھر جہاد کا حکم آ رہا ہے۔
چنانچہ اگلی آیت سے جہاد کی دوسری بار ترغیب و تحضیض شروع ہو رہی ہے۔ و من الناس من یعجبك سے لے کر فان اللہ بہ علیمٌ تک ترغیب الی الجہاد ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کئی طریقوں سے جہاد کی ترغیب دی
ہے۔ (۱) شر و فساد برپا کرنے والے اور فتنہ انگیز عناصر جنہوں نے زمین کو فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا یا ہوا ہے ایسے لوگوں کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے ہو۔ ایسے شریر لوگوں سے جہاد نہ کرنا بھی اتباع شیطان میں داخل
ہے۔ (۲) جہاد کے ذریعے خدا کی رضا حاصل کرو۔ (۳) اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اس کے تمام احکام مانو ان میں سے ایک جہاد بھی ہے۔ (۴) اگر خدا کے احکام سے سرتابی کرو گے تو سخت سزا ملے گی بنو اسرائیل
کا حال دیکھ لو خدا کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کا کیا حشر ہوا۔ (۵) مشرکین اور کفار دولت دنیا کے نشہ میں بدمست ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لہٰذا ان سے جہاد کرو۔ (۶) اللہ کے فطری دین توحید میں ان
لوگوں نے اختلاف پیدا کر رکھا ہے ان کی بیخ کنی کرو۔ (۷) جنت میں جانا آسان کام نہیں۔ اس کی خاطر تمہیں مال و جان کی قربانی دینی پڑے گی۔ (۸) اللہ کے دین کی خاطر جہاد میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ ضائع نہیں
جائے گا۔ ۳۹۲ یہ پہلی ترغیب ہے یعنی کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو محض دنیوی اغراض و مقاصد کے پیش نظر آپ سے ایسی میٹھی اور فصیح و بلیغ باتیں کرتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں کو بہت وقعت دینے لگتے ہیں اور ان کو
پسند کرتے ہیں۔ المعنی ومنہم من یروقك ویعظم فی نفسك ما یقولہ (روح ص۹۳ ج ۲، مدارک ص۸۱ ج ۱) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد اخنس بن شریق ہے جو بہت بڑا منافق تھا مگر محققین
کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ہر اس آدمی کے حق میں ہے جو ان آیات میں مذکورہ اوصاف کا حامل ہو۔ القول الثانی وھو اختیار اکثر المحققین والمفسرین ان ھذہ الاٰیۃ عامۃ فی حق کل من کان
موصوفًا بھٰذہ الصفات المذکورۃ (کبیر ص۲۷۷ ج ۲) وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ اللہ کو گواہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ وہ
"خدا شاہد ہے" "خدا گواہ ہے" وغیرہ الفاظ کہتے ہیں یعنی وہ اپنے مافی الضمیر کی سچائی پر خدا کو گواہ بناتے ہیں۔ اور قسمیں کھا کھا کر آپ کو اپنے اخلاص کا یقین دلاتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے شدید ترین مخالف
ہوتے ہیں۔ ۳۹۳ جب تک آپ کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اس وقت تک تو چکنی چپڑی باتیں کرتے رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی مخلص ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ جاتے ہیں تو شر و فساد برپا کرنے
کی سعی اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ شر و فساد سے یا تو کھیتوں اور مویشیوں کی تباہی مراد ہے اور یا مراد یہ ہے کہ آپ کے پاس سے اٹھ کر مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی بابت شبہات پیدا کرتا ہے اور کفر و شرک کی
تائید میں عجیب و غریب حیلے نکالتا ہے۔ انہ کان بعد الانصراف من حضرۃ النبی علیہ السلام یشتغل بادخال الشبہ فی قلوب المسلمین وباستخراج الحیل فی تقویۃ الکفر (کبیر ص۲۵۸ ج ۲)
وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ جیسا کہ اخنس نے کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ کر اسلام سے محبت کا اظہار کرتا رہا جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلا تو مسلمانوں کے ایک کھیت کے پاس سے گذرا تو کھیت
کو جلا دیا اور ان کے مویشی قتل کر دیئے۔ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ اللہ تعالیٰ شر و فساد کو پسند نہیں کرتا اس لئے فساد سے اجتناب کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ ۳۹۴ اصل میں ذِلّۃ کی ضد ہے مگر
یہاں اس سے نخوت اور غرور مراد ہے۔ العزۃ فی الاصل خلاف الذل واریدبہا الانفۃ والحمیۃ مجازًا (روح ص۹۶ ج ۲) اور پھر اس نفاق اور فطری خباثت کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی درجہ کا ضدی
اور متکبر بھی ہے یہاں تک کہ جب کوئی خیر خواہ ازراہِ نصیحت اسے خدا سے ڈرنے اور شر و فساد سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تو نخوت اور غرور اسے اور آمادۂ گناہ کر دیتا ہے۔ اور وہ پہلے سے بھی بڑھ کر شر و فساد
میں حصہ لیتا ہے۔ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ کسی ناصح مشفق کی نصیحت اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اسے جہنم کی آگ سیدھا کرے گی جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ ۳۹۵ یہ دوسری ترغیب ہے
یَشْرِیْ شراء سے ہے جس کے معنی یہاں بیچنے کے ہیں اور اس سے جہاد میں جان دینا مراد ہے۔ ابتغاء یشری کا مفعول لہٗ ہے۔ ای یبیعہا یبذلہا فی الجہاد (روح ص۹۶ ج ۲) یعنی منافقین کے
مقابلہ میں کچھ ایسے مخلص اور جان نثار لوگ بھی ہیں جو محض اللہ کی رضا کے لئے جہاد میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ عباد سے مراد مومنین ہیں۔ مومنین پر اللہ تعالیٰ خاص طور پر مہربان
ہے کہ انہیں بلند درجات حاصل کرنے کے لئے اپنی راہ میں پیاری جانیں تج دینے کی راہ دکھائی اور اپنی رضامندی کے حصول کے طریقے انہیں بتائے۔ ۳۹۶ یہ جہاد کی تیسری ترغیب ہے۔ کَآفَّۃً ادخلوا
کی ضمیر سے حال ہے اور سلم کے معنی استسلام اور اطاعت کلی کے ہیں یعنی تم سارے کے سارے مکمل طور پر اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ اور کوئی اس اطاعت سے باہر نہ رہے۔ ای استسلموا للّٰہ واطیعوہ
..... کافۃ لا یخرج احد منکم یدہ عن طاعتہ (مدارک ص۸۲ ج ۱) یا اس کے معنی امن اور صلح و آشتی کے ہیں اور اس سے مراد دین اسلام ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ تم دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور عقائد سے لیکر اعمال تک اور عبادات سے لیکر اخلاق تک کے متعلق اسلام کی تمام ہدایات پر عمل کرو اور شیطان کے پیچھے لگ کر اسلامی
احکام کی جگہ جاہلانہ رسوم کی پابندی مت کرو۔ اور نہ ہی ایسا کرو کہ اسلام کے بعض احکام کو مانو اور بعض احکام کو نہ مانو۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ تمہیں گمراہ کرنے
کے متعلق ہی سوچتا رہتا ہے اور تمہارے دلوں میں نئے نئے خیالات اور نئی نئی جدتیں پیدا کرتا ہے تاکہ تمہارے عقائد و اعمال کو خراب کر ڈالے۔ بعض نو مسلم جنہوں نے یہودیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا انہوں نے
بعض سابقہ رسموں کو ترک نہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ ۳۹۷ یہ زجر اور تخویف ہے اور چوتھی ترغیب ہے یعنی جب دلائل واضحہ تمہارے پاس آچکے ہیں۔ اور دین اسلام کی صداقت و حقانیت
تم پر واضح ہو چکی ہے تو اب بھی اگر تم پھسل گئے اور ڈگمگا گئے یعنی اسلام کے بعض احکام پر عمل نہ کیا مثلاً جہاد کرنا چھوڑ دیا تو پھر سن لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست اور صاحب حکمت ہے اسے سزا دینے سے
کوئی نہیں روک سکتا اور بمقتضائے حکمت جو سزا دینا چاہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ ۳۹۸ یہ تخویف دنیوی ہے۔ وہ شریر لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر وقت شرارتوں میں مصروف رہتے ہیں
اور جن کی شرارت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اب وہ قیامت سے پہلے شر و فساد سے باز نہیں آئیں گے۔ ان سے کیوں جہاد نہیں کرتے ہو۔ یَنْظُرُوْنَ کی ضمیر یہود کی طرف راجع ہے (روح ص۹۹ ج ۲) یہودی اللہ
تعالیٰ کے تجسم کے قائل تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جب ٹھاٹھ اور شان و شوکت سے آتا ہے تو بادلوں پر سواری کرکے آتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ڈالی تھی
وہ بادلوں ہی سے ڈالی تھی۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں کے خیال کے مطابق فرمایا کہ یہ یہودی جو اسلام کو قبول نہیں کر رہے یہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں پر سوار ہو کر آئیں اور قیامت قائم

ہو جائے تو پھر انہیں اسلام کی صداقت کا یقین ہو جائے گا۔ اور وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ و ذلك لان اليهود كانوا على مذهب التشبيه وكانوا يجوزون على الله المجئ والذهاب وكانوا يقولون انه تعالى تجلى لموسى عليه السلام على الطور في ظلل من الغمام (کبیر ص۲۹۳ ج ۲) اور تورات میں ہے: "دیکھو خداوند ایک تیز رو بادل پر سوار ہو کر مصر میں آتا ہے اور مصر کے بت اس کے حضور لرزاں ہوں گے" (کتاب یسعیاہ باب ۱۹، فقرہ ۱)

تنبیہ ۱:- اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ کسی جسم کے مشابہ ہے۔ اور آنا جانا جسم کی صفات میں سے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ آمد و رفت سے منزہ اور پاک ہے۔ اس لئے بہت سے مفسرین نے اس آیت کو متشابہات میں سے قرار دیا ہے اور اس کی تفسیر سے سکوت اختیار کیا ہے۔ اور بعض نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے یعنی امر اللہ یا عذاب اللہ۔ جو توجیہ ہم نے اوپر لکھی ہے اسے امام رازی رحمہ نے ترجیح دی ہے وَقُضِيَ الْاَمْرُ اور بندوں کے حساب و کتاب کا معاملہ طے ہو جائے اور نیک و بد اپنے اپنے انجام کو پہنچ جائیں۔ ای اتم امر العباد وحسابهم فاثيب الطائع وعوقب العاصي (روح ص۹۹ ج ۲) وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ **۳۹۹** یہ نافرمانی کے انجام اور تخویف دنیوی کا ایک نمونہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے حق واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ نہیں مانتے ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے انہیں حق سمجھانے کے لئے کس قدر واضح نشانیاں دیں۔ تورات نازل کی پیغمبروں کے معجزے ان کو دکھلائے مگر انہوں نے ضد و عناد سے ان کا انکار کیا پھر ان کو کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔ **۴۰۰** نعمت سے مراد اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور وہ دلائل ہیں جو رشد و ہدایت کا سبب تھے کیونکہ ہدایت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور تبدیل نعمت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے ان اسباب ہدایت سے کام نہ لیا اور جو ہدایت ان سے حاصل کرنی چاہیئے تھی اسے حاصل نہ کیا اور انہی اسباب کے ذریعے کفر اور گمراہی خریدی مثلاً تورات میں تحریف کر کے، اس کے احکام کو ٹھکرا کر اور معجزات کا انکار کر کے۔ المراد آياته ودلائله وهي من اجل اقسام نعم الله لانها اسباب الهدى والنجاة من الضلالة .... المراد بتبديلها ان الله تعالى اظهرها لتكون اسباب هداهم فجعلوها اسباب ضلالتهم (کبیر ص۲۹۹ ج ۲) یعنی جو شخص رشد و ہدایت کے اسباب و ذرائع کو غلط استعمال کر کے ان سے گمراہی اور فسق و فجور کا کام لے اسے خدا کی گرفت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی گرفت سخت اور اس کا عذاب عبرتناک ہے۔ یہ بھی ترک جہاد پر تخویف ہے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کی تنبیہ مقصود ہے کہ دیکھو اللہ کی نافرمانی کا یہ انجام ہے۔ **۴۰۱** یہ ماقبل کی علت ہے یعنی جن لوگوں نے خدا کی ہدایت سے منہ موڑا، اس کے انبیاء کی تکذیب کی، اس کی آیات کو جھٹلایا اور اس کی توحید کا انکار کیا انہیں اس سرکشی پر کس چیز نے آمادہ کیا اور اس کا سبب کیا تھا؟

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر ف اے ایمان والو داخل ہو جاؤ
فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط
اسلام میں پورے ۳۹۶ اور مت چلو قدموں پر شیطان کے
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ
مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے
حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ
حکمت والا ۳۹۷ کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ط
ابر کے سائبانوں میں ملا اور فرشتے ۳۹۸ اور طے ہو جاوے قصہ
۲۵ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
۹ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام ف پوچھ بنی اسرائیل سے
كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ط وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
کس قدر عنایت کیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئیں ۳۹۹ اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾
بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے ۴۰۰
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ
فریفتہ کیا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط
ایمان والوں کو ۴۰۱ اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن

وقف لازم

فرمایا ان لوگوں کے دلوں میں دنیا کی دولت اور ظاہری شان و شوکت کی محبت بس چکی ہے۔ دین کے مقابلہ میں دنیوی وقار و اقتدار، زندگی کی مادی آسائشیں اور ٹھاٹھ باٹھ انہیں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو قبول کیا ہے جس سے انہیں تمام دنیوی مقاصد اور مادی خواہشات کے پورا ہو جانے کی قوی امید ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام قبول کر کے ان لوگوں نے کیا حاصل کیا ہے۔ ان کے پاس دولت ہے، نہ زمینیں ——— محلات ہیں نہ باغات۔ کیونکہ ان کوتاہ نظروں اور کج فہموں نے ان چیزوں ہی کو زندگی کا ماحصل سمجھا ہوا ہے۔ **۴۰۲** واؤ حالیہ ہے حالانکہ یہ غرباء جو خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے تمام احکام کی تعمیل کرتے ہیں قیامت کے دن ان کافروں

موضح قرآن ف یہ حال ہے صاحب ایمان کا کہ اللہ کی رضا پر اپنی جان دیوے۔ ف یعنی پیغمبر اور قرآن پر یقین نہیں لاتے تو اب منتظر ہیں اللہ آوے اور ہر کسی کو اس کے عمل کے موافق جزا دیوے۔

فتح الرحمٰن ف یعنی بیاید عذاب او۔ ۱۲

سے بہت بلند درجات میں ہوں گے کیونکہ ایسے ضدی اور معاند کفار و منافقین کا ٹھکانا جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوگا اور یہ خدا سے ڈرنے والے فقرا مومنین اعلیٰ علیین میں ہوں گے۔
فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ای فی الدرجة لانهم فی الجنة والكفار فی النار (قرطبی ص۲۹ ج ۳) لان الفقراء فی علیین والكفار والمنافقين فی اسفل السافلين (معالم ص۱۶۸ ج ۱) **ف۴۰۴** باقی رہا دنیا میں کثرتِ رزق اور مال و زر کی فراوانی کا سوال تو یہ چیز خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے بے حساب دولت دیدے کسی مسلمان کو دیدے یا کسی کافر کو اس لئے وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت جسے چاہتا ہے دنیا کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ دولت کی کمی بیشی سے حق و باطل کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس آیت نے اس شبہ کا ازالہ بھی کر دیا جس کے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ کہ اگر کافر حق پر نہیں ہیں تو اللہ نے انہیں اتنی دولت کیوں دی ہے تو فرمایا کہ یہ دولت تو چند روزہ ہے اور محض دنیا کی زینت اور رونق ہے آخرت میں تو صرف یہی ایمان اور تقویٰ کام آئے گا۔
ف۴۰۵ یہاں وحدت سے دین اور عقیدے کی وحدت مراد ہے۔ یعنی شروع میں لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ اور سارے کے سارے دین اسلام کے پابند اور توحید پرست تھے۔ متفقین علی دین الاسلام (مدارک ص۸۳ ج ۱) متفقين على التوحيد مقرين لعبودیته (روح ص۱۰۰ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ آغاز فطرت میں انسان توحید پرست تھا۔ اور شرک کی بیماری بعد میں پھیلی ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی مسئلہ توحید موجود تھا بعض پلیدوں نے بسبب بغاوت توحید کی مخالفت کی اور پچھلے لوگ باغیوں کی عبارتیں دیکھ کر مسئلہ توحید کے بارے میں شبہات میں پڑ گئے۔ لیکن ان کا شبہ خدا کے یہاں کتاب اللہ کی موجودگی میں قبول نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرو **ف۴۰۶** یہ ماقبل پر مرتب ہے۔ لیکن اس میں بظاہر اشکال ہے کیونکہ جب سب لوگ دین توحید پر متفق تھے تو پھر پیغمبر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کا حل یہ ہے کہ اس سے پہلے فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ شروع میں تو سب لوگ توحید پر متفق تھے لیکن بعد میں ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے تاکہ وہ انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں ماننے والوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور نہ ماننے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اور اس حذف پر آیت کا اگلا حصہ شاہد ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو کتابیں بھی دیں تاکہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کی روشنی میں لوگوں کے باہمی اختلاف فی التوحید کا فیصلہ کریں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کی آمد سے پہلے ان میں توحید کے بارے میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا جسے مٹانے کے لئے پیغمبر بھیجے گئے۔ نیز اسی مضمون کی ایک دوسری آیت میں فَاخْتَلَفُوْا کی

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ
اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار **ف۴۰۴** تھے سب لوگ
اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ
ایک دین پر **ف۴۰۵ ف۱** پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور
مُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
ڈرانے والے **ف۴۰۶** اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ
لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں **ف۴۰۷** اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں
اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم
بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
آپس کی ضد سے **ف۴۰۸** پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ
کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے **ف۴۰۹** اور اللہ بتلاتا ہے جس کو
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ
چاہے سیدھا راستہ **ف۴۱۰ ف۲** کیا تم کو یہ خیال ہے کہ
تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا
جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے
مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا
تم سے پہلے **ف۴۱۱** کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑجھڑائے گئے
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى
یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی

منزل ۱

ف۱ اس سے پہلے ارشاد ہے ای فاختلفوا بغیر بینة ما بعث ف۲ جیسا کہ پچھلی ترغیب ہے لوگوں نے اللہ کے فرستادوں توحید میں اختلاف پیدا کر رکھا ہے ان کی ضد ہی کی وجہ سے ۱۲

ف۳ یہ ساتویں ترغیب ہے جنت میں جانا آسان کام نہیں اس کے لئے بیں مال و جان کی قربانی دینی پڑے گی پہلی امتوں کے مومنوں کا حال دیکھ لو ۱۲

صراحت موجود ہے جیسا کہ سورۂ یونس ع ۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ اور چونکہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں

موضح قرآن ف۱ یعنی اللہ نے کتابیں اور نبی متعدد بھیجے اس واسطے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی اللہ کے یہاں سب خلق کو ایک ہی راہ کا حکم ہے جس وقت اس راہ سے کسی طرف بچلے اللہ نے نبی بھیجا کہ سمجھا دے اور کتاب بھیجی کہ اس پر چلے جاویں پھر کتاب والے کتاب میں بچلے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی سب نبی اور سب کتابیں اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو آئی اس کی مثال جیسے تندرستی ایک ہے اور مرض بیشمار جب ایک مرض پیدا ہوا ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا۔ جب دوسرا مرض ہوا دوسری دوا اور پرہیز اسکے موافق فرمایا اب آخر کی کتاب میں ایسی راہ فرمائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے۔ یہ سب کے بدلے کفایت ہے۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی پیش از آمدن ہر پیغامبر کہ باشد متفق بودند با یکدیگر در دین او اختلاف نداشتند ۱۲ ف۲ مترجم گوید حاصل آنست کہ سنت اللہ جاری شدہ است بآنکہ بعد بعثت ہر پیغمبر در امت دعوت اختلاف واقع می شود ازاں تنگدل نباید شد ۱۲

کی تفسیر کرتے ہیں اس لئے یہاں بھی فاختلفوا محذوف ہے وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ الکتاب میں لام جنس کیلئے ہے بالحق الکتاب سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کے ساتھ ایک کتاب بھیجی جس میں دینِ حق کا بیان تھا۔ ٤٠٦ یہ بعثتِ انبیاء اور انزالِ کُتُب کی علت ہے اور یحکم کا فاعل اللہ ہے یعنی جب لوگوں نے توحید پر اتفاق کے بعد اس میں اختلاف شروع کر دیا، کچھ لوگ توحید پر قائم رہے اور کچھ لوگوں نے خدا کے سوا غیروں کی عبادت اور پکار شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نامے دیکر پیغمبر بھیجے تاکہ اس طرح ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کرے۔ فیصلے سے یہاں دلائل و براہین سے حق و باطل میں واضح اور کھلا ہوا امتیاز پیدا کرنا مراد ہے۔ اب جس کا جی چاہے توحید قبول کرے اور جس کا جی چاہے شرک کر کے اپنی عاقبت برباد کرلے۔ دونوں راستے دلائل سے کے سامنے واضح کر دیئے گئے ہیں ٤٠٧ اُوْتُوْهُ میں ضمیر مفعول الکتاب کی طرف راجع ہے۔ الذین اوتو سے اس کتاب کے عالم اور اس کا درس و تدریس کرنے والے اور پیشوایانِ قوم مراد ہیں۔ الذین اوتوہ ادباب لعلوبہ والدراسة له (بحر ص۱۳۳ ج ۲) اور البینات سے مراد دلائل عقلیہ ہیں یعنی کتاب کے ساتھ ساتھ ہم نے توحید پر عقلی دلائل بھی قائم کر دیئے تھے۔ وھذہ البینات لا یمکن حملھا علی شیٔ سوی الدلائل العقلیة التی نصبھا اللہ تعالیٰ (کبیر ص۳۳۳ ج ۲) اور بغیاً اختلف کا مفعول لہٗ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق میں ہمیشہ اختلاف انہیں لوگوں نے ڈالا جو خدا کی کتاب کا علم رکھتے اور قوم کے پیشوا اور رہنما تھے۔ یعنی علماء سوء اور پیرانِ سوء اور اختلاف بھی انہوں نے کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں ڈالا بلکہ عقلی اور نقلی دلائل سے حق کو سمجھ بوجھ کر محض ضد اور عناد کی وجہ سے اختلاف کیا۔ ایک حصر تو یہاں مذکور ہے کہ اختلاف ڈالنے والے صرف پیشوایانِ سُوء ہی ہیں اور کوئی نہیں اور دوسرا حصر کہ ان علماء سوء نے اختلاف ہمیشہ جان بوجھ کر ڈالا ہے کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہے یہ سورۂ جاثیہ ع ۲ میں مذکور ہے فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ۔ اس آیت میں تین چیزیں بیان ہوئیں (۱) اختلاف کن لوگوں نے کیا، (۲) کب کیا اور (۳) کیوں کیا؟ یعنی اختلاف ہمیشہ علماء سُوء نے ڈالا، اور جان بوجھ کر ڈالا اور محض ضد و عناد کی وجہ سے ڈالا۔ ٤٠٨ من الحق ما کا بیان ہے اور اذن سے مراد اللہ کی توفیق ہے۔ ای بتوفیقه وتیسیره (روح ص۱۰۲ ج ۲) اور اٰمنوا سے قصد وا الایمان مراد ہے یعنی جو لوگ صدقِ دل سے ایمان کے طالب اور حق کے جویا تھے۔ علماء سوء تو ہمیشہ دینِ حق میں اختلاف ڈالنے میں مصروف رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ طالبانِ حق کو محض اپنی مہربانی اور توفیق سے توحید کی راہ دکھائی اور فساد ماحول کے باوجود دینِ حق پر قائم رہے اور اگر الذین اوتوہ سے اہل کتاب مراد ہوں تو الذین اٰمنوا سے امت محمدیہ مراد ہوگی۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ جن امور میں اہل کتاب کے درمیان اختلاف رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان میں صحیح راستہ دکھا دیا مثلاً یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تو اللہ نے ہمیں بتایا کہ وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ حنیف و مسلم تھے۔ اسی طرح یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور عیسائیوں نے انہیں خدا بنا لیا مسلمانوں کو خدا نے بتایا کہ وہ خدا کے پیغمبر اور اس کے بندے تھے۔ وغیر ذٰلک۔ ٤٠٩ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اس کی مشیت ہمیشہ ان لوگوں کی ہدایت سے متعلق ہوتی ہے۔ جو ضد اور عناد نہ کریں اور صدقِ دل اور اخلاص عمل کے ساتھ راہِ حق کے طالب ہوں۔ اس آیت میں بھی جہاد کی ترغیب ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ اختلافات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی صحیح راہنمائی فرماتا ہے۔ نیز جہاد اس لئے بھی کرنا ضروری ہے تاکہ دینِ حق کے مٹانے والوں کا قلع قمع کیا جائے۔ یہاں ایک شبہ ہے کہ اختلاف تو اگلوں نے ڈالا تھا پچھلوں کا کیا قصور ہے کہ ان سے جہاد کیا جائے۔ انہوں نے تو اگلوں کی تقلید کی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اگلوں کی اندھا دھند پیروی میں معذور نہیں ہیں کیونکہ عقلی اور نقلی دلائل ان کے سامنے موجود ہیں۔ انہوں نے ان میں غور و فکر کر کے اور انصاف سے کام لے کر حق سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ والذین یحاجون فی اللہ من بعد ما استجیب له حجتهم داحضة عند ربهم (شوریٰ ع ۲) جبکہ علماء ربانیین اللہ کی توحید دلائل سے مان چکے ہیں۔ اللہ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہو چکی ہو تو اب باغیوں کے اقوال سے احتجاج مردود ہے۔ ٤١٠ مثل سے گذشتہ انبیاء کی امتوں کے سے شدائد اور مصائب مراد ہیں۔ ای حالھم التی ھی مثل فی الشدة (مدارک ص۸۴ ج ۱) اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اور یہ بھی ترغیب الی الجہاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کے جن بلند مقامات کے تم طالب ہو۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم تکلیفوں اور آزمائشوں میں پڑے بغیر ہی وہاں تک پہنچ جاؤ گے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ بلند درجات حاصل کرنے کے لئے تمہیں مال و جان کی قربانی دینی پڑے گی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں گی۔ مال و جان اور اولاد کے ذریعے جہاد کرنا پڑے گا۔ ٤١١ یہ امم سابقہ کے حال کا بیان ہے۔ باساء سے مالی نقصان اور معاشی بدحالی مراد ہے۔ اور ضراء سے جانی نقصان اور جسمانی تکلیفیں اور بیماریاں مراد ہیں۔ البأساء الفقر والضراء السقم (ابن کثیر ص۲۵۱ ج ۱) اور زلزلوا کے معنیٰ ہیں ازعجوا ازعاجاً شدیداً بانواع البلایا (روح ص۱۰۲ ج ۲) یعنی مصائب و تکالیف کی شدت اور کثرت سے ان کے دل دہل گئے۔ اور شدت و اضطراب اور بے چینی کی حالت میں پیغمبر اور مؤمنین طلب نصرت کے طور پر کہنے لگے۔ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مصائب و شدائد میں ان سے مدد کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ جب کفار اور مشرکین کے ہاتھوں ان کی مصیبتیں اور تکلیفیں انتہا کو پہنچ جاتیں تو انبیاء و مؤمنین یہ سمجھتے کہ اب تو تکلیفیں انتہا کو پہنچ چکی ہیں اب تو اللہ کی مدد ضرور آنی چاہیئے۔ پھر شدتِ اضطراب میں اللہ کی مدد پہنچنے کی تمنا کرتے۔ ٤١٢ اس تمنا اور طلب کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا کہ ثابت قدم رہو۔ ہماری مدد اور نصرت پہنچنے ہی والی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تکلیفیں اور آزمائشیں ان پر بھی آئیں گی۔ لہٰذا انہیں ان کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ٤١٣ مضمونِ انفاق کا دوسری بار بیان۔ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال منفق کے متعلق ہے۔ یعنی کیا اور کس قدر خرچ کریں اور جواب میں خرچ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس بات کو چھوڑ دو کہ کیا اور کتنا خرچ کرنا چاہیئے۔ اصل چیز تو مصرف ہے۔ اس لئے تم جو کچھ بھی خرچ کرو۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ صحیح مصرف میں خرچ ہو۔ ظاهر الاٰیة انه سئل عن المنفق فاجاب ببیان المصرف صریحاً لانه اهم فان اعتداد النفقة باعتباره (روح ص۱۰۵ ج ۲) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ سوال یہ تھا کہ کتنا خرچ کریں تو جواب ملا کہ جتنا خرچ کرو مجھے تو کچھ نہیں دینا بلکہ اپنے والدین وغیرہ ہی کو دینا ہے۔ ٤١٤ ان الفاظ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور ابن السبیل کے عموم میں جہاد فی سبیل اللہ کا مسافر بھی شامل ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ نیکی خواہ کوئی ہو مالی ہو یا بدنی چھوٹی ہو یا بڑی اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہر نیکی کی پوری پوری جزا دے گا۔ یہاں تک انفاق کا ذکر تھا۔ ٤١٥ مضمونِ جہاد کا تیسری بار ذکر۔ کُرْہٌ سے طبعاً ناپسندیدہ چیز مراد ہے۔ مال و جان کا ضیاع ہمیشہ انسانی طبیعت کو گراں محسوس ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کا امر بالجہاد ناپسند تھا۔ ای شاق علیکم قال بعض اهل المعانی هذا الکره من حیث نفور الطبع عنه لما فیه من مؤنة المال ومشقة النفس وخطر الروح لا انهم کرهوا امر اللہ تعالیٰ (معالم ص۱۸۱ ج ۱) عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں اپنے ظاہری اور مادی نقصانات کی وجہ سے تمہیں ناپسند ہوں اور تم انہیں اچھا نہ سمجھتے ہو مگر انجام کے لحاظ سے اور پوشیدہ فوائد کے لحاظ سے وہ تمہارے لئے خیر و برکت اور فلاحِ دارین کا باعث ہوں مثلاً جہاد ہی کو لے لیجیئے جو بظاہر قتل و خونریزی اور مال و جان کے ضیاع کی وجہ سے تمہیں ناپسند ہے مگر اس کا انجام بہتر ہے۔ کیونکہ جہاد ہی سے تم اپنا اور اپنے دین کا نام دنیا میں سربلند کر سکتے ہو۔ اس کا وقار اور اس کی شان و شوکت کو قائم رکھ سکتے ہو۔ جہاد ہی سے تم اپنی عزت و آبرو اور اپنے مال و جان کی حفاظت کر سکتے ہو اور جہاد ہی سے تم غازیوں اور شہیدوں کے درجات حاصل کر سکتے ہو۔ اس سے بھی مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنا مقصود ہے۔ ٤١٦ اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ ایک چیز کے ظاہری فوائد کی وجہ سے تم اسے پسند کرو مگر حقیقت میں

وہ چیز تمہارے حق میں سخت مضر ہو۔ مثلاً جہاد میں شرکت نہ کرنے اور آرام و راحت سے گھر بیٹھے رہنے کو تم پسند کرتے ہو۔ اس لئے کہ اس طرح مال و جان محفوظ رہے گا۔ لیکن دراصل ترک جہاد میں تمہارا سراسر نقصان اور خسارہ دارین ہے۔ کیونکہ اس طرح تم کافروں کے ہاتھوں ذلیل ہو جاؤ گے۔ وہ تمہارا ستیاناس کر دیں گے۔ مال لوٹ لیں گے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیں گے۔ تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیں گے۔ اور تمہارا دین دنیا سے مٹا ڈالیں گے۔ یہ دوسری طرز پر جہاد کی ترغیب ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ انسان کا علم ناقص اور محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے فوائد اور نقصانات سے بخوبی آگاہ اور ہر کام کی حکمتوں کو جانتا ہے۔ لہٰذا اس نے جو جہاد کا حکم دیا ہے اس میں یقیناً مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہے۔ ۲۱۷ قتال فیہ، الشھر الحرام سے بدل الاشتمال ہے اور الشہر الحرام سے مراد یہاں رجب ہے اور یسئلون کا فاعل مشرکین ہیں۔

نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا

اللہ کی مدد ۲۱۲ سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے ۲۱۳ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز

يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

خرچ کریں ۲۱۴ کہدو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کیلئے

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ

اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے ۲۱۵ اور

مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ

جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے ول فرض ہوئی

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا

تم پر لڑائی اور بری لگتی ہے تم کو ۲۱۵ اور شاید کہ تم کو بری لگے

شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ

ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں ۲۱۶ اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور

هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ

تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا ہے ۲۱۷ ول کہدے

قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ

لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے ۲۱۸ اور اس کو نہ

بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

اس سے بھی بڑا گناہ ہے اللہ کے نزدیک ۲۱۹ اور لوگوں کو دین سے بچلانا ول قتل سے بھی بڑھ کر ہے وت

ع ۲۶ / ۱۰

ایک دفعہ مقام نخلہ میں مسلمانوں کا مشرکین سے مقابلہ ہو گیا جس میں ایک مشرک عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ آج جمادی الآخر کی آخری یعنی تیس تاریخ ہے مگر اتفاق سے چاند انتیس کا تھا اور اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ کانوا یظنون تلک اللیلۃ من جمادی وکانت اول رجب ولم یشعروا (ابن جریر ص۱۹۱ ج ۲) جب اس واقعہ کا علم مشرکین قریش کو ہوا تو ان کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے سوال کیا کہ کیا رجب جو کہ شہر حرام ہے اس میں قتال جائز ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سوال مسلمانوں نے کیا تھا۔ کیونکہ اس واقعہ کی وجہ سے انہیں ندامت ہوئی کہ ہم نے شہر حرام میں قتل کر کے بڑا گناہ کیا ہے۔ قُلْ قِتَالٌ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ واقعی شہر حرام میں قتال (لڑائی) کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ۲۱۸ یہاں سے شہر حرام میں قتال کے جواز کی پانچ دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ صَدٌّ اور قِتَالٌ دونوں نکرے ہیں اور چونکہ دونوں کے ساتھ جار مجرور متعلق ہے اس لئے ان میں تخصیص پیدا ہو گئی ہے اور ان کا مبتدا ہونا صحیح ہے۔ جیسا کہ امام ابن مالک نے الفیہ میں اس کی مثال یوں دی ہے۔ ورغبۃ فی الخیر خیر سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے۔ عن سبیل اللہ وھو الاسلام (روح ص۱۰۹ ج ۲) یعنی اسلام سے اور توحید سے روکنا اور یہ پہلی علت ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے یعنی مسلمانوں کو مسجد الحرام سے روکنا یہ دوسری علت ہے۔ ۲۱۹ اور مسجد حرام کے اہل کو وہاں سے نکالنا اور اہل سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔ یہ لوگ مسجد حرام کے اہل اس لئے تھے کہ یہ اس کی آبادی کے پورے پورے حقوق ادا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا حق تو یہی تھا کہ اس میں صرف خدائے واحد کی عبادت کی جائے اور اس میں شرک نہ کیا جائے۔ اور اس حق کو وہ کما حقہٗ ادا کرتے تھے۔ وھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنون وانما کانوا اھلہ لانھم القائمون بحقوقہ (روح ص۱۰۹ ج ۲) یہ تیسری علت ہے۔ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ فتنہ سے مراد شرک ہے۔ والفتنۃ التی انتم علیہا مقیمون یعنی اللہ کے نزدیک شہر حرام میں یہ گناہ قتل کی نسبت زیادہ سنگین ہیں۔ یعنی الشرک اکبر من القتل (ابن جریر ص۱۹۱ ج ۲) اسی طرح شرک جو تم شہر حرام میں کرتے ہو وہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ یہ چوتھی علت ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ مسلمانوں نے رجب کے مہینہ میں جو قتل کیا ہے وہ عمداً اور قصداً اس ماہ میں نہیں کیا بلکہ غلطی سے کیا ہے اور تم جو یہ گناہ ہمیشہ عزت والے مہینوں میں کرتے رہتے ہو وہ قتل سے کہیں بڑھ کر ہیں تم ان کا خیال نہیں کرتے ہو۔ اور اگر سوال مسلمانوں

۱ مضمون انفاق کا دوسری بار بیان ۱۲
۲ سالوین ترغیب الی القتال (؟) جہاد میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ ضائع نہیں ہو گا ۱۲
۳ مضمون جہاد کا
شہر حرام میں جواز قتال کی پہلی علت
دوسری علت
جواز قتال کی تیسری علت
جواز قتال کی چوتھی علت

موضح قرآن: ف۱ لوگوں نے پوچھا تھا کہ مالوں میں سے کس مال کا خرچ کرنا بہت ثواب ہے جواب فرمایا کہ مال کوئی ہو لیکن مال جسقدر دکھانے پر خرچ ہو ثواب زیادہ ہے۔

فتح الرحمٰن: ف۱ یعنی رجب و ذی القعدہ و ذی الحجہ و محرم کہ در شریعت ابراہیم جنگ کردن بآنہا حرام بود پس سوال کردند کہ در شریعت محمدیہ حکم تحریم باقی ماند یا نہ ۱۲ ف۲ یعنی ترویج شرک ۱۲ ف۳ حاصل جواب آنست کہ قتال کفار جائز است و تحریم قتال مسلمین مغلظ میشود ۱۲

نے کیا تھا۔ تو پھر جواب کی نوعیت تسلیہ کی ہوگی یعنی مسلمان کو تسلی دی کہ اگر تم سے رجب میں قتل ہوگیا ہے تو یہ کوئی زیادہ بڑی گناہ کی بات نہیں خود مشرکین اشہر حرم میں جو جو کرتوت کرتے ہیں وہ قتل سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ ف۴۲۰ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ یعنی اگر تمہیں مشرکین سے اشہر حرم میں لڑنا پڑے تو بے کھٹکے ان سے لڑو۔ کیونکہ مشرکین تو اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ وہ بلا امتیاز اشہر حرم ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ تمہیں دین اسلام سے پھیر کر دوبارہ کافر بنالیں۔ یہ اشہر حرم میں جواز قتال کی پانچویں علت ہے۔ الغرض اشہر حرم میں قتال نہ کرنے کی تو صرف ایک علت ہے مگر قتال کے جواز کی پانچ علتیں ہیں اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔ یعنی اگر ان کے اختیار میں اور قابو میں ہو۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں اور تمہیں دوبارہ کافر بنا سکیں۔ قوله ان استطاعوا استبعاد لاستطاعتهم كقول الرجل لعدوه ان ظفرت بي فلا تبق علي (كبير ص۳۲۳ ج۲، مدارک ج۱) ف۴۲۱ یہ مسلمانوں کے لئے تخویف اور ڈراوا ہے فالاٰية تهديد للمسلمين ليثبتوا على دين الاسلام (قرطبی ص۴۶ ج۳) یعنی تم میں سے اگر کوئی مشرکین کے کہنے سننے سے اپنے دین یعنی اسلام سے پھر گیا۔ اور توبہ کے بغیر کفر پر مرگیا تو اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور ان کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مرتد کے دنیا میں اعمال ضائع ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کی وجہ سے جو اسے فوائد حاصل تھے وہ ان سے محروم ہو جائے گا۔ اور آخرت میں اس کے اسلام پر جو اجر و ثواب مرتب ہونے والا تھا۔ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لبطلان ما تخيلوه و فوات ما للاسلام من الفوائد فى الاولى وسقوط الثواب فى الاُخرٰى (روح ص۱۱۰ ج۲) ف۴۲۲ یعنی مرتدین کی وہی سزا ہے جو دوسرے کافروں کی ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور ان کا گذشتہ ایمان ان کے کام نہیں آئے گا۔ كسائر الكفرة ولا يغني عنهم ايمانهم السابق على الردة شيئا (روح ص۱۱۰ ج۲) اب آگے جہاد فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب بیان کر کے جہاد کی مزید ترغیب فرمائی ہے اور جن مسلمانوں سے رجب میں غلطی سے قتل ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے مذکورہ بالا جواب سے یہ تو سمجھ لیا تھا کہ وہ گناہ سے بچ گئے ہیں۔ مگر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید اس مہم کے سر کرنے میں وہ ثواب سے محروم رہیں گے تو اگلی آیت میں انہیں خوشخبری دی کہ انہیں اللہ کی رحمت سے ضرور حصہ ملے گا۔ انہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے ف۴۲۳ ایمان چونکہ تمام اعمال کی قبولیت کی شرط ہے اور اس کے بغیر نہ ہجرت مفید ہے نہ جہاد۔ اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اللہ کے دین اور اس کی توحید کی خاطر اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کے دین اور اس کی توحید کو سر بلند کرنے کے لئے کفار سے جہاد کیا۔ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ۔ اُولٰٓئِكَ سے صفات بالا کے حاملین کی طرف اشارہ ہے اور رجاء سے قطع اور یقین مراد ہے۔ المراد من الرجاء القطع واليقين۔ (کبیر ص۳۲۶ ج۲) اور خبر بمعنی امر ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں بلکہ اس کی رحمت کا یقین رکھیں۔ ف۴۲۴ مغفرت کے ساتھ صفت رحمت کا ذکر کر کے ایمان والوں کو مزید اطمینان دلا دیا کہ گناہ کی معافی کے ساتھ ساتھ اجر و ثواب بھی ملے گا۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے ۴۲۰

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

اگر قابو پا دیں اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

دنیا اور آخرت میں ۴۲۱ اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۴۲۲ ف۱ بے شک جو لوگ ایمان لائے ۴۲۳ اور جنہوں نے

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ

ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ

يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۴۲۴

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا ۴۲۵ کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ

اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو ۴۲۶ ف۲ اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے

نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ

فائدے سے ف۲ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ۴۲۷ کہہ دے

الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جو بچے اپنے خرچ سے ف۳ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم

۔۔ جواز قتال کی پانچویں علت ۱۲

تخویف اخروی و ترغیب مومنین ۱۲

بشارت اخروی ۱۲

مسئلہ ۱۲ پہلا ذو جہتین

مسئلہ ۱۲ دوسرا ذو جہتین

موضح قرآن ف۱ حضرت نے ایک فوج بھیجی جہاد پر انہوں نے کافروں کو مارا اور لوٹ لائے مسلمانوں کو خبر تھی کہ وہ دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ غرہ رجب تھا کافروں نے اس پر بہت طعن کیا اور مسلمانوں کو شبہ پڑا اس پر یہ آیت اُتری یعنی ان مہینوں میں ناحق کی لڑائی اشد گناہ ہے اور جن کافروں نے مسلمانوں سے ان مہینوں میں قصور نہ کیا ان سے لڑنا منع نہیں۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی در دنیا ۱۲ ف۲ یعنی حرام اند و بمنافع آنہا التفات نباید کرد ۱۲ ف۳ یعنی از حاجت ضروری ۱۲

ربط ۔ حرمت والے مہینوں میں قتال کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جہت سے ناجائز اور ایک جہت سے جائز۔ اگر مہینوں کی عزت اور نفوس کی حرمت کو دیکھا جائے تو جن افعال کا ارتکاب مشرکین ان مہینوں میں کرتے تھے ان کی روک تھام کے پیشِ نظر ان مہینوں میں قتال ناجائز ہے۔ حرمت نفوس و اشہر کے مقابلہ میں چونکہ توحید زیادہ اہم ہے۔ لہٰذا شرک کے استیصال کے لئے ان مہینوں میں قتال کرو۔ آگے اسی مناسبت سے پانچ اور ذو جہتین مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ہر مسئلہ کا تعلق دفع شرک سے ہے جن کا خلاصہ پانچویں مسئلہ کے بعد آرہا ہے۔ ۴۲۵ پہلا مسئلہ یعنی آپ سے شراب کی حلت و حرمت کے متعلق پوچھتے ہیں اور شراب سے مراد ہر وہ سیال ہے جو مسکر ہو اور عقل میں فتور پیدا کرے۔ خواہ کسی چیز سے تیار کیا گیا ہو اور خواہ اس کا کوئی سا نام رکھدیا گیا ہو۔ الحق الذی لا ینبغی العدول عنہ ان الشراب المتخذ مما عدا العنب کیف کان وبای اسم سمی کان بحیث یسکر من لم یتعودہ حرام وقلیلہ ککثیرہ ویحد شاربہ الخ (روح ج ۲ ص ۱۱۳) اسی طرح میسر سے بھی جوئے کی تمام قسمیں مراد ہیں۔ خواہ وہ لاٹری کی صورت میں ہو یا امدادی کمیٹی کی شکل میں یا ان کے سوا جو کھیلوں پر یا گھوڑوں کی دوڑ وغیرہ پر بازی لگائی جاتی ہے یہ سب میسر میں داخل ہیں۔ وفی حکم المیسر انواع القمار من النرد والشطرنج وغیرھما (مدارک ج ۱ ص ۸۶) ۴۲۶ یعنی شراب اور جوئے میں ایک طرف تو بہت بڑا گناہ ہے مگر ساتھ ہی ان میں لوگوں کیلئے جسمانی اور مالی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً شراب میں لذت و سرور کے علاوہ بدن کو تقویت پہنچتی ہے اور اس کی تجارت سے نفع ہوتا ہے اور جوئے سے بغیر محنت و مشقت کے مال ہاتھ آجاتا ہے وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا لیکن ان سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ان کے فوائد سے کہیں زیادہ بڑی ہیں۔ ان سے حاصل ہونیوالے فوائد تو محض مادی اور گھٹیا قسم کے ہیں مگر ان کے نقصانات دین و دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ یہاں سے اشارہ نکلا کہ معمولی مادی فوائد کے لئے دین و دنیا کو برباد نہ کرو اور شراب اور جوئے سے پرہیز کرو۔

نکتہ ۔ اپنے مالی اور بدنی منافع کے لئے کسی کو ادنیٰ مارپیٹ اور مالی نقصان نہ پہنچاؤ لیکن شرک باللہ کے مقابلہ میں کسی کی جان تک نہ چھوڑو اور بے خوف مار ڈالو۔

۴۲۷ دوسرا ذو جہتین مسئلہ ۔ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا ہے ۔ وہاں اس کے جواب میں مصارف کا ذکر کیا گیا اور یہاں مقدار کا ذکر ہے۔ کہ کتنا مال خرچ کرنا ہے۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ عفو سے مراد وہ مال ہے جو ضروری حوائج سے زائد ہو۔ فالمعنیٰ انفقوا ما فضل عن حوائجکم (قرطبی ص ۶۱ ج ۳)

نَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔــلُوْنَكَ

فکر کرو دنیا اور آخرت کی باتوں میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں

عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ

یتیموں کا حکم ۴۲۸ کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے ف۱ اور اگر

تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں ۴۲۹ اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے

مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور سنوارنے والے کو ۴۳۰ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا بیشک اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى

زبردست ہے تدبیر والا ف۲ اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک

يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان ۴۳۱ بہتر ہے مشرک بی بی سے

وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کرو مشرکین سے ف۳ جب تک

يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ

وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ

اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ

تم کو بھلا لگے ۴۳۲ ف۳ وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف ۴۳۳ اور اللہ

يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ

بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ وَيَسْـَٔــلُوْنَكَ

اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ف۴ اور تجھ سے پوچھتے ہیں

ع ۵ ۲۷ ۱۱

۴۲۸ تیسرا ذو جہتین مسئلہ یتامیٰ کے واسطے اصلاح بہتر ہے۔ یعنی ان کا مال نہ لو اگرچہ ان کو کچھ بھی نہ دو لیکن ان کے مال کی حفاظت کرو۔ لیکن قتال فرض یعنی تم کو شانے کے لئے ان کا مال بھی تمتع کرو۔ (الخ)

۴۳۱ چوتھا ذو جہتین مسئلہ مشرکین کے نکاح میں مشرکین اور جیسے اگرچہ حسن اور نیک مال ہو لیکن شرک کے مقابلہ میں اسے چھوڑ دو ۱۲

موضح قرآن ف۱ شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اتریں ہر ایک میں ان کی برائی ہے۔ آخر سورۂ مائدہ کی آیت اتری کہ صاف حرام ہوگئی۔ جو چیز نشہ لاوے سب حرام ہے اور شرط بدی جاوے اس پر مال کیا جاوے سب حرام ہے اور پوچھا لوگوں نے کہ مال کس قدر خرچ کریں حکم ہوا کہ اپنی حاجت کر افزود ہو تب خرچ کرو جیسا آخرت کا فکر ضرور ہے دنیا کا فکر بھی ضرور ہے سارا مال اٹھا ڈالو تو دنیا کی حاجت میں عاجز رہو اور یتیموں کے حق میں پہلے تقید اترا کہ جو کوئی ان کا مال کھاوے وہ اپنے پیٹ میں آتش بھرے پھر جو کوئی یتیموں کے رکھنے والے تھے ان کے مال اور خرچ کھانے پینے پہننے کا جدا رکھنے لگے کہ ہمارے خرچ میں کوئی چیز نہ آجاوے پھر سخت مشکل پڑی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے تیار اس کے کام نہ آئی ضائع ہوئی تب یہ حکم اترا خرچ اپنا اور ان کا ملا رکھو تو مضائقہ نہیں کہ ایک وقت ان کی چیز آپ خرچ کی تو دوسرے وقت اپنی چیز ان کے کام لگائی لیکن نیت چاہئیے سنوارنے کی اللہ نیت کو دیکھتا ہے۔ ف۲ پہلے کافر اور مسلمان میں نسبت ناتا جاری تھا اس آیت سے حرام ٹھہرا اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا ان کا نکاح ٹوٹ گیا۔ شرک کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے اس کو ہر ایک بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر باقی یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے ان کو مشرک نہیں فرمایا۔

فتح الرحمٰن ۔ ف۱ یعنی بغیر شرکت ۱۲ ف۲ یعنی زنانِ مومنہ را ۱۲ ف۳ یعنی ہر بندہ از بندگان خدا کہ مومن باشد و ہر داہ از داہان خدا کہ مومنہ باشد بہتر است از مشرک و مشرکہ ۱۲

ای انفقوا ما فضل عن قدر الحاجۃ (مدارک ۵ ص۱) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ جس طرح یہاں خرچ کرنے کا حکم بیان کیا ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمام احکام بیان کرتا ہے۔ اور ان میں تمہاری سہولت اور تمہارے فائدے کو مدنظر رکھتا ہے۔ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ظرف تَتَفَكَّرُوْنَ کے متعلق ہے یعنی یہ سہولت کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تم دین و دنیا کے معاملہ میں غور کرو اور اپنی دولت کا ایک حصہ اصلاح معاش پر خرچ کرو اور باقی ماندہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ فتحبسون من اموالکم ما یصلحکم فی معاش الدنیا وتنفقون الباقی فیما ینفعکم فی العقبیٰ (قرطبی ج۲) انفاق میں بھی دو جہتیں تھیں۔ ایک مالی نقصان۔ دوسرا اخروی نفع۔ اخروی نفع دنیوی نقصان کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے اس لئے ضروریات زندگی سے زائد روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ لیکن اگر جہاد فرض ہوجائے تو شرک کو مٹانے کے لئے سارا مال خرچ کر ڈالو۔ ۴۲۸ تیسرا مسئلہ قرآن مجید میں یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت وارد ہوئی تو صحابہ کرام میں سے جس جس کے زیر کفالت کوئی یتیم تھا۔ انہوں نے یتیموں کے کھانے پینے کا انتظام اپنے سے الگ کردیا۔ اگر کسی یتیم کا کچھ بچ رہتا تو وہ دوسرے وقت یتیم کو دیدیا جاتا بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کھانا خراب ہوجاتا۔ نیز ان کا کھانا علیحدہ تیار کرنے میں بھی بہت دقت تھی۔ اس لئے صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا یتیموں کے کھانے کا علیحدہ انتظام رکھا جائے یا اپنے ساتھ ملانے کی اجازت ہے؟ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ تو اس کا جواب دیا گیا کہ وہ طریقہ اختیار کرو جس میں یتیموں کی اصلاح ہو اور ان کا فائدہ ہو۔ یعنی یتیموں کو مال دینا واجب نہیں البتہ ان کی خیرخواہی ضروری ہے۔

عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي
حکم حیض کا ۴۳۲ کہدے وہ گندی ہے ۴۳۳ سو تم الگ رہو عورتوں سے
الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا
حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں پھر جب
تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ
خوب پاک ہوجاویں ۴۳۴ ف۱ تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے ۴۳۵ بیشک اللہ کو
يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ
پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے ۴۳۶ ف تمہاری عورتیں
حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا
تمہاری کھیتی ہیں ۴۳۷ سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو ۴۳۸ ف۲ اور آگے کی تدبیر
لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ
کرو اپنے واسطے ۴۳۹ ف۳ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً
اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو ف اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ
لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
اپنی قسمیں کھانے کیلئے ۴۴۰ کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے
النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
بچ جاؤ ۴۴۱ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ۴۴۲ ف۴ نہیں پکڑتا تم کو اللہ
بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا
بیہودہ قسموں پر تمہاری ۴۴۳ ف۵ لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر جن کا
كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ
قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ف جو لوگ

فائدہ:- قرآن مجید میں جہاں دو مسئلے بیان کرنے ہوں اور ان میں سے ایک سیاق سے معلوم ہوجائے اور ایک سیاق سے معلوم نہ ہو تو جو مسئلہ سیاق سے معلوم ہوجائے اس کی صراحت نہیں کی جاتی اور جو سیاق سے معلوم نہ ہو اسے صراحتہً بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہے۔ یہ بات سیاق سے معلوم تھی کہ یتامیٰ کو مال دینا ضروری نہیں اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور ان کی اصلاح کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۲۹ اور اگر تم ان کے کھانے پینے کا انتظام اپنے ساتھ مخلوط رکھو تو اس کی بھی اجازت ہے کیونکہ وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اگر بھائیوں بھائیوں میں رضامندی سے تھوڑا بہت ادھر ادھر ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض یہ ہے کہ یتیموں کا مال ناحق نہ کھایا جائے۔ اس آیت میں بشرط اصلاح یتیموں کو ساتھ رکھنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ ۴۳۰ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہی ہے کہ یتیموں کا خرچ اکٹھا کرنے سے کس کی نیت نیک ہے اور کس کی نیت خراب ہے۔ کون یتیموں کے مال کی اصلاح اور حفاظت چاہتا ہے۔ اور کون ان کے مال میں خیانت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے الذی یقصد بالمخالطۃ الخیانۃ وافساد مال الیتیم واکلہ بغیر حق عن الذی یقصد الاصلاح (معالم ج۱ ص۱۹۰) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ۔ مخالطت کی اجازت دے کر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہولت پیدا کردی ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کی اجازت نہ دیتا اور تم پر اس معاملہ میں تنگی پیدا کردیتا۔ ای لضیق علیکم ولم یجوز لکم مخالطتھم (روح ج۲ ص۱۱۵) اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ وہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ مگر وہ صرف وہی احکام صادر فرماتا ہے جو اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوں۔ اس کی بھی دو جہتیں تھیں۔ اگر یتیموں کا مال علیحدہ رکھا جائے تو اس میں حرج ہے اور اگر

موضح قرآن ف۱ حیض کہتے ہیں خون کو جو عورتوں کی عادت ہے اور خلاف عادت آوے سو آزار ہے حکم ہوا کہ اس وقت پرے رہو عورت سے۔ رسول خدا نے فرمایا کہ ازار سے آگے نہ چلے۔ پھر جب پاک ہوں تو جاوے جہاں سے حکم دیا اللہ نے یعنی دوسری جگہ جو ناپاک ہے اس کا تو حکم کبھی نہیں۔ ف۲ یعنی جس راہ سے چاہو جاؤ لیکن کھیتی ہی میں کھیتی وہی جہاں تخم ڈالئے تو اُگے اور آگے کی تدبیر کرو یعنی اس صحبت میں نیت چاہیئے اولاد کی تا ثواب ہو۔ ف۳ یعنی خدا کی قسم اچھے کام چھوڑنے پر نہ کھائے مثلاً ماں باپ سے نہ بولونگا یا اس فقیر کو نہ دونگا اور اگر کھا بیٹھے تو قسم توڑے اور کفارہ دلوے ف۴ تا کاری قسم وہ جو منہ سے نکلے اور دل کو خبر نہ ہو۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی غسل بجا آرند ۱۲ ف۲ یعنی بہر صفت کہ جماع کنید شاید غلط اندہ وانہ پس پشت وغیر آں بعد از آنکہ در قبل باشد ۱۲ ف۳ یعنی اعمال صالحہ ۱۲ ف۴ یعنی سوگند برائے موقوف کردن کار نیک جائز نیست ۱۲

ملایا جائے تو احتیاط نہیں رہتی ۔ **نکتہ** :۔ اگر یتامیٰ کے پاس اپنا مال موجود ہو تو ان پر اپنا مال خرچ کرنا ضروری نہیں البتہ ان کے مال کی اصلاح اور حفاظت ضروری ہے لیکن مشرکین کے مقابلہ میں شرک مٹانے کے لئے جہاد میں سب مال خرچ کرنا نہایت ضروری ہے ۔ **۴۳۱** چوتھا مسئلہ ۔ یہاں ایک طرف تو حسن وجمال اور دنیوی مال و دولت ہے اور دوسری طرف مشرک یا مشرکہ کی رفاقت سے اپنے دین کی بربادی کا خطرہ ہے ۔ دوسری جہت کو ترجیح دے کر مشرک مرد سے مومنہ کا اور مشرک عورت سے مومن مرد کا نکاح حرام قرار دیدیا ۔ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ حسن جمال اور دنیوی مال دین اور ایمان کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں اس لئے ایماندار لونڈی جو ظاہری حسن اور دنیوی مال سے محروم ہو اس آزاد عورت سے بہتر ہے جو حسینہ وجمیلہ ہونے کے ساتھ دولتمند بھی ہو مگر مشرکہ ہو حسن اور دنیوی مال کو شرک کے مقابلہ میں ٹھکرا دو اور مشرکین سے رشتہ نکاح مت جوڑو ۔ **۴۳۲** جس طرح مومن مرد کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں ہے ۔ اسی طرح مومن عورت کا نکاح مشرک مرد سے جائز نہیں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں "اگر مرد یا عورت نے شرک کیا ان کا نکاح ٹوٹ گیا ۔ شرک یہ کہ اللہ کی صفت غیر میں جانے ۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم غیر پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر ۔" **۴۳۳** مشرک مرد اور مشرک عورتیں باہمی میل جول اور رہن سہن کے ذریعے شرک اور کفر کی طرف بلاتے ہیں ۔ جس کا انجام جہنم کا عذاب ہے ۔ ای الی الاعمال الموجبة للنار (قرطبی ص۶۸ ج ۳) اس لئے ان کے ساتھ رشتہ ناطہ مت کرو ۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی صحبت ورفاقت اور ان کے میل جول کے ذریعے اعتقاد حق اور عمل صالح کی دعوت دیتا ہے جن کا ثمرہ اور نتیجہ اللہ کی بخشش اور جنت ہے ۔ ای الی اعتقاد الحق والعمل الصالح الموصلین الیهما (روح ص۱۲۰ ج ۲) بِاِذْنِهٖ ۔ ای بتوفیقه الذی من جملته ارشاد المؤمنین لمقاربیهم الی الخیر (روح ص۱۲۰ ج ۲) یہ محض اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے کہ وہ ایمان والوں کے ذریعے ان کے متعلقین کو سیدھی راہ دکھا دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کو رشتہ ناطہ کرتے وقت ہمیشہ ایمان اور عمل صالح کو معیار قرار دینا چاہیئے نہ کہ ظاہری شان وشوکت اور مال ودولت کو ۔ **۴۳۴** پانچواں مسئلہ ۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ حیض والی عورت اپنی منکوحہ ہے تو اس سے صحبت جائز ہے لیکن اگر حالت حیض کو مدنظر رکھا جائے تو صحبت جائز نہیں کیونکہ عورت کا بدن ناپاک ہے ۔ نیز فریقین کے بیمار ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے اس لئے ترجیح اس شق کو دے کر اس حالت میں صحبت کو حرام قرار دیدیا گیا جس کی وجہ سے وطی کی حرمت عارضی ہے اور حیض سے طہارت کے بعد وطی جائز ہے ۔ اسلئے ذکر اذی کے مقابلہ میں ترک کر دو ۔ اگر ابدی ہو تو چند روز بیوی سے مقاربت نہ کرو لیکن اگر بیوی مشرکہ ہو تو اسے سرے سے چھوڑ ہی دو ۔ **۴۳۵** قُلْ هُوَ اَذًى ۔ یعنی حیض کی حالت میں وطی عورت کے لئے باعث تکلیف ہونے کے ساتھ ساتھ مرد کے لئے بھی بدبو اور نجاست کی وجہ سے موجب تکلیف ہے ۔ ای هو شیء تتاذی به المرأة وغیرها ای برائحة دم الحیض (قرطبی ص۸۵ ج ۳) فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ مقصد یہ ہے کہ زمانہ حیض میں بیوی کی مجامعت سے پرہیز کیا جائے ۔ یہ مطلب نہیں کہ حالت حیض میں عورتوں سے بالکل ہی علیحدگی اختیار کی جائے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے سے بھی پرہیز کیا جائے ۔ والمراد من اعتزال النساء اجتناب مجامعتهن (روح ص۱۲۱ ج ۲) والمراد من هذا الاعتزال ترك المجامعة لاترك المجالسة او الملابسة فان ذلك جائز (فتح البیان ص۲۸۵ ج ۱)

خلاصہ :۔ دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور ان کی خاطر اپنے مالی اور بدنی منافع قربان کر دو لیکن جہاد میں مشرک کو بے خوف مار ڈالو ۔ انفاق میں اگرچہ دنیاوی نقصان ہے لیکن اخروی نفع کی وجہ سے ضرورت سے زائد مال خرچ کرو لیکن شرک کے مقابلہ میں تمام مال خرچ کر ڈالو ۔ دفع شرک کے موقع کے بغیر بھی یتیم کا مال اس کے سپرد کرنا ضروری نہیں البتہ ان کے مال کی اصلاح ضروری ہے خواہ علیحدہ رکھو یا اپنے ساتھ ملاؤ لیکن مشرکہ بیوی سے مخالطت اور میل جول حرام ہے اور اگر مشرکہ نہیں تو بوجہ حیض چند روز اس سے قربان نہ کرو ۔

۴۳۶ یہ حکم سابق کی تاکید ہے ۔ نصاریٰ حالت حیض میں عورتوں سے جماع بھی کر لیا کرتے تھے اور یہودی اس حالت میں بالکل ہی عورتوں سے قطع تعلق کر لیتے ۔ یہاں تک کہ ان کا کھانا پینا بھی الگ کر لیتے ۔ مگر اسلام نے اس افراط وتفریط کے درمیان ایک عمدہ راہ بتائی کہ اس حالت میں جماع سے پرہیز کرو ۔ مگر اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں ان کے ساتھ ہی رہو سہو ۔ اور جماع سے ممانعت صرف اس وقت تک ہے کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں اور انہیں حیض کا آنا بند ہو جائے ۔ **۴۳۷** تَطَهَّرْنَ باب تفعّل سے ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے ۔ اس لئے یہاں اس سے طہارت بالماء یعنی غسل مراد ہے ۔ فاذا تطهرن یعنی بالماء (قرطبی ص۸۹ ج ۳) یہاں ایک شبہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے عدم قربان کی غایت مطلق طہر بیان فرمائی ہے یعنی جماع کی ممانعت صرف حیض سے پاک ہونے تک ہے ۔ جب حیض آنا بند ہو جائے تو جماع جائز ہے مگر فاذا تطهرن جو اپنے ما قبل پر متفرع ہے ۔ یہاں جواز جماع تطہر بالماء یعنی غسل پر موقوف کیا ہے یعنی جب وہ غسل کر لیں تو ان سے جماع کی اجازت ہے تو آیت کے پہلے حصہ سے معلوم ہوا کہ صرف انقطاع حیض سے وطی جائز ہو جاتی ہے مگر آیت کا دوسرا حصہ اس امر کا مقتضی ہے کہ غسل کے بعد وطی جائز ہے ۔ دونوں حصوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیض منقطع ہونے کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ حیض پورے دس دن جاری رہنے کے بعد بند ہو ۔ دس دن چونکہ حیض کی اکثر مدت ہے ۔ اس لئے اس کے بعد حیض آنے کا کوئی امکان نہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حیض دس دن سے کم مدت جاری رہنے کے بعد بند ہو ۔ دونوں صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں ۔ پہلی صورت میں خون حیض بند ہو جانے کے بعد غسل سے پہلے بھی وطی جائز ہے لیکن دوسری صورت میں غسل سے پہلے جماع جائز نہیں ۔ تو اس آیت میں دونوں صورتوں کے احکام بیان کر دیئے گئے ہیں اور آیت میں صنعت احتباک ہے یعنی ایک لفظ آیت کے پہلے حصے سے محذوف ہے اور ایک دوسرے حصہ سے جو لفظ پہلے حصے میں مذکور ہے وہ دوسرے حصہ میں لفظ محذوف پر دلالت کرتا ہے ۔ اور جو دوسرے حصہ میں مذکور ہے وہ پہلے حصہ میں لفظ محذوف پر دلالت کرتا ہے اور اصل عبارت یوں تھی ولا تقربوهن حتى يطهرن ويطّهرن فاذا اطهرن وتطهرن فاتوهن تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عورتوں سے جماع مت کرو یہاں تک کہ وہ خون حیض سے پاک ہو جائیں اور انہیں خون آنا بند ہو جائے (یہ پہلی صورت کا حکم ہے) اور یہاں تک کہ وہ غسل کر لیں (یہ دوسری صورت کا حکم ہے) پس جب وہ خون حیض سے پاک ہو جائیں (یہ حتی یطهرن پر متفرع ہے) اور غسل کر لیں ۔ (یہ یطّهرن بالتشدید پر متفرع ہے) تو تمہیں ان سے جماع کی اجازت ہے ۔ یہ تقریر حضرت سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ۔ جو انہوں نے درس بخاری میں بیان فرمائی تھی ۔ فاتوهن جماع سے کنایہ ہے اور من حيث امركم الله میں مقام وطی کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی طہارت کے بعد جس مقام میں وطی کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے اس مقام میں تم وطی کر سکتے ہو اور اس سے مراد عورت کا قُبل ہے ۔ کیونکہ وطی کا فطری اور طبعی مقام یہی ہے اور اس کے فطری ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ چوپائے جن کی رہنمائی صرف فطرت ہی کرتی ہے ، وہ اپنی جنس کے اسی مقام میں فعل جماع کرتے ہیں ۔

۴۳۸ توابین سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے مذکورہ بالا احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہو جائے اور وہ فوراً اس سے سچی توبہ کر لیں صما عسی یبدر منہم من ارتکاب بعض الذنوب کالاتیان فی الحیض (روح ص۱۲۵ ج ۲) اور متطہرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حالت حیض اور غیر فطری مقام میں بیوی کی وطی سے پرہیز کرتے ہیں۔ المراد لایاتیہا فی زمان الحیض وان لا یاتیہا فی غیر المأتی الخ (کبیر ص۳۳۳ ج ۲) **۴۳۹** حرث مصدر ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ ای مواضع حرث لکم (روح ص۱۲۴ ج ۲) یعنی تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی اور زراعت کی جگہیں ہیں۔ عورتوں کو کھیتوں سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ جس طرح کھیتوں میں بیج ڈالنے سے اس میں مختلف قسم کے پھل میوے اور غلے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورت کے رحم میں تخم ریزی کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ بیوی سے اگرچہ اور بھی کئی منافع حاصل کئے جاتے ہیں لیکن نکاح کا اصل مقصد نسل کشی اور توالد و تناسل ہے۔ جو لوگ خاندانی منصوبہ بندی کے لئے بچوں کی پیدائش روکنے کے درپے ہیں وہ شادی کی اصل غرض و غایت ہی سے نابلد ہیں۔ شاید انہوں نے شادی کی غرض و غایت صرف جنسی تسکین ہی سمجھ رکھی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس معاملہ میں انسان اور دیگر حیوانات میں کوئی حد امتیاز باقی نہیں رہیگی۔ **۴۴۰** انّٰی یہاں کَیْفَ کے معنوں میں ہے یعنی تم اپنی کھیتی میں جاؤ جس طرف سے چاہو۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ اگر بیوی سے پشت کی طرف سے جماع کیا جائے تو اس طرح حمل قرار پا جانے کی صورت میں جو بچہ پیدا ہوگا۔ وہ بھینگا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ جس کیفیت اور جس ہیئت سے تم چاہو اپنی بیویوں سے جماع کر سکتے ہو لیکن یہ خیال رہے کہ جماع ہو مقام حرث ہی میں اس سے تجاوز کر کے مقام فرث (پاخانہ کی راہ) کی طرف مت بڑھنا۔ یہاں بھی فاتوھن کی بجائے فاتوا حرثکم سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ صرف اسی مقام میں وطی جائز ہے جو کھیتی اور نسل کشی کی جگہ ہے۔ اس سے عورتوں سے غیر فطری فعل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے غیر فطری فعل کیا اس نے مجھ پر نازل کئے گئے اللہ کے احکام کی تکذیب کی۔ تو اللہ کا جو حکم اس بارے میں آپ پر نازل ہوا ہے وہ یہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صرف مقام حرث میں وطی کی اجازت دی ہے۔ **۴۴۱** یعنی اپنے لئے کوئی عمل صالح آگے بھیجدو۔ اس سے جماع کے وقت اللہ کا نام لینا اور شیطان سے پناہ مانگنا مراد ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھ کر بیوی سے صحبت میں مشغول ہوگا تو اگر اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند عطا کیا تو وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (روح ص۱۲۵ ج ۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرتے رہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ اور یہ حقیقت ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس کے سامنے جزا و سزا کے لئے حاضر ہونا ہے۔ یہ اس لئے فرمایا تاکہ یہ چیز خوف خدا پیدا کرنے میں ممد اور معاون ہو۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ جن مومنوں نے مذکورہ بالا احکام کو قبول کر لیا اور ان کی تعمیل کی انہیں بے حد و بے اندازہ انعام و اکرام کی خوشخبری دے دیجئے۔ **۴۴۲ ربط**۔ پانچ ذوجہتین مسائل کے بعد امور انتظامیہ کا دوبارہ ذکر۔ جب بیویاں حیض سے پاک ہو جائیں تو ان سے مخالطت کرو۔ اگر تم ان سے صحبت نہ کرنے کی قسم بھی کھا چکے ہو تو اسے توڑ ڈالو۔ اور قسم توڑنے کا کفارہ دیدو۔ زمانہ جاہلیت میں ایک بری رسم یہ بھی کہ لوگ نیک کاموں پر خدا کی قسم کھا لیتے تھے مثلاً فلاں رشتہ دار سے نیک سلوک نہیں کرینگے۔ فلاں دو آدمیوں کے درمیان صلح نہیں کرائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ اور پھر ان قسموں کی پابندی کرتے۔ اور اس طرح خدا کے نام کو نیک کام کے نہ کرنے کا بہانہ بنا لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سے بہت سے امور انتظامیہ میں تعطل پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ عُرْضَةً کے معنی ہدف اور نشانہ کے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کے معنی حاجز اور مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی معنی زیادہ چسپاں ہیں۔ العرضة عبارة عن المانع (کبیر ص۳۵۶ ج ۱) لِّاَيْمَانِكُمْ کا لام تعلیل کیلئے ہے، **۴۴۳** اَنْ مصدریہ ہے اور اس سے پہلے حرف جار مِنْ مقدر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نام کو اپنی قسموں کی وجہ سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے مانع نہ بناؤ۔ تقدیر الآیة ولا تجعلوا ذکر اللہ مانعاً بسبب ایمانکم من ان تبروا الخ (کبیر ص۳۵۶ ج ۲) حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایمان سے ما علیہ الایمان مراد ہے یعنی وہ امور جن پر قسم کھائی جائے بمطلب یہ کہ اللہ کے نام کو نیکی اور تقویٰ اور اصلاح بین الناس سے روکنے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اگر کہیں ایسی قسم کھا بیٹھو تو اسے فوراً توڑ ڈالو۔ **۴۴۴** اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و اعمال کو بخوبی سنتا اور جانتا ہے اس لئے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو۔ اور ہر کام خدا کی رضا کیلئے کرو۔ اس آیت میں یمین منعقدہ کا ایک حکم بیان کیا ہے کہ نیکی کے کاموں پر قسمیں مت کھایا کرو اور قسموں کے بہانے نیکی کے کام مت چھوڑو۔ آگے یمین لغو اور یمین غموس کا ذکر ہے۔ **۴۴۵** یہ یمین لغو کا حکم ہے۔ کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ نہ دنیا میں کفارہ ہے نہ آخرت میں سزا امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک لغو کی صورت یہ ہے کہ کسی نہ کسی گذشتہ واقعہ کو صحیح سمجھتے ہوئے اس کے متعلق قسم کھائی کہ ایسا ہوا ہے حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں تھا۔ فعندنا ھو ان یحلف علی شیئ یظنہ علی ما حلف علیہ ثم یظہر خلافہ فانہ لا قصد فیہ الی الکذب (ابو السعود ص۲۵۵ ج ۳) مثلاً زید کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ خالد لاہور چلا گیا ہے اور اس نے کسی کو بتاتے وقت اس پر قسم کھالی کہ خالد لاہور چلا گیا ہے حالانکہ یہ خبر غلط تھی مگر زید نے اس خبر کو صحیح سمجھ کر قسم کھائی تو یہ یمین لغو ہوگی اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، نخعی، زہری، قتادہ، سلیمان بن یسار وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ وقول ابی حنیفة ھو قول ابن عباس والحسن والمجاھد والنخعی والزہری وسلیمان بن یسار وقتادة والسدی ومکحول (کبیر ص۳۵۶ ج ۲) وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ یہ یمین غموس کا حکم ہے۔ اور یمین غموس یہ ہے کہ عمداً اور قصداً کسی گذشتہ واقعہ کے متعلق جھوٹی قسم کھائی جائے یعنی یمین لغو پر تو کوئی مواخذہ نہیں البتہ دل کے ارادہ اور قصد سے تم جو جھوٹی قسمیں کھاؤ گے ان پر مواخذہ ہوگا۔ اور یہ مواخذہ اخروی عذاب کی صورت میں ہوگا۔ دنیا میں اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ وہ بخشنے والا ہے۔ چنانچہ غیر ارادی اور لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اور بُردبار ہے۔ ارادۃً جھوٹی قسموں پر فوراً مواخذہ نہیں کرتا بلکہ بندوں کو توبہ کرنے اور گناہوں پر نادم ہونے کا موقع دیتا ہے۔ **۴۴۶ ربط**۔ قسم کی جاہلی رسموں میں سے ایک ایلاء کا غلط استعمال تھا۔ اس لئے یمین کے بعد جاہلی ایلاء کی اصلاح فرمائی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو جاتا اور اس کو ناپسند کرتا تو وہ اس سے ایلاء کر لیتا یعنی قسم کھا لیتا کہ میں اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کروں گا۔ اور ایلاء کی ان کے رواج میں کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔ اس لئے ایک طرف تو خاوند ایلاء کی وجہ سے ساری عمر اپنی بیوی سے تعلقات زوجیت منقطع رکھتا دوسری طرف وہ عورت اس کی زوجیت سے خارج بھی نہ ہوتی تاکہ وہ دوسرے آدمی سے نکاح کر لے۔ اس طرح وہ بیچاری ساری عمر معلق رہتی تھی اور تکلیف اٹھاتی تھی۔ اسلام نے ان خرابیوں کو دور کرنے کیلئے جاہلیت کے ایلاء میں اصلاح کی اور اس کے لئے چار ماہ مدت مقرر کر دی تاکہ خاوند ایلاء کے بعد اس عرصہ میں اپنی بیوی کے متعلق آخری فیصلہ کرنے سے پہلے ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کوئی رائے قائم کرے اگر سوچ بچار کے بعد اس فیصلہ پر پہنچے کہ اسے اپنی بیوی سے صلح کر لینی چاہیئے اور دوبارہ اس سے تعلقات زوجیت استوار کر لینے چاہئیں تو اسے چاہیئے کہ وہ ایلاء کے دن سے چار ماہ کے اندر اندر اس سے ہمبستری کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے اور اگر اس عرصہ میں اس نے یہی طے کیا ہے کہ وہ دوبارہ اپنی اس بیوی سے تعلقات برقرار رکھنا نہیں چاہتا تو وہ چار ماہ تک اس کے قریب نہ جائے اور اس سے صحبت نہ کرے۔ چار ماہ کا عرصہ گزرنے پر خود بخود عورت کو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی جس کی عدت گذارنے کے بعد وہ جہاں چاہے نکاح کر لے۔ یؤلون

اِیۡلَاۤءٌ‌ؑ سے ہے۔ جس کے لغوی معنی مطلق قسم کھا لینے کے ہیں مگر اصطلاح شرع میں بیوی سے ترک صحبت پر قسم کھانے کو ایلاء کہتے ہیں۔ اما فی عرف الشرع فھو یمین علیٰ ترك الوطئ (کبیر ص۳۵۹ ج ۲) ایلاء کے مختلف الفاظ ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یہ جملہ خبر مقدم ہے۔ تربص اربعة اشھر ۔ تربص کے معنی انتظار اور توقف کے ہیں اور یہ جملہ مبتدا مؤخر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیتے ہیں (یعنی ان سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں) ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے تاکہ وہ اس معاملہ میں اچھی طرح غور و فکر کر لیں۔ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فَآءُوْ کے معنی رَجَعُوْا کے ہیں یعنی حلف اٹھانے کے بعد اگر وہ چار ماہ کے اندر اندر ترک جماع سے رجوع کر لیں۔ اور عورت کو تکلیف دینے اور اسے چھوڑنے کے ارادے سے باز آجائیں اور اپنی قسم توڑ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ قسم توڑنے اور عورت کو بلا وجہ تکلیف پہنچانے کا گناہ معاف کر دیگا اور آئندہ کے لئے اصلاح احوال کے ارادے کی تکمیل میں اپنی رحمت اور مہربانی سے مدد دیگا۔ اور اگر عورت کو چھوڑنے ہی کا ارادہ ہو تو اس کا حکم اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ ۴۴۷ اور اگر وہ اپنی بیویوں کو چھوڑنے اور انہیں طلاق دینے ہی کا عزم کر لیں تو بھی اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب سنتا اور ان کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مدت ایلاء کے بعد تفریقِ قاضی کی ضرورت ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تفریقِ قاضی کی ضرورت نہیں بلکہ چار ماہ گذرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔ کما ھو منقول عن عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان و زید بن ارقم و ابن مسعود رضی اللہ عنھم رواہ الامام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فی المؤطا ص۲۶۳ آگے چار امور انتظامیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱) طلاق (۲) عدت (۳) رضاعت اور (۴) نکاح۔ ایلاء کے ذکر میں چونکہ طلاق کا ذکر آگیا تھا۔ اس لئے اس مناسبت سے پہلے طلاق کے اور عدت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ۴۴۸ عدت کے اعتبار سے عورت کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) صغیرہ جو ابھی تک بالغ نہ ہوئی ہو۔ (۲) جو عمر سے بالغ ہوئی ہو اور ابھی تک حیض نہ آیا ہو۔ (۳) بڑھاپے کی وجہ سے جس کو حیض آنا بند ہو چکا ہو۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اس کا بیان سورہ طلاق پارہ ۲۸ میں ہے۔ (۴) حاملہ عورت اگر اسے طلاق مل جائے یا اس کا خاوند مر جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس کا بیان بھی سورۂ طلاق میں ہے۔ (۵) وہ عورت جو حاملہ نہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ اس کا بیان سورۂ بقرع ۳۰ میں ہے۔ (۶) وہ عورت جو نہ حاملہ ہو نہ صغیرہ اور نہ آئسہ اگر اسے طلاق مل جائے تو اس کی عدت تین حیض ہے اس آیت میں اس کی عدت کا ذکر ہے۔ (۷) وہ عورت جسے خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق مل جائے اس کی کوئی عدت نہیں۔ اس کا حکم سورۂ احزاب ع ۶ میں بیان کیا گیا ہے۔ قروء، قرءٌ کی جمع ہے۔ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں معنوں میں مشترک ہے مگر یہاں اس سے مراد حیض ہے کیونکہ اس آیت میں ثَلٰثَةَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے خاص ہے اور کتاب اللہ کے خاص پر عمل فرض ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس آیت میں قرءٌ سے مراد طہر لیا جائے تو خاص پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ طلاق بحال طہر میں دی جائے گی۔ حالتِ حیض میں طلاق دینی جائز نہیں۔ اب جس طہر میں طلاق دی گئی ہے۔ اگر اس کو شمار کیا جائے تو طلاق کے بعد تین طہر پورے نہیں ہوتے بلکہ دو پورے اور تیسرے کا کچھ حصہ

یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ
قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی ۴۴۶
فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا
پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ٹھہرا لیا
الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ
چھوڑ دینے کو تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۴۴۷ ف۱ اور طلاق والی عورتیں
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ
انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک ۴۴۸ اور ان کو حلال
لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ
نہیں کہ چھپا رکھیں ۴۴۹ جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں
اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ
اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر ۴۵۰ ف۲ اور ان کے خاوند
اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ
حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں ۴۵۱ اگر چاہیں سلوک سے رہنا
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَ
اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق ۴۵۲ ف۳
لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ ع
اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا ف۳
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌ ۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ
طلاق رجعی ہے دو بار تک ۴۵۳ اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا
بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ
بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ

وان عزموا الطلاق کی مناسبت سے مطلقہ عورتوں کا بیان ہے ۱۲
ع۲ طلاق دینے اور رجوع کرنے کا حق مرد کو ہے عورتوں کو نہیں ۱۲
ع۳ طلاق اور رجوع کے سوا عورتوں کے بھی مردوں کی طرح حقوق ہیں وہ لونڈیوں کی مانند نہیں ۱۲
ع۴ دو طلاق تک خاوند کو حق رجوع باقی رہتا ہے

ع ۲۸ ۱۲

موضح قرآن

ف۱ یعنی جس نے قسم کھائی کہ اپنی عورت پاس نہ جاوے تو چار مہینے میں جاوے اور قسم کی کفارت دے نہیں تو طلاق ٹھہرے۔ ف۲ جب مرد نے عورت کو طلاق کہی ابھی اس عورت کو اور نکاح روا نہیں جب تک تین بار حیض آوے یا حمل ہوئے تو معلوم ہو جاوے کسی کا بیٹا کسی کو نہ لگ جاوے اسی واسطے عورت پر فرض ہے کہ اس وقت حمل ہو تو ظاہر کر دے۔ اس مدت کا نام ہے عدت اس مدت تک مرد چاہے تو پھر عورت کو رکھ لے اگرچہ عورت کی خواہش نہ ہو۔ اسی واسطے فرمایا کہ عورتوں کے حق بھی مرد پر بہت ہیں۔ لیکن اس جگہ مرد ہی کو درجہ دیا۔

ف۳ یعنی زناں را بر مرداں حق است چنانچہ مرداں را بر زناں حق است ۱۲

اور اگر اس طہر کو نظر انداز کر دیا جائے تو عدت تین طہروں سے بڑھ جائے گی لیکن اگر قرءٌ سے حیض مراد لیا جائے تو اس قسم کی کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی اور طلاق والے طہر کے بعد والے پورے تین حیض عدت ہو گی ۴۴۹ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ما سے مراد حمل اور حیض ہے یعنی اگر معتدہ حاملہ ہو یا اسے حیض آجائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ حمل یا حیض کو چھپائے اور کسی پر ظاہر نہ کرے۔ قال ابن عمرؓ الحمل والحیض ای لا یحل لہا ان کانت حاملۃ ان تکتم حملہا ولا ان کانت حائضًا ان تکتم حیضہا الخ (روح ص۱۳۳ ج ۲) زمانۂ جاہلیت میں بعض طلاق یافتہ عورتیں زمانہ عدت میں بعض اغراض کے تحت ایسا کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ بعض حاملہ عورتیں جن کو طلاق مل جاتی وہ اپنا حمل ظاہر نہ کرتیں۔ کیونکہ اگر وہ حمل ظاہر کر دیتی ہیں تو بچہ پیدا ہونے تک کوئی ان سے نکاح نہیں کریگا۔ اور یہ بچہ پہلے خاوند کا قرار پائے گا اور دوسرا خاوند اس کی پرورش کے سلسلے میں مناسب توجہ اور شفقت سے کام نہیں لیگا۔ اس لئے وہ حمل کا کسی سے ذکر نہ کرتیں اور ویسے ہی کہہ دیتیں کہ ہماری عدت گذر چکی ہے اور دوسرے خاوند سے نکاح کر لیتیں اس طرح وہ بچہ دوسرے خاوند کے نکاح میں پیدا ہوتا اور اسی سے ملحق ہو جاتا اور بعض معتدہ عورتیں جو حاملہ نہ ہوتیں وہ آخری حیض ختم ہونے سے پہلے ہی کہہ دیتیں کہ ان کا حیض بند ہو چکا ہے اور وہ پاک ہو چکی ہیں تاکہ خاوند کا حق رجعت باطل ہو جائے اور وہ رجوع نہ کر سکے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس ناشائستہ حرکت سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خاوند کی حق تلفی ہوتی ہے۔ جو کسی طرح جائز نہیں۔ پہلی صورت میں ایک شخص کا بیٹا دوسرے سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور دوسری صورت میں خاوند کا حق رجعت باطل ہو جاتا ہے۔ ۴۵۰ اِنْ شرطیہ ہے مگر یہ شرط تعلیق کے لئے نہیں ہے یعنی مذکورہ بالا نہی ایمان کے ساتھ مشروط نہیں ہے کہ ایمان والی عورتوں کے لئے تو حمل اور حیض کو چھپانا جائز نہیں اور غیر مؤمنہ مثلاً کتابیہ کے لئے چھپانا جائز ہے۔ بلکہ یہ شرط محض وعید و تہدید کیلئے اور حرمت کتمان کی تاکید کیلئے ہے یعنی جو عورتیں خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں ان کی یہ شان نہیں کہ وہ خدا کے احکام کی مخالفت کریں۔ ھٰذا وعید عظیم شدید لتاکید حرمۃ الکتمان (قرطبی ص۱۱۹ ج ۳) لیس المراد ان ذٰلک النھی مشروط بکونہا مؤمنۃ ...... ولا شک ان ھٰذا تھدید شدید علی النساء (کبیر ص۳۶۹ ج ۲) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایمان کا کامل درجہ بیان کیا گیا ہے یعنی جن عورتوں کا ایمان کامل ہے وہ تو ما فی الارحام کو نہیں چھپائیں گی۔ اور اللہ کے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کریں گی ۴۵۱ بُعُوْلَۃٌ بَعْلٌ کی جمع ہے جس کے معنی خاوند کے ہیں البعولۃ جمع البعل وھو الزوج (قرطبی ص۱۱۹ ج ۳) رَدٌّ مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور اس سے مطلقہ عورتوں کو نکاح اور زوجیت میں واپس لے آنا مراد ہے اور یہ صرف رجعی طلاق سے مخصوص ہے۔ احق بردھن الی النکاح والرجعۃ الیھن، وھٰذا اذا کان الطلاق رجعیًا للاٰیۃ بعدھا (روح ص۱۳۴ ج ۲) اور ذٰلک سے

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا

اپنا دیا ہوا عورتوں سے کچھ بھی مگر جب خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ

رکھ سکیں گے حکم اللہ کا ۴۵۴ وہ ۱ پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جاوے ۴۵۵ یہ اللہ کی باندھی ہوئی

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

سو وہی لوگ ہیں ظالم وا پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں

لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ

اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا ۴۵۶ وتا پھر اگر

طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ

طلاق دیدے دوسرا خاوند ۴۵۷ تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ

اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

واسطے جاننے والوں کے ۲ اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں

اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

اپنی عدت تک ۳ تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو

بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ

بھلی طرح سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو ۴۵۹

حاشیہ: یعنی پہلے سے بنا ہوا [illegible] مہر پھیر لینا [illegible] ۱۲

حاشیہ: مرد دو طلاق کے بعد مرد کو رجوع کا حق ہے لیکن رجوع سے ایک مقصود ہو۔ عورت پر ظلم کرنا مقصود نہ ہو ۱۲ مرد عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے ۱۲

زمانۂ عدت کی طرف اشارہ ہے۔ ای فی زمان التربص (ابو السعود ص۳۶۹ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اگر عورت رضامند نہ ہو تو بھی خاوند کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ وصیغۃ التفضیل لافادۃ ان الرجل اذا اراد الرجعۃ والمرأۃ تأباہا وجب ایثار قولہ علیٰ قولہا (ابو السعود)

موضح قرآن ف ۱ یعنی عدت تک مرد چاہے تو عورت کو پھیر رکھے۔ یہ بات پہلی طلاق میں ہے اور دوسری میں۔ بعد اس کے نہ پھر سکے گی تو موافق شرع اس کے حق ادا کر سکے تو رکھے کہ پھر قضیہ نہ ہو۔ اور نہ رکھ سکے تو رخصت کرے اس نیت سے نہ اٹکاوے کہ عاجز ہو کر جو میں نے دیا تھا وہ پھیر جاوے یہ جب روا ہے کہ ناچاری ہو اور دونوں کی خو نہ ملے اور مرد کی طرف سے ادائے حق میں قصور نہ ہو۔ اس وقت سب لوگ مل کر عورت سے کچھ پھروا دیں اور مرد کو راضی کر کر طلاق دلوا دیں اس کو خلع کہتے ہیں۔ ف ۲ یعنی تیسری طلاق کے بعد پھیر نہیں سکتے بلکہ دونوں کی خوشی ہو تو بھی نکاح نہیں بندھ سکتا جب تک بیچ میں اور خاوند کی صحبت نہ ہو چکے۔

فتح الرحمٰن ف ۱ یعنی حلال نیست کہ بدل طلاق از مہر بگیرید ۱۲ ف ۳ یعنی در معاشرت ۱۲ ف ۳ یعنی او دخول کند ۱۲ ف ۴ یعنی نزدیک رسید ند با نقضاء عدت ۱۲

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ یہاں بھی صحت رجعت کے لئے ارادۂ اصلاح کا اشتراط مراد نہیں بلکہ قصدِ اصلاح اور ارادۂ اصلاح کی ترغیب مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ رجعت سے خاوند کی نیت اصلاح احوال کی ہونی چاہئیے نہ کہ عورت کو تکلیف دینے اور ضرر پہنچانے کی۔ ولیس المراد به شرطیة قصد الاصلاح لصحة الرجعة بل هو الحث علیه والزجر عن قصد الضرار (ابو السعود ص۱۳۳ ج ۲) لیس المراد من التعلیق اشتراط جواز الرجعة بارادة الاصلاح ... بل المراد تحریضهم علی قصد الاصلاح (روح ص۱۳۳ ج ۲) آیت کے پچھلے حصہ میں عورت پر خاوند کی فوقیت اور برتری کی طرف اشارہ تھا۔ اب اگلے حصے میں صراحت کردی گئی کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی مردوں کے ذمے ہے تاکہ مرد اس بھول اور غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کے ذمہ عورتوں کا کوئی حق نہیں۔ ۴۵۲ یعنی جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق کی یہ مماثلت کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ محض وجوب کے اعتبار سے ہے جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے اسی طرح مردوں پر عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا فرض ہے۔ والمراد بالمماثلة المماثلة فی الوجوب لا فی جنس الفعل (روح ص۱۳۴ ج ۲) بِالْمَعْرُوْفِ سے اس طرف اشارہ ہے کہ خاوند بیوی کے یہ حقوق شریعت اور عقل سلیم کے مطابق ہوں گے جو حقوق اپنی طرف سے گھڑ کر بنائے گئے، یا رسوم جاہلیت کی پیداوار ہوں ان کی ادائیگی ضروری نہیں۔ بالمعروف بالوجه الذی لا ینکر فی الشرع وعادات الناس (مدارک ص۹۰ ج ۱) وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ البتہ مردوں کا حق عورتوں کی نسبت کچھ زائد ہے اور انہیں عورتوں پر فضیلت ہے کیونکہ وہ گھر کے منتظم ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس لئے وہ جو چاہے حکم دے۔ کوئی اس کا مزاحم نہیں۔ نیز اس کے تمام احکام ضرور کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ۴۵۳ یہاں الطلاق بمعنی مصدر یعنی التطلیق ہے وهو بمعنی التطلیق الذی هو فعل الرجل (روح ص۱۳۵ ج ۲) یعنی طلاق دینے کا فعل جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے اور نکاح کے بغیر عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں رکھا جاسکتا ہے وہ دو بار طلاق ہے۔ بشرطیکہ طلاق لفظ صریح کے ساتھ ہو۔ نہ کہ کنایہ کے ساتھ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو دو صریح طلاقیں دیدیں تو یہ رجعی ہونگی۔ اور ان کے بعد عدت کے اندر اندر وہ رجوع کرسکتا ہے اور اپنی بیوی کو بغیر نکاح دوبارہ اپنے گھر میں آباد کرسکتا ہے۔ اور اگر عدت گذر گئی تو اب بھی اسے واپس لاسکتا ہے مگر اب نکاح کی ضرورت ہوگی۔ زمانۂ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی جو شخص جتنی چاہتا اپنی بیوی کو طلاقیں دیتا۔ اور پھر عدت گذرنے سے پہلے رجوع کرلیتا بعض لوگ عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے بار بار ایسا کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس کا سد باب کیا۔ اور رجوع کرنے کی اجازت کو دو طلاقوں تک محدود فرمادیا۔ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ فا فصیحہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل پر مرتب ہے۔ یعنی دو طلاقیں دینے کے بعد خاوند کو اختیار ہے۔ اگر چاہے تو عدت کے اندر رجوع کرلے یا اس کی عدت گذر جانے دے تاکہ عدت گذر جانے سے خود بخود رشتۂ نکاح منقطع ہوجائے مگر رشتۂ نکاح منقطع کرنے سے نیت بخیر ہو یعنی باہمی نزاع و خلاف کو ختم کرنا مقصود ہو۔ عورت کی دل شکنی اور اس کو تکلیف دینا مقصود نہ ہو بعض لوگوں نے ایک روایت کی بنا پر اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ سے تیسری طلاق مراد لی ہے۔ یعنی دو طلاقوں کے بعد یا تو عدت کے اندر رجوع کرلے یا دوسرے طہر میں اسے تیسری طلاق دیدے تاکہ وہ بائن ہوجائے تو اس صورت میں فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الآیہ اس کا بیان ہوگا اور علیحدہ طلاق نہیں ہوگی مگر پہلا معنیٰ راجح ہے۔ اور حضرت ابن مسعود، ابن عباس مجاہد، عروہ اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے (ابن جریر ص۲۵۹ ج ۲) اور جس روایت کی بنا پر تسریح باحسان سے تیسری طلاق مراد لی گئی ہے اس کے متعلق علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ وہ ثابت نہیں۔ وذکر الکیا الطبری هذا الخبر وقال انه غیر ثابت من جهة النقل (قرطبی ج ۳ ص۱۲۸) لیکن الطلاق مرتٰن عام ہے اس سے کہ یہ دونوں طلاقیں بلا بدل ہوں یا ان میں سے ایک بطور خلع ہو لہٰذا طلاق بصورت خلع جو اس کے بعد مذکور ہے وہ تیسری طلاق نہیں بلکہ ان دو ہی میں شامل ہے لہٰذا فان طلقها سے تیسری طلاق کا ذکر ہے۔ ۴۵۴ زمانۂ جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم یہ تھی کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو جو کچھ اسے دیا ہوا ہوتا وہ بھی اس سے چھین لیتا تو اللہ تعالیٰ نے اس بدسلوکی سے منع فرمایا کہ جو کچھ تم اپنی بیویوں کو دے چکے ہو طلاق کے بعد اس میں سے کچھ بھی مت واپس لو۔ البتہ ایک صورت میں طلاق کے عوض کچھ مال لینے کی اجازت دیدی اور وہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کے تعلقات اس قدر کشیدہ ہوجائیں کہ ان کے درمیان صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکے اور عورت کی طرف سے شرعی حدود کے مطابق حقوق زوجیت ادا کرنے کی کوئی توقع باقی نہ رہے اور طلاق ناگزیر ہوجائے تو اس صورت میں جائز ہے کہ عورت کچھ دیکر خاوند سے طلاق حاصل کرلے۔ طلاق کی اس صورت کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں۔ ۴۵۵ یہ ماقبل کی تفصیل ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت فرمادی کہ خلع کی صورت میں عورت کے لئے خاوند کو مال دینا اور خاوند کو اس کا لینا ہر دو جائز ہیں۔ اور خلع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق بائن ہے۔ حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، ثوری، اوزاعی اور تابعین کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے۔ روی عن عثمان وعلی وابن مسعود وجماعة من التابعین هو طلاق وبه قال مالك والثوری والاوزاعی وابوحنیفة واصحابه والشافعی فی احد قولیه (قرطبی ص۱۴۳ ج ۳) لیکن شوافع کے نزدیک خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک ولا یحل سے فیما افتدت به تک جملہ معترضہ ہے بیان خلع کے لئے اور فان طلقها سے تیسری طلاق مراد ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا یعنی احکام مذکورہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی حدود ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔ جو لوگ اللہ کی حدود توڑتے ہیں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ۴۵۶ اس کا تعلق الطلاق مرتٰن سے ہے اور اس میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ دو طلاقوں کے بعد تو اگر رجعی ہوں، خاوند رجوع کرسکتا ہے اور اگر ایک بصورت خلع ہو تو دوبارہ نکاح کرسکتا ہے لیکن اگر اس نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب وہ اس سے نہ رجوع کرسکتا ہے اور نہ نکاح ہی کرسکتا ہے۔ البتہ ایک طریقہ ہے جس سے وہ عورت دوبارہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عورت انقضاء عدت کے بعد کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور وہ آدمی اس سے صحبت کے بعد اسے طلاق دیدے اور اس کی عدت گذر جائے تو پہلا خاوند اس سے نکاح کرسکتا ہے مذکورہ آیت میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی اجازت سے نکاح منعقد ہوسکتا ہے کیونکہ یہاں فعل نکاح کو عورت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ۴۵۷ یہ ماقبل کی تفصیل ہے اور طَلَّقَ کا فاعل دوسرا خاوند ہے یعنی اگر دوسرا خاوند بھی اس کو طلاق دیدے تو یہ عورت اور اس کا پہلا خاوند اگر یہ سمجھتے ہوں کہ اب وہ شرعی حدود کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق ادا کرسکیں گے تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ دوبارہ نکاح کرکے تعلقات زوجیت استوار کرلیں۔ مگر اس مطلقہ کے پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کے جواز کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ (۱) پہلے خاوند کی عدت پوری کریں (۲) عدت کے بعد دوسرے خاوند سے شرعی عقد کرے۔ (۳) دوسرا خاوند اس سے وطی کرے (۴) وطی کے بعد دوسرا خاوند اسے طلاق دے دے (۵) دوسرے خاوند کی طلاق کی عدت پوری کرے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوگی

توپہلے شوہر سے اس کا نکاح جائز نہیں ہوگا۔ مذھب جمھور المجتھدین ان المطلقۃ بالثلاث لاتحل لذلک الزوج الا بجنس طرائق تعتد منه وتعقد لثانی ویطأھا ثم یطلقھا ثم تعتد منه (کبیر ص۲۷۹ ج ۲) وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ٥ حدود اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین ہیں اللہ تعالیٰ علم و بصیرت رکھنے والوں کے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر ان پر عمل کریں اور ان کی پابندی کریں۔ **۴۵۸** اَجَلَهُنَّ میں اجل سے مراد عدت ہے اور بلوغ اجل سے عدت کا قریب الاختتام ہونا مراد ہے بقرینہ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ الخ کیونکہ رجعت تو عدت کے اندر ہی ہو سکتی ہے۔ اختتام عدت کے بعد نہیں ہو سکتی المراد مقاربته دون انقضائه (احکام القرآن جصاص) طلاق رجعی کے بعد خاوند کو دو اختیار دیئے گئے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو عدت کے اندر رجوع کرکے مطلقہ بیوی کو پھر اپنے گھر میں آباد کرلے۔ یا عدت میں رجوع نہ کرے اور اسے چھوڑ دے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ

اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک بڑا ہی نقصان کریگا **۴۶۰** اور

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا

مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو جو اتاری تم پر

مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا

کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ اور ڈرتے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا

رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور جب

ع ۲۹ / ۱۳

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے **۴۶۱** جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں ۱ؕ

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

موافق دستور کے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ

ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس میں تمہارے لئے بڑی ستھرائی ہے

وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۱ؕ

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پورے

منزل ۱

(حاشیہ: ۱ یعنی عدت ختم کر لیں ۱۲ — ۲ رضاع یعنی بچوں کو دودھ پلانے کا بیان ۱۲ — ۳ فصالاً تو دو سال میں اور دیباتہٗ یعنی فیصلہا و بین اللہ سال میں جیسا کہ تم اختلاف میں وحملہٗ وفصالہٗ ثلثون شہرًا ۱۲)

مگر اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ عورت کو کسی صورت میں تنگ کیا جائے۔ اگر دوبارہ اس سے زوجیت کے تعلقات استوار کئے جائیں تو اسے دوبارہ اپنی زوجیت میں لا کر تنگ کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی طرح اگر اسے چھوڑ دینے ہی کا فیصلہ کیا جائے تو بھی شرعی حدود کی پابندی سے باہمی نزاعات کو ختم کرنے کے لئے کیا جائے نہ کہ عورت کو ذلیل کرنے اور اس کی دلشکنی کے لئے اور ممکن ہے کہ تسریح بمعروف سے مطلقہ کو ثیاب متعہ دینے کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس آیت کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان میں مذکور ہو چکا ہے۔ پھر اس کا اعادہ کیوں کیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو عام حکم دیا کہ رجعی طلاق کے بعد عدت کے دوران اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلو اور یہاں یہ فرمایا کہ عدت کے زمانہ میں جو تم نے مطلقہ کے متعلق فیصلہ کیا ہے۔ اختتام عدت کے قریب اس پر ایک دفعہ پھر غور و فکر کرلو ممکن ہے کہ پہلے فیصلہ کی نسبت اب تم زیادہ بہتر اور زیادہ مفید فیصلہ کرسکو۔ هٰذا تفصیل ما اشار الیه الشیخ رحمه اللہ تعالیٰ **۴۵۹** یہ حکم ماقبل کی تاکید اور توضیح ہے زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کیلئے انہیں طلاق دے دیتے۔ جب ان کی عدت قریب الاختتام ہوتی تو رجوع کر لیتے پھر کچھ عرصہ بعد طلاق دیدیتے اور رجوع کر لیتے یہ سلسلہ جاری رکھتے تاکہ وہ بیچاری نہ اس کے پاس آرام اور سکون کی زندگی گذار سکے اور نہ ہی کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اگر مطلقہ رجعیہ کو واپس لانا چاہو تو حسن معاشرت کی نیت سے واپس لاؤ تنگ کرنے اور اسے تکلیف پہنچانے کی غرض سے ایسا نہ کرو۔ روی مالك عن ثور بن زید الدیلی ان الرجل کان یطلق امرأته ثم یراجعها ولا حاجة له بها ولا یرید امساکها کیما یطول بذلك العدة ولیضارها فانزل اللہ تعالیٰ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا الاٰیة (قرطبی ص۱۵۶ ج ۳) نقله ابن کثیر ص۲۸۱ ج ۱ عن ابن عباس ومجاهد ومسروق والحسن و قتادة والضحاك والربیع ومقاتل بن حیان وغیر واحد۔ **۴۶۰** حقوق زوجیت میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے یہ ایک وعید شدید ہے یعنی جو بیوی کو محض تنگ کرنے کی غرض سے اپنے پاس روکے گا وہ ظالم ہے اور اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس بدسلوکی کی دنیا یا آخرت یا دونوں میں سخت سزا پائے گا۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا اور اللہ کی آیتوں کو ہنسی کھیل یا مذاق نہ سمجھو کہ جس پر جی چاہا عمل کر لیا اور جسے چاہا ٹھکرا دیا۔ بلکہ ان پر جی لگا کر عمل کرو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ نعمت سے دین اسلام اور آئین معاشرت کا تفصیلی بیان مراد ہے۔ ای بالاسلام وبیان الاحکام (قرطبی ج۳ ص۱۵۷) وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ما انزل، نعمت اللہ پر معطوف ہے۔ کتاب و حکمت سے مراد قرآن حکیم ہے کیونکہ اس

موضح قرآن ف ۱ یہ حکم ہے عورت کے ولیوں کو کہ اس کے نکاح میں اسی کی خوشی رکھیں جہاں وہ راضی ہو وہاں کردیں اگرچہ اپنی نظر میں اور جگہ بہتر معلوم ہو۔

فتح الرحمٰن ف ۱ یعنی با شوہران دیگر کہ بایشاں رغبت پیدا کردند ۱۲

ہیں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ یا کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے والمراد بھما القرآن الجامع للعنوانین او القرآن والسنة (روح ۱۴۴ ج ۲)
والحکمة ھی السنة المبنیة علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد اللہ فیما لم ینص علیہ فی الکتاب (قرطبی ۱۵۸ ج ۳) یَعِظُكُمْ بِهٖ، انزل
کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی کتاب و سنت میں جو احکام تمہاری نصیحت کے لئے نازل کئے جاتے ہیں۔ ان کو ہر وقت پیش نظر رکھا کرو۔ اور ان کے مطابق عمل کیا کرو۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اور اس کے احکام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ تمام احکام کی حکمتیں
جانتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ نیز وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس کا نافرمان ہے۔ فلا یخفی علیہ شیء

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ
جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت ف۴۶۲ اور لڑکے والے یعنی
لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ
باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے ف۴۶۳ تکلیف نہیں دی
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا
جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو اسکے بچہ کی وجہ سے
وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ
اور نہ اسکو جس کا وہ بچہ ہے ف۴۶۴ یعنی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں ف۱ یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورے
فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلاؤ کسی
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ
دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کر دو جو تم نے
اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
دینا ٹھہرایا ہے موافق دستور کے ف۴۶۵ اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ
کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے ف۲ اور جو لوگ مر جاویں
مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
چار مہینے اور دس دن پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو ف۴۶۶

ل متوفی عنہا زوجہا یعنی جس عورت کا خاوند فوت ہو جاوے اس کی عدت واجبہ کا بیان ہے

مما تأتون وما تذرون فلیحذر من جزائه وعقابه (روح ۱۴۴ ج ۲، ابو السعود ۳۸۱ ج ۲) او انه علیم بکل شیء فلا یأمر الا بما فیه الحکمة والمصلحة فلا تخالفوه روح ۱۴۴ ج ۲) **ف۴۶۱** یہاں بلوغ اجل سے انقضاء اجل اور اختتام عدت مراد ہے۔ بقرینة فلا تعضلوھن الخ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ بعض لوگ اپنی مطلقہ بیویوں کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اسے اپنی ذلت سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس رسم کو توڑنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تمہاری مطلقہ بیویوں کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اپنی مرضی کے مطابق منتخب کئے ہوئے خاوندوں کے ساتھ شادی کرنے سے مت روکو۔ الخطاب للازواج المطلقین حیث کانوا یعضلون مطلقاتھم بعد مضی العدة ولا یدعوھن ان یتزوجن ظلما وقسرا لحمیة الجاھلیة (روح ۱۴۴ ج ۲) اس آیت میں بھی اشارہ نکلتا ہے کہ عورتوں کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں بھی فعل نکاح کو عورتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی بشرطیکہ عورتیں اپنے نئے خاوندوں کا انتخاب شرعی احکام اور مروت کے تقاضوں کے طریقوں کے مطابق کریں۔ مثلاً غیر کفو کا شوہر منتخب نہ کریں۔ اور مہر مثل میں کمی نہ کریں۔ اگر ایسا کریں تو ان کے اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ بالمعروف بما یحسن فی الدین والمروءة من الشرائط او بمھر المثل و الکفوء لان عند عدم احدھما للاولیاء ان یتعرضوا۔ (مدارک ۹۰ ج ۲) ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ۔ یہ احکام تو سب مومنوں کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ہیں مگر ان احکام پر دل وجان سے عمل کرنے والے اور ان کی قدر و منزلت پہچاننے والے صرف مومنین کاملین ہی ہیں۔ اس لئے ان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ خصه بالذکر لانه المسارع الی الامتثال اجلالا للّٰہ تعالیٰ وخوفا من عقابه (روح ۱۴۵ ج ۲) ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ذلکم سے مذکورہ احکام کے مطابق عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

ای الاتعاظ به والعمل بمقتضاہ (روح ۱۴۵ ج ۲) یعنی مذکورہ احکام پر عمل کرنا تمہارے لئے برکت و پاکیزگی کا باعث ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ان احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں صرف اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔ اس لئے تمہیں ہر حال میں ان پر عمل کرنا چاہیئے۔ **ف۴۶۲** یہاں سے احکام رضاعت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یُرْضِعْنَ لفظاً خبر ہے مگر معناً امر ہے اور یہ امر استحباب کیلئے ہے۔ ہاں اگر بچہ والدہ کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ یا اس کے لئے دودھ پلانے والی نہیں ملتی یا مل تو سکتی ہے لیکن باپ اس کا معاوضہ ادا کرنے سے قاصر ہے تو ان

موضح قرآن ف۱ اگر مرد عورت میں طلاق ہووے اور لڑکا رہا دودھ پیتا تو ماں دو برس بند ہے اس کے دودھ پلانے کو اور باپ اس کا خرچ اٹھاوے اور اگر باپ اس کا مر گیا تو وارث اس کے خرچ اٹھاویں اور جو دو برس سے کم میں چھڑاویں اپنی خوشی سے تو بھی روا ہے اور اگر باپ کسی سے پلواوے ماں کو بند نہ رکھے تو بھی روا ہے لیکن اس کے بدلے میں ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی پیش از دو سال ۱۲

صورتوں میں والدہ پر دودھ پلانا واجب ہے۔ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ دودھ پلانے کی پوری اور کامل مدت دو سال ہے اس سے زیادہ نہیں مطلب یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں۔ البتہ اگر بعض وجوہ کی بنا پر دو سال سے کم دودھ پلا یا جائے تو جائز ہے۔ فقہاء اسلام نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو رضاعت حرمت نکاح میں مؤثر ہے وہ وہی ہے جو دو سال کے اندر ہو۔ دو سال کے بعد کی رضاعت کا حرمت نکاح میں کوئی اعتبار نہیں۔ واستدل بالآیة علی ان اقصی مدة الارضاع حولان ولا یعتد به بعدهما فلا یعطی حکمه وانه یجوز ان ینقص عنهما (روح ص۱۴۶ ج ۲) الرضاعة المحرمة الجاریة مجری النسب انما هی ما کان فی حولین لانه بانقضاء الحولین تمت الرضاعة ولا رضاعة بعد الحولین معتبرة (قرطبی ص۱۶۲ ج ۳) حنفیہ میں سے صاحبین کا یہی مسلک ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ وکان الاصح قولهما وهو مختار الطحاوی (فتح القدیر ص۳)

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ

تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں

بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ

قاعدہ کے موافق ف۴۶۶ اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے ف۱ اور کچھ گناہ نہیں

عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ

تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کو

أَوْ أَكْنَنتُمْ فِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ ٱللَّهُ أَنَّكُمْ

یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں ف۴۶۸ اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ

سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن

ان عورتوں کا ذکر کروگے ف۱ لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر

تَقُولُوا۟ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا۟ عُقْدَةَ

یہی کہ کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو

ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْكِتَٰبُ أَجَلَهُۥ ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ

نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو ف۴۶۹ اور جان رکھو کہ

ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ فَٱحْذَرُوهُ ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟

اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو

أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿ع﴾ لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن

کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنیوالا ہے ف۱ کچھ گناہ نہیں تم پر اگر

طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا۟

طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ اور نہ مقرر کیا ہو

لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ

ان کے لئے کچھ مہر ف۴۷۰ ف۲ اور ان کو کچھ خرچ دو ف۳ مقدور والے پر اس کے موافق ہے

ع ۳۰ / ۱۴

(حاشیہ) یعنی عدت میں نکاح پڑھانا جائز نہیں البتہ اشارۃً اور تعریضی کلمات سے خطبہ کرنا جائز ہے ۱۲

(حاشیہ) مطلقہ عورتوں کی چار قسموں کا بیان دو کا صراحۃً اور دو کا ضمناً ۱۲

ف۴۶۳ مولود لہٗ سے مراد باپ ہے کیونکہ بچہ اسی کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ بچے کی ماں کا خرچ از قسم خوراک لباس باپ کے ذمہ ہے۔ اور معروف سے مراد یہ ہے کہ خرچ میں نہ اسراف ہو اور نہ تنگی۔ بلکہ مرد کی مالی حالت کے مناسب ہو۔ ای بلا اسراف وتقتیر (روح ص۱۴۶ ج ۲، مدارک ج ۱ ص۹۲) ای بالمتعارف فی عرف الشرع من غیر تفریط ولا افراط (قرطبی ص۱۶۳ ج ۳) یدل علی ان الواجب من النفقة والکسوة هو علی قدر حال الرجل فی اعساره ویساره (احکام القرآن للجصاص) لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔ امام نسفی رح فرماتے ہیں کہ یہ جملہ معروف کی تفسیر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے نہ تو خاوند کو اس کی وسعت سے زیادہ خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے اور نہ ہی عورت کو تنگدستی کی زندگی گذارنے پر۔ ای لا تکلف المرأة للصبر علی التقتیر فی الاجرة ولا یکلف الزوج ما هو اسراف بل یراعی القصد (قرطبی ص۱۶۶ ج ۳) ف۴۶۴ بیٹے کی وجہ سے خاوند کی طرف سے عورت کو اور عورت کی طرف سے خاوند کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے مثلاً اگر ماں کسی بیماری یا جسمانی کمزوری کی وجہ سے دودھ نہ پلا سکتی ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے۔ یا اگر وہ دودھ پلانا چاہتی ہو تو بلا وجہ اس سے بچہ نہ چھینا جائے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جائے اور ماں کی طرف سے تکلیف دینے کی صورت یہ ہے کہ وہ خاوند کو تنگ کرنے کے لئے بچہ کو دودھ نہ پلائے یا اس کی وسعت سے زیادہ اس پر اخراجات کا بوجھ ڈالے۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ اگر بچے کا باپ مر جائے تو بچے کے ورثاء پر وہ تمام حقوق ادا کرنے واجب ہوں گے جو باپ پر واجب تھے مثلاً اس کی والدہ کی خوراک اس کا لباس اور اسے تکلیف نہ دینا وغیرہ علیه مثل ما علی والد الطفل من الانفاق علی والدة الطفل والقیام بحقوقها وعدم الاضرار بها وهو قول الجمهور (ابن کثیر ص۲۸۴ ج ۱) یہ اس صورت میں ہے جب بچے کا اپنا مال موجود نہ ہو۔ اگر اس کا اپنا مال ہو تو اس کے اور اس کی والدہ کے اخراجات اس کے مال میں سے ادا کئے جائیں گے۔ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط مدت رضاعت (دو سال) کی تکمیل سے پہلے اگر خاوند بیوی بچے کی ضرورت اور مصلحت کو سامنے رکھ کر باہمی رضامندی اور مشورے سے اس کا دودھ چھڑا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ف۴۶۵ اٰتَیْتُمْ میں ابتداءً سے مقررہ اجرت دینے

موضح قرآن ف۱ طلاق کی عدت تین حیض فرمائی اور موت کی عدت چار مہینے دس دن۔ دونوں جب ہیں کہ حمل معلوم نہ ہو اور اگر حمل معلوم ہوا تو حمل تک ۱۲ ف۲ یعنی عورت ایک خاوند سے چھوٹی ہے اور عدت میں ہے تب تک کسی اور کو روا نہیں کہ اس سے نکاح باندھ لیوے یا صاف وعدہ کر رکھے تا اس سے پہلے اور کوئی نہ کہہ بیٹھے پر وہ یہ کہ ایک بات کہدے مرقّج سے مثلاً عورت کو کہے کہ تجھ کو کوئی عزیز کرلے گا یا کہے کہ مجھ کو ارادہ نکاح کا ہے۔

فتح الرحمن ف۱ یعنی بتصریح بعد عدت ۱۲ ف۲ یعنی مہر را ۱۲ ف۳ یعنی پوشاک ۱۲

کی ذمہ داری اور ضمانت اٹھانا مراد ہے اور معروف سے شرعاً اور مروۃً اچھا اور مستحسن طریقہ مراد ہے۔ اور بعض دفعہ والدہ کی موجودگی میں بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر بچے کو کسی دوسری عورت کا یا دایہ کا دودھ پلانے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ دایہ کی مقررہ اجرت جو شرعاً اور عرفاً مناسب ہو ٹال مٹول اور کمی بیشی کے بغیر اس کے حوالے کردی جائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؕ اللہ سے ڈرو اور اس کی حدود کو مت توڑو اور یقین رکھو کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس لئے تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء و سزا ملے گی۔ یہاں احکام رضاع کا بیان تھا۔ آگے بیوہ کی عدت اور اس سے متعلق بعض دوسرے احکام کا بیان ہے۔ ۴۶۶ پہلے گذر چکا ہے کہ بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن صرف اسی صورت میں ہے جب وہ حاملہ نہ ہو۔ اگر وہ حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ سورۂ

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى
اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدے کے موافق ہے لازم ہے
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
نیکی کرنے والوں پر ف۱ اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے
تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ
سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا
مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
اس کا کہ مقرر کر چکے تھے تم ف۲ مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ
میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند ف۳ اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے
وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو
بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ
خوب دیکھتا ہے ف۴ خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے ف۵
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ
اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے ف۶ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا ف۷ تو پیادہ پڑھ لو یا
رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ
سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے
مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ
جس کو تم نہ جانتے تھے ف۸ اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں
وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر جاویں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا

ملا امور انتظامیہ کے بعد تہذیب کے امر مصلح نماز کا بیان ۱۲

ملا امر مصلح کے بعد امور انتظامیہ سابقہ کے متعلق ایک استحبابی شق کا بیان ۱۲

طلاق میں مذکور ہے۔ ۴۶۷ اس آیت میں بیوہ عورتوں کے نکاح کا حکم بیان ہوا ہے کہ عدت کے بعد اگر وہ اپنی مرضی سے کسی آدمی سے شرعی عقد کرنا چاہیں تو ان کے اولیا کو انہیں اس سے نہیں روکنا چاہیئے بشرطیکہ وہ اپنے کفو میں نکاح کریں۔ غیر کفو میں نکاح کرنے سے رشتہ داروں کو روکنے کا حق ہے۔ آج کل بیوہ عورتوں پر انتہائی ظلم کیا جاتا ہے بعض عورتیں عین جوانی میں بیوہ ہوجاتی ہیں مگر انہیں عمر بھر خاوند کے بغیر رہنا پڑتا ہے اور ورثا انہیں عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور اس میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر جہالت اور خدا کی نافرمانی ہے اور اس بیوہ کی حق تلفی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اس لئے اس کے احکام کی مخالفت مت کرو ۴۶۸ بیوہ عورت کے سامنے اس سے نکاح کرنے کے ارادے کا اظہار عدت کے دوران صراحۃً جائز نہیں۔ البتہ اشارۃً ایسا کرے تو جائز ہے مثلاً بیوہ یا اس کے ولی کے سامنے یوں کہے کہ "خدا کرے کہ میرا گھر بھی آباد ہوجائے" یا اس قسم کا کوئی اور جملہ۔ اسی طرح اگر دل میں ارادہ کرلے کہ عدت کے بعد اس سے نکاح کرونگا مگر اس کا صراحۃً اظہار نہ کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا۔ اللہ کو معلوم تھا کہ تم ضرور ان کا ذکر کروگے۔ اور دل میں ان کی طرف دھیان کروگے اور اس سلسلے میں اپنے اوپر پورا کنٹرول نہیں کرسکوگے۔ اس لئے تمہیں اشارۃً ذکر کرنے کی اجازت دیدی لیکن نکاح کرنے کا صریح وعدہ اس کی

موضح قرآن ف۱ اگر نکاح کے وقت مہر کہنے میں نہ آیا تو بھی نکاح درست ہے مہر پیچھے ٹھہر رہیگا۔ پھر اگر بن ہاتھ لگائے عورت کو طلاق دے تو مہر کچھ لازم نہ آیا لیکن کچھ خرچ دینا ضرور ہے خرچ کیا کہ ایک جوڑا پوشاک کا موافق حال کے۔ ۱۲ ف۲ یعنی اگر مہر ٹھہر چکا تھا پھر بن ہاتھ لگائے طلاق دے تو پھر آدھا مہر لازم ہوا۔ مگر عورتیں درگذر کریں کہ بالکل چھوڑ دیویں یا مرد درگذر کرے تو بہتر ہے کیونکہ اللہ نے بڑائی دی ہے مرد کو اور اس کو مختار کیا نکاح رکھنے اور توڑنے کا اپنی بڑائی رکھے۔ **فائدہ:**۔ چار صورتیں ہوسکتی ہیں یہاں دو کا حکم فرمایا۔ ایک یہ کہ مہر نہ ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دوسری یہ کہ مہر ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے اور دو صورتیں باقی رہیں ایک یہ کہ مہر ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگا کر طلاق دے تو پورا مہر لازم ہوا یہ سورہ نسا میں مذکور ہے۔ دوسری یہ کہ مہر نہ ٹھہرا تھا اور ہاتھ لگا کر طلاق دے اس میں مہر مثل پورا دیا چاہیئے یعنی جو اس عورت کی قوم میں رواج ہے اور جب خلوت ہوچکی تو گویا ہاتھ لگایا۔ ف۳ بیچ والی نماز عصر ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کا تقید زیادہ کیا اور طلاق کے حکموں میں نماز کا حکم فرمادیا کہ دنیا کے معاملے میں غرق ہو کر بندگی نہ بھول جاؤ اسی واسطے عصر کا تقید زیادہ ہے کہ اس وقت دنیا کا شغل کثرت سے ہے۔ فرمایا کہ کھڑے رہو ادب سے تو جو حرکت جس سے معلوم ہو کہ آدمی نماز میں نہیں ہے اسی سے نماز ٹوٹتی ہے جیسا کھانا پینا یا کسی سے بات کرنی اور سوائے اس کے۔ ف۴ یعنی لڑائی کا وقت ہو تو نماز جاری کو سواری پر بھی اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز روا ہے گو کہ قبلہ

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی زوج خود گذاشتہ تمام دہد ۱۲ ف۲ یعنی از حدود مانند آں ۱۲

نہ علانیہ اجازت ہے اور نہ ہی پوشیدہ طور پر۔ اِلَّآ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ط قولاً معروفاً سے وہی اشارہ اور کنایہ مراد ہے۔ ف۴۶۹ یہ ماقبل کی تاکید و تفصیل ہے۔ اور عزم سے مراد وہ پختہ ارادہ ہے جو مقارن فعل ہو۔ والمراد به العزم المقارن (روح ص۱۵۰ ج ۲) یعنی عدت گذرنے سے پہلے عزم نکاح کا اظہار مت کرو۔ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِىۡٓ اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ ۚ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ اپنے باطن کو درست رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی باتیں بھی جانتا ہے۔ اور جو اس سے معافی مانگے وہ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اور معافی نہ مانگنے والوں کا بھی جلدی مواخذہ نہیں فرماتا بلکہ انہیں توبہ کرنے کے لئے مہلت دیتا ہے۔

بیوہ کی عدت اور اس کے نکاح کے احکام بیان کرنے کے بعد آگے طلاق کے مزید کچھ احکام و مسائل بیان کئے گئے ہیں ف۴۷۰ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ کا عطف تَمَسُّوۡهُنَّ پر ہے اور وہ بھی نفی کے تحت داخل ہے یعنی جن عورتوں کو مس نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی ان کے لئے مہر مقرر کیا گیا ہو۔ اگر ان کو طلاق دیدی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ وَّمَتِّعُوۡهُنَّ یعنی جن عورتوں کیلئے نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا گیا۔ ان کو اگر مس سے پہلے طلاق دیدی جائے تو ان کو متعہ کے کپڑے دینے واجب ہیں۔ متعہ کے کپڑے تین ہیں قمیص، دوپٹہ اور چادر۔ قال الامام ابوحنیفة هی درع وخمار وملحفة (روح ص۱۵۳ ج ۲) مس (ہاتھ لگانے) سے یہاں وطی مراد ہے خواہ حقیقةً ہو خواہ حکماً۔ حقیقی وطی تو ظاہر ہے حکمی وطی سے خلوت صحیحہ مراد ہے۔ اور خلوت صحیحہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کسی ایسی تنہائی کی جگہ موجود ہوں۔ جہاں کوئی چیز مانع وطی موجود نہ ہو۔ مس اور تقدیر مہر کے لحاظ سے مطلقہ کی چار قسمیں ہیں (۱) یہ کہ مطلقہ کا مہر نکاح کے وقت مقرر کیا گیا تھا۔ اور مس حقیقی یا حکمی کے بعد اسے طلاق دیگئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے مقررہ مہر دیا جائے گا۔ اور اس میں سے کچھ واپس لینا جائز نہیں۔ اس کا حکم پہلے رکوع ۲۹ میں بیان ہو چکا ہے (۲) وہ عورت جسے دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اور اس کا مہر بھی مقرر نہ ہو۔ اس کے لئے مہر نہیں ہے۔ البتہ اسے ثیابِ متعہ دیئے جائیں گے۔ اس آیت میں اسی عورت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (۳) وہ عورت جسے وطی سے پہلے طلاق دیدی جائے لیکن اس کا مہر مقرر ہو۔ تو اس کا حکم اگلی آیت میں آ رہا ہے کہ اسے مقررہ مہر کا نصف دیا جائے (۴) وہ عورت جسے وطی کے بعد طلاق دی جائے مگر اس کا مہر مقرر نہ ہو تو اسے مہر مثل دیا جائے گا۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ ۚ یعنی ثیاب متعہ کی مالیت کا انحصار خاوند کی مالی حالت پر ہے۔ مَتَاعًاۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مَتَاعًا بمعنی تمتیعًا متعوهن کا مفعول مطلق ہے بِالۡمَعۡرُوۡفِ ظرف مستقر ہے جو متلبسًا محذوف سے متعلق ہے۔ اور متاعًا کی صفت اولیٰ ہے۔ یعنی ثیاب متعہ ایسے طریقہ سے دو جو شرعاً اور عرفاً مستحسن ہو۔ حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ یہ متاعًا کی صفت ثانیہ ہے اور حقًا کے معنی واجبًا کے ہیں صفة لمتاعًا ای متاعًا واجبًا عليهم (مدارک ص۹۴ ج ۱) یعنی خوش معاملہ اور حسن سلوک کرنیوالے لوگوں پر متعہ واجب اور لازم ہے محسنین کی تخصیص ترغیب و تحضیض کے لئے فرمائی۔ ف۴۷۱ یہ اس عورت کا حکم ہے جسے دخول سے پہلے طلاق دیدی گئی ہو اور اس کا مہر بوقت نکاح مقرر ہو چکا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے مقررہ مہر کا نصف دیا جائے گا اِلَّآ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ۔ ہاں اگر عورت اپنا حق معاف کر دے اور نصف مہر جو اس کا حق ہے اس سے بھی دستبردار ہو جائے یا خاوند فیاضی سے کام لے اور (مہر معجل کی صورت میں جو اسے نصف واپس لینے کا حق ہے وہ واپس نہ لے یا مہر مؤجل کی صورت میں پورا مہر مطلقہ کو دیدے تو یہ صورت ماقبل سے مستثنیٰ ہے اور یہ اقدام دونوں طرف سے مستحسن اور قابلِ تعریف ہے وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ حسن سلوک اور باہمی لطف و احسان کو طلاق کے موقع پر بھی نہ بھولو۔ بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ عفو اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔ مثلاً مہر کا معاف کر دینا یا مہر میں اضافہ کر دینا یا مہر مقرر ہونے کی صورت میں متعہ کے کپڑے دینا وغیرہ...... سب حسن سلوک اور احسان میں داخل ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ اس لئے تمہارا کوئی عمل رائیگاں نہیں جائیگا۔ اور تمہیں ہر نیکی کی جزا ملے گی۔ ف۴۷۲ حسن سلوک اور احسان کی ترغیب کے بعد نمازوں کی پابندی کا حکم دیا کیونکہ نماز ایک امر مصلح ہے جس سے ظاہر و باطن کی طہارت ہوتی ہے۔ اور اخلاق رذیلہ سے باطن پاک ہو کر اخلاق حسنہ سے معمور ہو جاتا ہے۔ نیز نماز کو باجماعت ادا کرنے سے باہمی محبت و الفت اور اتحاد و اتفاق کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے نماز حسن معاشرت حسن سلوک اور احسان کے لئے بہت بڑی معاون ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثر صحابہ، تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔ الثانی انها العصر لانها بين صلاتی النهار وصلاتی الليل وهو المروی عن علی والحسن وابن عباس وابن مسعود وخلق كثير وعليه الشافعية......... والاكثرون صححوا انها صلوٰة العصر (روح ص۱۵۶ ج ۲) اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے کیونکہ وہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان ہے۔ وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ۔ قانتین کے معنی خاشعین کے ہیں۔ یعنی نماز میں خشوع اور عجز و انکساری سے قیام کیا کرو۔ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ یعنی اگر جنگ میں نماز کا وقت آجائے اور دشمن کی طرف سے حملہ کے خطرہ کی وجہ سے اطمینان سے باقاعدہ نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پیادہ یا سواری کی حالت میں جس طرح بھی ممکن ہو اسی طرح سے نماز ادا کر لو مگر ایسی خوف و ہراس کی حالت میں بھی نماز معاف نہیں۔ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ لیکن اگر خوف زائل ہو جائے اور حالت امن ہو تو پھر معمول کے مطابق نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے امن اور خوف کی مختلف حالتوں کے احکام بیان فرمائے ہیں جن کا نزول وحی سے قبل تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔ ف۴۷۳ وَصِيَّةً فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی لیوصوا، اور متاعًا، وصیةً کا بیان ہے۔ اور غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ماقبل کی تاکید ہے یعنی جو لوگ فوت ہو جائیں۔ اور ان کی بیوائیں پیچھے رہ جائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ مرنے سے قبل ورثاء کو ان کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انھیں گھر سے نہ نکالا جائے اور سال بھر انہیں اس کے ترکہ سے خرچ دیا جائے۔ ف۴۷۴ یعنی اگر وہ عدت واجبہ چار ماہ اور دس دن گذارنے کے بعد اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر چلی جائیں اور کسی مناسب جگہ عقد شرعی کر لیں تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے اور وہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اور اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت کے ماتحت ہوتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب میراث کے احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ اب یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ اب خاوند کے ترکہ میں بیوہ کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اس لئے اب اس کے حق میں وصیت کا حکم باقی نہیں منسوخ کله عند جمهور العلماء (قرطبی ص۲۲۷ ج ۳) ثم ان الله نسخ هذين الحكمين اما الوصية بالنفقة والسكنى فلان القرآن دل على ثبوت الميراث لها والسنة دلت على انه لا وصية لوارث فصار مجموع القرآن والسنة ناسخًا للوصية للزوجة بالنفقة والسكنى فی الحول (کبیر ص۴۳۳ ج ۲) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس وصیت کو استحباب پر محمول کیا جائے تو اس آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں اور یہ حکم استحبابی اب بھی باقی ہے یعنی اگر بیوہ ایک سال تک رہتی ہے تو تم اس کو تنگ کر کے نہ نکالو۔ ہاں اگر خود بخود چار ماہ اور دس دن والی عدت واجبہ جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے گذارنے کے بعد کسی مناسب جگہ نکاح کر لیتی ہے تو تم پر کوئی حرج نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ سال تک بیٹھنا وجوبی حکم نہیں بلکہ استحبابی ہے یہی وجہ ہے کہ اسے وَصِيَّةً اور غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ اور مَتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ اور فَاِنۡ خَرَجۡنَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ف۴۷۵ مَتَاعٌ کا یہ حکم تمام مطلقات کے لئے ہے۔ اور یہ حکم استحبابی ہے البتہ جس عورت کو دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اور اس کا مہر مقرر نہ ہو اس کو متعہ کے کپڑے دینے واجب ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے معاشی و معاشرتی احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم انہیں سمجھو اور سمجھ کر ان پر عمل کرو۔ ف۴۷۶ یہاں سے پھر اصل موضوع یعنی مسئلہ جہاد کا بیان شروع کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں امور انتظامیہ اور

امورِ مصلحہ بیان کئے گئے ہیں مسئلہ جہاد کو دوبارہ ذکر کرنے سے پہلے ایک قدیم واقعہ بطور عبرت اور تخویف بیان فرمایا ہے۔ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ کا ہے۔ جب ان کو جہاد کا حکم ملا تو وہ گھروں سے بھاگ نکلے کہ کہیں وہ جہاد میں شریک ہو کر لقمۂ اجل نہ بن جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کردی اور وہ مرگئے۔ وہ نکلے تھے جان بچانے کے لئے مگر یہ تدبیر ان کے کام نہ آئی جس موت سے بھاگے تھے اسی کا لقمہ بن گئے۔ ھو قوم من بنی اسرائیل دعاھم ملکھم الی الجھاد فھربوا حذر الموت فاماتھم اللہ تعالیٰ ثمانیۃ ایام ثم احیاھم (ابوالسعود ج ۲ ص ۲۲۲) ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اللہ نے پھر انہیں زندہ کردیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرلیں اور انہیں یقین ہوجائے کہ خدا کی قدرت کے سامنے کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ واقعہ نقل کرکے مسلمانوں کو ڈرسنایا کہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں کیونکہ موت تو بہرحال آئے گی۔ جہاد سے بھاگ کر موت سے کوئی نہیں سکتے ۴۷۷ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ایسے احکام نازل فرماتا ہے جن میں لوگوں کا فائدہ ہو مگر وہ ان احکام کو پامال کرتے ہیں اور ان کی قدر نہیں کرتے۔ اب آگے حکم جہاد کا اعادہ فرمایا ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ خطاب امت محمدیہ سے ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور ان اسرائیلیوں کی طرح بزدلی نہ دکھاؤ جو موت کے ڈر سے گھر چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سنتا ہے۔ اس لئے اسے معلوم ہے کون تم میں سے دوسروں کو جہاد کی ترغیب دیتا ہے اور کون جہاد سے متنفر کرتا ہے اور وہ دل کے بھید جانتا ہے۔ اس لئے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کون دین کی خاطر جہاد کرتا ہے۔ اور کون مال غنیمت اور نیک نامی حاصل کرنے کی نیت سے جہاد میں شریک ہوتا ہے۔ ای ھو یسمع کلامکم فی ترغیب الغیر فی الجھاد وفی تنفیر الغیر عنه وعلیم بما فی صدورکم من البواعث والاغراض فان ذلك الجھاد لغرض الدین او لعاجل الدنیا (کبیر ص ۲۳۳ ج ۲) ۴۷۸ حکم جہاد کے بعد یہ جہاد فی سبیل اللہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے اور اللہ کو قرض دینے سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ والمراد النفقۃ فی الجھاد لانه لما امر بالقتال فی سبیل اللہ ویحتاج فیه الی المال حث علی الصدقۃ لیتھیا اسباب الجھاد (مدارک ص ۹۶ ج ۱) فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً اللہ کی راہ میں دیا ہوا تمہارا مال ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اصل استحقاق سے کہیں زیادہ تمہیں اس کا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ جہاد میں خرچ کرنے کی وجہ سے دولت کی کمی کا خطرہ محسوس نہ کرو۔ کیونکہ دولت کی کمی بیشی اور رزق کی فراخی و تنگی تو خدا کے اختیار میں ہے جب اس نے دولت دی ہے تو اسے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ وہ تمہیں اور زیادہ دیگا پہلے خرچ کرنے پر ثواب آخرت کا وعدہ فرمایا۔ اور یہاں دنیا میں وسعتِ رزق کی امید دلائی۔ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ انجام کار خدا کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے اور تم سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے خدا کی دی ہوئی دولت کہاں کہاں خرچ کی وہاں ایک ایک پائی کا حساب

اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے ۴۷۳ پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر
فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ
اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات ۴۷۴ ف۲ اور اللہ
عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
زبردست ہے حکمت والا اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیواسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق
حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ
لازم ہے پرہیزگاروں پر ۴۷۵ ف۳ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے
اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا
ع ٣١ ٧ ١٥
اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو ف۳ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو نکلے
مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ
اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا
لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ ۴۷۶ پھر ان کو زندہ کردیا بیشک اللہ فضل
فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۴۷۷ ف۴ ف۲
وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ
اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بے شک خوب سنتا
عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
جانتا ہے کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض ۴۷۸
فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَ
پھر دوگنا کردے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کردیتا ہے اور

منزل ۱

[حاشیہ:] ۴۷۳ یہ آیت منسوخ نہیں ... بلکہ بعد ... ۴۷۵ ... ۴۷۶ ... مضمون جہاد کی تمہید ... جہاد سے جی چرانے والوں کی ... ۴۷۸ مضمون جہاد کے بعد انفاق ... کا ذکر

موضح قرآن ف۱ یہ حکم جب تھا کہ مردے کے اختیار پر رکھا تھا وارثوں کو دلوانا۔ اب جو سب کے حصے اللہ صاحب نے ٹھہرا دیئے عورت کا بھی ٹھہرا دیا اب مردے کا دلوانا موقوف ہوا۔ ف۲ پہلے خرچ فرمایا تھا یعنی جوڑا دینا اس طلاق پر کہ مہر نہ ٹھہرا ہو اور ہاتھ نہ لگایا ہو۔ یہاں سب پر حکم فرمایا سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا بہتر ہے اور اس پہلی کو ضرور ہے۔ ف۳ یہاں حکم نکاح و طلاق کے تمام ہوئے ف۴ پہلی امت میں ہوا کہ کئی ہزار شخص گھر بار لیکر اپنے وطن کو چھوڑ نکلے ان کو ڈر ہوا غنیم کا اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا وبا کا اور یقین نہ ہوا تقدیر کا۔ ایک منزل پر پہنچ کر سارے مرگئے۔ پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں یہاں اس واسطے فرمایا کہ جہاد سے جی چھپانا عبث ہے موت نہیں چھوڑتی ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی بیکنی غیر برآوردن ۱۲ ف۲ یعنی نکاح بطور شرع ۱۲ ف۳ مترجم گوید ایں آیت نزدیک جمہور منسوخ است بہ آیت اربعۃ اشھر وعشرا واللہ اعلم ۱۲ ف۴ مترجم گوید ایشاں قومی از بنی اسرائیل بودند کہ از ترس وبا بصحرا رفتند و آنجا بغضب الٰہی یکبارہ ہلاک شدند و بار دعا حزقیل علیہ السلام زندگانی یافتند۔ واللہ اعلم ۱۲

ہوگا۔ اس لئے اب وقت ہے اپنی دولت کو خدا کے پسندیدہ مصارف میں خرچ کرلو جن میں سب سے بہتر مصرف جہاد ہے۔ ۴۷۹ف بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ترغیب الی الجہاد کے لئے ذکر فرمایا ہے۔
نیز اس واقعہ سے یہ سبق دیا کہ جہاد امیر اور اطاعت امیر کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ اور جس نبی کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد
حضرت شموئیل علیہ السلام ہیں۔ قال ابو عبیدۃ ھو اشمویل بن حنۃ بن العاقر وعلیہ الاکثر (روح ص ۱۶۶ ج ۲) اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا غلبہ ہوچکا تھا انہوں نے بنی اسرائیل کے کئی علاقوں
پر قبضہ کرکے ان کو وہاں سے نکال دیا تو قوم کے شرفاء اور اصحاب الرائے نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے ایک امیر مقرر فرمائیں تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں دشمنانِ
دین سے جہاد کریں۔ ۴۸۰ف حضرت شموئیل علیہ السلام کو یقیناً بنی اسرائیل کی گذشتہ تاریخ اور ان کی سابقہ کج روی کی روایات معلوم تھیں اس لئے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر بات کہو۔ ایسا نہ ہو کہ

يَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ
وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ول کیا نہ دیکھا تونے ایک جماعت
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ
بنی اسرائیل کو موسیٰ کے بعد جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے
ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ
مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں ۴۷۹ف پیغمبر نے کہا کیا
عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ
تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو ۴۸۰ف
قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ
وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو
اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا ان کو
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾
لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے ۴۸۱ف اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ
اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو
مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ
بادشاہ ۴۸۲ف کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم
اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ
زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش
الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ
مال میں ۴۸۳ف پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ

وقف لازم

ترغیب الی الجہاد

تمہارے اصرار پر تم پر جہاد فرض کردیا جائے اور پھر تم جہاد کرنے سے پس و پیش کرنے لگو اور بزدل بن جاؤ۔ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم جہاد نہ کریں جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال بے گھر کردیا گیا ہے اور ہمیں اپنے بیٹوں سے جدا کردیا گیا ہے یعنی ایک طرف تو جہاد کے متعلق خدا کا حکم ہوگا اور دوسری طرف یہ صورت حال ہے تو اب اس سے بڑھ کر جہاد کا اور کیا محرک ہوسکتا ہے۔ ۴۸۱ف مگر وہی کچھ ہوا جس کا حضرت شموئیل علیہ السلام کو اندیشہ تھا۔ شروع میں تو ان لوگوں نے بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کیا مگر دشمن کی تعداد، اس کی شان و شوکت اور اس کا لاؤ لشکر دیکھ کر ان میں سے اکثر ہمت ہار بیٹھے۔ ہزاروں میں سے صرف تین سو تیرہ ثابت قدم رہے۔ ۴۸۲ف یہ ما قبل کی تفصیل ہے۔ یہاں سے اس واقعہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے کہ کس طرح ان پر قتال فرض ہوا اور کس طرح انہوں نے اس حکم سے روگردانی کی۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کے سامنے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا امیر لشکر مقرر کیا ہے لہٰذا تم اس کی اطاعت کرو اور متحد ہوکر اس کی کمان میں جہاد کرو۔ ۴۸۳ف حضرت شموئیل علیہ السلام کا یہ اعلان سنتے ہی دولت مند اسرائیلی بول اٹھے اور تعجب اور حیرت سے کہنے لگے کہ طالوت جو ایک غریب اور مفلس آدمی ہے اسے ہم پر امارت اور ریاست کا کس طرح حق حاصل ہوسکتا ہے جبکہ ہم دولتمند اور اہل ثروت قوم میں موجود ہیں۔ نیز طالوت نہ تو سبط نبوت یعنی لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے ہے اور نہ سبط مملکت یعنی یہودا کی اولاد سے کیونکہ طالوت حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے چھوٹے بیٹے بنیامین کی اولاد سے تھا۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں ہم امیر بننے کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ استفہام اظہار تعجب و حیرت کے لئے ہے۔ اس سے ان کا مقصد پیغمبر کی تکذیب و تردید نہیں تھی۔ بلکہ اس انتخاب پر حیرت و تعجب مقصود تھا۔ والاستفہام حقیقی او للتعجب لا لتکذیب نبیہم والانکار علیہ فی رأیٖ (روح ص ۱۶۶ ج ۲) ۴۸۴ف اللہ کے پیغمبر نے ان کے شبہ کے تین طرح کے جواب دیئے (۱) یہ انتخاب انسانی نہیں بلکہ خدائی ہے۔ اس لئے جو حکمتیں اور مصلحتیں اس میں پوشیدہ ہیں۔ وہاں تک تمہارے سطحی ذہنوں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اسے بلا چون و چرا مان لو۔ (۲) تم نے جو امارت و سیادت کا معیار مقرر کیا ہوا ہے کہ امیر وہی ہوسکتا ہے جو دولتمند ہو اور خاندانِ امارت سے تعلق رکھتا ہو تو دراصل یہ کوئی معیار نہیں۔ ان دو صفتوں کی جگہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو دو ایسی خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کا امیر میں ہونا نہایت ضروری ہے اور جو ان پہلی دو صفتوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔

موضح قرآن ف اللہ کو قرض دے یعنی جہاد میں خرچ کرے اسی طرح فرمایا مہربانی سے اور تنگی کا اندیشہ نہ رکھے اللہ کے ہاتھ کشائش ہے۔ ف۲ بعد حضرت موسیٰ کے ایک مدت بنی اسرائیل کا کام بنا رہا پھر جب ان کی نیت بری ہوگئی ان پر غنیم مسلط ہوا۔ جالوت بادشاہ کافر نے ان کے اطراف کے شہر چھین لئے اور لوٹا اور بندی پکڑ لے گیا وہاں کے بھاگے لوگ شہر بیت المقدس میں جمع ہوئے حضرت شموئیل پیغمبر سے چاہا کہ کوئی بادشاہ با اقبال مقرر کردو کہ بغیر سردار با اقبال ہم لڑ نہیں سکتے۔

بَسۡطَةً فِي الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِيۡ مُلۡكَهٗ
فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا
مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمۡ
جس کو چاہے اور اللہ ہے فضل کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ٢٤٤ ف اور کہا بنی اسرائیل سے
نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ
ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق
فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ
کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو
اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ
چھوڑ گئی تھی موسیٰ اور ہارون کی اولاد اٹھا لاویں گے اس صندوق کو فرشتے ٤٨٥ بیشک
ع ٣٢ ١٦
فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿٢٤٨﴾ ع
اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو ف
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ
مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ
تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے ٤٨٦ سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ
مِنِّيۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيۡۤ اِلَّا مَنِ
میرا نہیں ٤٨٧ اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی
اغۡتَرَفَ غُرۡفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا
بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں
مِّنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۙ
نے ان میں سے ٤٨٨ پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے اس کے ساتھ

ایک علم دوسری جسمانی طاقت۔ یہ دونوں خوبیاں تم سب سے بڑھ کر طالوت میں موجود ہیں (۳) حکومت اور امارت خدا کے اختیار میں ہے اور تمام بندے بھی اسی کے مخلوق و مملوک ہیں اس لئے وہ جسے چاہتا ہے امارت و سیادت سے سرفراز فرماتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ **۴۸۵** جب اسرائیلیوں نے طالوت کی امارت پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تو حضرت شمویٔل علیہ السلام نے حکم الٰہی سے اعلان فرمایا کہ طالوت کے من جانب اللہ امیر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تابوت سکینہ جو کبھی تمہارے پاس تھا مگر فلسطینی اسے تم سے چھین کر لے گئے تھے جس میں تمہارے لئے اطمینان قلب کا سامان ہے اور اس میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے باقیماندہ تبرکات ہیں وہ تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ جب سے فلسطینی وہ تابوت چھین کر لے گئے وہ چین سے نہ بیٹھے کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا رہے۔ آخر تنگ آکر اس صندوق کو بیل گاڑی پر لادا اور اسے چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرشتوں کو متعین کر دیا جو بیلوں کو ہانک کر بنی اسرائیل کے علاقے میں لے آئے۔ (کذا فی البحر المحیط ص۲۶۳ ج۲ وتفسیر ابن کثیر ج۱ ص۳۰۲) لیکن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے اس صندوق کو ہوا میں اڑا کر لائے تھے۔ اور لا کر طالوت کے سامنے رکھدیا۔ تمام لوگ یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ قال ابن عباس جاءت الملائکۃ تحمل التابوت بین السماء والارض حتی وضعتہ بین یدی طالوت والناس ینظرون (ابن کثیر ص۳۰۳ ج۱) سَکِیۡنَةٌ یعنی سکون واطمینان کا باعث اور سبب، سے مراد تورات ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کا ایک نسخہ بطور تبرک اس صندوق میں محفوظ کیا ہوا تھا۔ بوقت جہاد اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے جس سے بنی اسرائیل کے دل مطمئن رہتے تھے۔ وھو التوراۃ المودعۃ فیہ بناءً علی ما مر من ان موسیٰ علیہ السلام اذا قاتل قدمہ فتسکن الیہ نفوس بنی اسرائیل (ابو السعود ص۲۴۳ ج۲) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بقیہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ تبرکات مراد ہیں اور اس کا عطف سکینہ پر تفسیری ہے۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمۡ یعنی اس طریقہ سے تابوت کے واپس آجانے میں تمہارے لئے ایک دلیل اور نشانی ہے۔ جو طالوت کی امارت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر خدا پر تمہارا ایمان ہے تو اطمینان کے لئے یہ دلیل کافی وشافی ہے۔ **۴۸۶** جس فوج کو طالوت لیکر دشمن کے مقابلہ میں نکلے تھے ان میں کچھ مخلص تھے مگر اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اخلاص کی خوبیوں سے محروم تھے اور اتنی بڑی فوج جو ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل تھی اس میں منافقین بھی ہوں گے اس لئے ضروری تھا کہ منافقین اور مخلصین میں امتیاز کیا جائے اور میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی غیر مخلصین کو الگ کر دیا جائے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی جنگ میں موجودگی ہمیشہ نقصان کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس لئے راستہ میں واقع ہونیوالے ایک دریا کے ذریعے انکا امتحان کیا گیا۔ **۴۸۷** یہ امتحان کی تفصیل ہے یعنی جو شخص اس میں سے پیٹ بھر کر پانی پی لے گا وہ میرے ساتھیوں اور رفیقوں میں سے نہیں ہے۔ اور وہ میرے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکیگا۔ نفی صرف رفاقت کی کی ہے۔ ان کو ایمان سے خارج قرار دینا مقصود نہیں ای لیس بمتصلٍ بی ومتحد معی فی ھٰذہ الحرب ولم یخرجھم (قرطبی ص۲۵۲ ج۳) وَمَنۡ لَّمۡ یَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ۔ اور جس نے پانی کو نہ چکھا وہ میرے ساتھیوں میں سے ہوگا۔ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةًۢ بِیَدِهٖ اصل حکم تو یہی تھا کہ اس پانی میں سے کوئی چکھے تک نہیں مگر ساتھ رخصت دیدی کہ اگر کوئی ایک ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے تو مضائقہ نہیں مگر پیٹ بھر پانی پینے کی اجازت نہیں معناہ الرخصۃ فی اغتراف الغرفۃ بالید دون الکرع (مدارک ص۹۰ ج۱)

موضح قرآن ف طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی اور کسب کرتا تھا ان کی نظر میں وہ حقیر لگا نبی نے کہا کہ سلطنت حق کسی کا نہیں ہے اور بڑی لیاقت ہے عقل اور بدن کی کشائش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبر کو ایک عصا بتایا کہ جس کا قد اس کے برابر ہو سلطنت اس کو ہے اس کے برابر قد اسی کا آیا۔ ف اس قوم میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے حضرت موسیٰ اور ہارون کے لڑائی کے وقت سردار کے آگے لے چلتے اور دشمن پر حملہ کرتے تو اس کو آگے دھر لیتے پھر اللہ فتح دیتا۔ جب بدنیت ہوگئے وہ صندوق ان سے چھینا گیا غنیم کے ہاتھ لگا اب جو طالوت بادشاہ ہوا وہ صندوق خود بخود رات کے وقت اس کے گھر کے سامنے آموجود ہوا سبب یہ کہ غنیم کے شہر میں جہاں رکھا تھا ان پر بلا پڑی پانچ شہر ویران ہوئے تب ناچار انہوں نے دو بیلوں پر لاد کر ہانک دیا پھر فرشتے بیلوں کو ہانک کر یہاں لے آئے۔

۴۸۸ موسم چونکہ گرمی کا تھا اور انہیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا الّا یہ کہ تھوڑے لوگوں نے جو ۳۱۳ تھے اللہ کے حکم کا احترام کیا اور پانی نہ پیا یا بس ایک چلو پر ہی اکتفا کیا جس کی اللہ نے اجازت دی تھی۔ ۴۸۹ اکثر مفسرین کا خیال ہے والذین آمنوا سے وہ مومن مراد ہیں جنہوں پانی نہیں پیا تھا کیونکہ صرف انہی طالوت کیساتھ دریا کو عبور کیا تھا۔ اور جنہوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا تھا وہ تو اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ فوج کے ساتھ مارچ کر سکیں اسلئے وہ وہیں رہ گئے واکثر المفسرین علی انہ انما جاوز معہ النھر من لم یشرب جملۃ (قرطبی ص۲۵۵ ج۳) لیکن دریا عبور کرنے کے بعد جب ان لوگوں کا دشمن کی فوج سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے بتقاضائے بشریت کمزوری دکھائی۔ دشمن فوج کا سردار جالوت بڑا قوی ہیکل شہ زور اور بہادر تھا اور اس کی فوج ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی جو سارے کے سارے جنگی ساز و سامان سے لیس تھے اسلئے بعض مسلمانوں نے یہ منظر دیکھ کر کہدیا کہ جالوت اور اسکے لشکر سے لڑنے کی ہم میں تو طاقت نہیں کیونکہ وہ ہمارے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں اور سامان جنگ کے اعتبار سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ۴۹۰ ظن یہاں یقین کے معنوں میں ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے والظن ھنا بمعنی الیقین (قرطبی ص۲۵۵ ج۳) یظنون ای یستیقنون (روح ص۱۷۱) یعنی ان میں سے جو لوگ اصحاب عزم پختہ ایمان والے تھے۔ جب انہوں نے یہ صورتحال دیکھی تو مسلمانوں کو سمجھانے لگے کہ فتح و شکست کا مدار فوج اور سامان کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ یہ معاملہ تو خدا کے اختیار میں ہے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی چھوٹے چھوٹے لشکروں کو محض اپنی مدد اور توفیق سے بڑی بڑی فوجوں پر فتح دی ہے اس لئے تم ہمت مت ہارو اور جم کر استقلال کے ساتھ دشمن سے لڑو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہاری قلت کے باوجود تم کو دشمن کی کثیر فوج پر فتح دیگا۔ واللہ مع الصبرین کیونکہ وہ صبر استقلال کا دامن تھامنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ ۴۹۱ برزوا کے معنی ہیں صاروا فی البراز وھو الفسیح من الارض المتسع (قرطبی ص۲۵۵ ج۳) یعنی وہ جب کھلے میدان میں جالوت اور اسکے لشکر کے سامنے ہوئے تو چونکہ دشمن کی فوج ۹۰ ہزار اور بروایتے تین لاکھ سواروں پر مشتمل تھی اور مسلمان صرف ۳۱۳ تھے اس لئے انہوں نے گڑ گڑا کر نہایت ہی عاجزی اور تضرع سے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں صبر و استقلال اور ثابت قدمی عطا کرنا اور کافروں کی فتح پر ہمیں فتحمند فرمانا فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی مدد فرمائی چنانچہ انہوں نے اللہ کی توفیق و نصرت سے ان کو شکست دیدی اس واقعہ میں یہ جملہ معنوی ہے یعنی ان کی قلت کے باوجود اللہ نے ان کو کثیر لشکر پر فتح دی اس لئے تم بھی اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد کرو۔ ۴۹۲ داؤد سے حضرت داؤد بن ایشا پیغمبر مراد ہیں اور حکمت سے مراد نبوت ہے یا عام ہے۔ جو حکومت و سلطنت کیلئے ضروری دانائی اور نبوت کو بھی شامل ہے اور مما یشاء ان تمام جنگی اور صنعتی علوم و فنون کو شامل ہے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے تھے فلسطینی عمالقہ کا سردار جالوت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی حکومت دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا اور مختلف علوم و فنون سکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ابھی کمسن نوجوان تھے۔ اور اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہ طالوت کی فوج میں پہلے شامل نہیں تھے البتہ انکے سات بڑے بھائی شریک جہاد تھے۔ یہ تو محض لڑائی دیکھنے کیلئے وہاں چلے گئے لیکن جب وہاں پہنچے تو جالوت اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کر رہا تھا۔ بنی اسرائیل میں سے جب کوئی اسکے مقابلے میں نہیں نکل رہا تھا تو حضرت داؤد نے ایک پتھر سے اس کا کام تمام کر دیا (قرطبی ص۲۵۷ ج۳ وغیرہ) ۴۹۳ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکومتوں کے انقلابات اور فتح و شکست کی تکوینی مصلحت و حکمت بیان فرمائی ہے کہ جب کسی قوم یا حکومت کی طرف سے دوسروں پر ظلم و ستم اور جبر و تشدد کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ظلم و تشدد کو ختم کرنیکے لئے دوسری قوم کو کھڑا کر دیتا ہے اور اس طرح ظلم و تعدی اور شر و فساد سے زمین کو بچا لیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور ظالم و جابر کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تو زمین شر و فساد کا گہوارہ بن کر رہ جاتی۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ لیکن دنیا والوں پر اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ وہ ایسے انقلابات سے عدل و انصاف اور امن و سکون کو قائم و دائم رکھے ہوئے ہے۔ ۴۹۴ یہ جملہ معترضہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے یعنی گذشتہ واقعات کا صحیح صحیح علم جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ سچے پیغمبر ہیں کیونکہ ان کا علم وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نبہ اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الایات التی تقدم ذکرھا لا یعلمھا الا نبی مرسل (قرطبی ص۲۶۲ ج۳) حیث تخبر بتلک الایات وقصص القرون الماضیۃ واخبارھا علی ما ھی علیہ من غیر مطالعۃ کتاب ولا اجتماع باحد یخبر بذلک (روح ...)

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ

تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی ۴۸۹

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن

کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا

فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ

تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے ۴۹۰

وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَ

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ف اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور

جُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ

اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور

ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر

الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ

قوم پر ۴۹۱ پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا

دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ

داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو

مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

جو چاہا ۴۹۲ اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے

لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

تو خراب ہو جاتا ملک ۴۹۳ لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر ف

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بیشک ہمارے رسولوں میں ہے ۴۹۴ ف

موضح قرآن ف طالوت کے ساتھ نکلنے کو سب تیار ہوئے ہوس سے اس نے تقید کیا کہ جو شخص جوان اور بے فکر ہو وہی نکلے ایسے بھی اسی ہزار نکلے اس نے چاہا کہ ان کو آزمائے ایک منزل پانی نہ ملا بعد اس کے ایک نہر ملی اس نے تقید کیا کہ ایک چلو سے زیادہ جو کوئی پیوے وہ میرے ساتھ نہ آوے تین سو تیرہ آدمی رہ گئے باقی سب موقوف ہوئے۔ ف تین سو تیرہ آدمیوں میں حضرت داؤد کے باپ اور ان کے چھ بھائی تھے۔ ان کو راہ میں

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ
یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے
مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ
کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے ف٩٥ اور
اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
دیئے ہم نے عیسےٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ
القدس یعنی جبرئیل سے ف٩٦ اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں
بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ
کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس (توحید کے) واضح دلائل ف٩٧ لیکن
اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ قف وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ
اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے
مَا يُرِيْدُ ۝٢٥٣ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا
جو چاہے ف٩٨ اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ
ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جسمیں نہ خرید و فروخت
وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ
ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش ف٩٩ کیونکہ جو کافر ہیں وہی ہیں
الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٥٤ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ
ظالم (مشرک)، ف١ اللہ اس کے سوا کوئی عبادت (پکار) ف١ کے لائق نہیں (وہی ہے) زندہ سب

ع ٥/٣٣ ١

سا تمہید برائے علت ثانیہ قتال ١٢

سٹ قتال کی علت ثانیہ (ابتلاء) ١٢

سٹ ذکر مضمون انفاق بار پنجم ١٢

سٹ ذکر دعوای توحید نفی شفاعت قہری بار دوم ١٢

ھ سات دلیلوں پر توحید کی پہلی عقلی دلیل ١٢

ف٩٥ امام رازی امام ابو مسلم سے ناقل ہیں کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلیہ کے لئے ہے۔ پہلے اللہ نے اسرائیلیوں اور عیسائیوں کی کجروی اور کج بحثی کا ذکر کیا۔ چنانچہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہم کو خدا کی ذات کا آنکھوں سے مشاہدہ کرا دو اور بت پرستوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود مقرر کردو (یہ مطالبہ سورہ اعراف ع ١٦ میں جو پہلے نازل ہو چکی تھی مذکور ہے) اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کرنا حضرت شمویل سے امیر مقرر کرنے کا مطالبہ کرنے کے بعد طالوت کی امارت پر اعتراض کرنا وغیرہ۔ یہ تمام واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام بڑی شان اور بزرگی والے تھے۔ ان کی قوموں کا رویہ آپ نے دیکھ لیا۔ لہٰذا اگر آپ کی قوم بھی قیام معجزات اور وضوح دلائل کے باوجود ایمان نہیں لاتی تو اس پر غمگین اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمام انبیاء اور اقوام عالم میں اللہ کا دستور یہی ہے (من الکبیر ملخصاً صد ١٥٤ ج ٢) حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کی تمام نوری، ناری اور خاکی مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ البتہ ان کے درجات باہم متفاوت ہیں۔ ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت حاصل ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں۔ آگے اس کی تمثیل ہے۔ من کلم اللہ سے حضرت موسےٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ جن سے اللہ نے کوہ طور پر بلا واسطہ کلام فرمایا اور رفع بعضھم درجت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ المکلم موسیٰ علیہ السلام (قرطبی صد ٢٦٤ ج ٣، مدارک صد ٩٩ ج ١) والمراد ببعضھم ھنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما ینبئ عنہ الاخبار بکونہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم (روح صد ٢ ج ٣، مدارک قرطبی)

ف٩٦ بینات سے معجزات اور انجیل کی آیات واضحہ مراد ہیں۔ روح القدس اور تائید کی تفسیر رکوع ١١ میں گذر چکی ہے۔ امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ بعض انبیاء کو بعض پر جزوی فضیلت ہے۔ لیکن تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم ہیں۔ اجمعت الامۃ علی ان بعض الانبیاء افضل من بعض وعلی ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم افضل من الکل (کبیر صد ١٥٤ ج ٢)

ف٩٧ اگر اللہ چاہتا تو وہ دین حق کے واضح ہو جانے کے بعد تمام لوگوں کو توحید پر قائم رکھتا اور ان میں اختلاف واقع نہ ہونے دیتا اور اس طرح جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آتی۔ ولکن اختلفوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اللہ نے لوگوں سے اختیار چھین کر ان کو توحید قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ کیونکہ جبری ایمان مطلوب نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرتا تو ثواب و عقاب کا سلسلہ خدا کی حکمت بالغہ کے سراسر منافی اور بالکل بے معنی ہوتا۔ نیز اس طرح ابتلاء اور آزمائش کی حکمت فوت ہو جاتی۔ جو رسالت و نبوت کا اصل مدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیج کر اور ان کے ذریعے ایمان و توحید کا راستہ دلائل و بینات سے واضح فرما کر بندوں کا امتحان کیا کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اس لئے اللہ نے بندوں پر جبر نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اختیار دیا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار اور پسند کے مطابق حق و باطل میں سے کوئی ایک راستہ منتخب کریں۔ اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی نے ایمان اور توحید کی راہ اختیار کی اور کسی نے شرک و کفر کا راستہ لیا۔ ولو شآء اللہ ما اقتتلوا حضرت شیخ نے فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الخ

موضح قرآن ف١ یعنی عمل کا وقت ابھی ہے۔ آخرت میں نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

ہے پس اس جملے کا اعادہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اس پر مرتب ہوسکے۔ یہ اعادہ، اعادہ لبعد العہد کے قبیل سے ہے۔ لوگوں میں دین کا اختلاف اور پھر اس اختلاف کی بناء پر جنگ وقتال یہ سب کچھ خدا کے تصرف و اختیار سے باہر نہیں۔ اگر وہ چاہتا تو اس اختلاف اور باہمی قتال کو روک سکتا تھا۔ مگر اس نے چاہا کہ لوگوں کو ایک راہ پر چلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بلکہ انہیں موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار سے جونسی راہ چاہیں اختیار کریں۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وجوب اور مشروعیت قتال کی ایک علت وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ میں بیان ہوچکی ہے اور یہ مشروعیت قتال کی دوسری علت ہے یعنی اگر اللہ چاہتا تو جہاد و قتال کے بغیر ہی سب لوگوں کو دین حق اور توحید پر متفق کردیتا۔ لیکن اس نے بندوں کے ابتلاء وامتحان کے لئے ان پر قتال واجب کردیا ہے۔ ان آیات کا خلاصہ ربط یہ ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ سے مشروعیت جہاد کی علت بیان فرما کر تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ الآیۃ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بیان کی کیونکہ ان مذکورہ واقعات کی خبر آپ کو نہ تھی۔ یہ سب کچھ آپ وحی من جانب اللہ کے ذریعے بتا رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ کے ذکر مبارک کی مناسبت سے اسکے بعد تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ میں باقی انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا سے يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ تک میں قتال کی دوسری علت بیان فرمائی۔ یعنی ہم نے تمام رسولوں کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی اور بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ لیکن اس تفاوت درجات کے باوجود ان سب کا دین ایک تھا اور سب نے اپنے اپنے وقت میں دلائل وبیّنات سے دین توحید کو واضح فرمایا مگر ان کے بعد پچھلے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا۔ کچھ توحید پر قائم رہے اور کچھ توحید کو چھوڑ کر شرک کرنے لگے یہاں تک کہ نوبت جنگ وقتال تک پہنچی اگر اللہ چاہتا تو تمام مشرکوں کو خود ہلاک کردیتا یا ان کو ایمان اور توحید قبول کرنے پر مجبور کردیتا تو جہاد وقتال کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ابتلاء اور آزمائش کے لئے قتال واجب کردیا۔ ۴۹۸ اس کا ہر فعل اس کے اپنے ارادے کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کا فعل نہ کسی دوسرے کے ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے۔ اور امر بالقتال سے اس کا ارادہ بندوں کی آزمائش ہے کہ کون قتال و جہاد میں حصہ لیتا ہے اور کون نہیں لیتا۔ امر بالقتال اور ترغیب الی الجہاد کے بعد آگے پھر پانچویں بار جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم ہے۔ ۴۹۹ یعنی نیکی کمانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع اس دنیا

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ
کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑ سکتی اسکو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور

مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا
زمین میں ہے ۵۰۰ ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر

بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ
اجازت سے (وہی) جانتا ہے جو کچھ ان (سفارش کرنیوالوں) کے روبرو ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے ۵۰۱

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ
اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ
گنجائش ہے اس کی کرسی (علم اور قدرت) میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اسکو

حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی
تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا زبردستی نہیں

الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ
دین کے معاملہ میں ۵۰۲ بیشک جدا ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے اب جو کوئی انکار

بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
کرے غیر اللہ (کے معبود ہونے) سے اور یقین لائے (صرف) اللہ (کی عبادت) پر تو اس نے پکڑ لیا

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ
حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں ۵۰۳ اور اللہ سب کچھ سنتا

عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ
جانتا ہے ف اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا ۵۰۴ نکالتا ہے ان کو

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا
اندھیروں سے روشنی کی طرف ۵۰۵ اور جو لوگ کافر ہوئے

منزل ۱

ف۱ ذکر قتال چھٹی بار ۱۲

ف۲ قانون اول برائے مومنین ۱۲

ف۳ قانون ثانی برائے مشرکین ۱۲

موضح قرآن ف ۔ یعنی جہاد کرنا یہ نہیں کہ زور سے اپنا دعویٰ قبول کرواتے ہیں بلکہ جس کام کو سب نیک کہتے ہیں اور کرتے نہیں وہی کرواتے ہیں۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی حجت اسلام ظاہر شد پس گویا جبر کردن نیست اگرچہ فی الجملہ جبر باشد ۱۲

ہی میں ہے ۔ دنیا میں کی ہوئی نیکی اور دنیا میں دی ہوئی خیرات ہی آخرت میں کام آئے گی ۔ آخرت میں نہ تو تجارتی کاروبار ہوگا کہ عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ کی رقم کما لے ۔ نہ وہاں دوست کام آئیں گے اور نہ ہی کسی کی سفارش کام آسکے گی۔ یہاں اس شفاعت کے نافع ہونے کی نفی ہے ۔جس کے مشرکین قائل تھے یعنی شفاعت قہری ۔ والکفرون ھم الظلمون ٥ یہاں واؤ تعلیلیہ ہے ۔مطلب یہ کہ جہاد میں خرچ کرو۔کیونکہ یہ کافر مشرک ہیں اور شرک کو دنیا سے مٹانا ہے ۔ اللہ کے مقرر کئے ہوئے اصُول عقائد اور آئینِ حیات کو نہ ماننے والے ہی اصل ظالم ہیں۔ جو خدا کی نا فرمانی سے اپنی جانوں پر ظلم کرکے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔

أُولِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ

ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے

إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا

اندھیروں کی طرف ف۵۰۸ یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ

خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

رہیں گے ف۵۰۹ ف۱ کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے

فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ

اس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اسکو سلطنت ف۵۱۰ جب کہا ابراہیم نے میرا رب

الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ

وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ف۵۰۹ وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ف۱ کہا

إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

ابراہیم نے کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَ

اب تو لے آ اسکو مغرب کی طرف سے ف۵۱۰ تب حیران رہ گیا وہ کافر اور

اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ

اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو ف۲ یا نہ دیکھا تو نے اس

عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ

شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر ف۲ ف۵۱۱ بولا

أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ

کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے ف۵۱۲ پھر مردہ رکھا اس

اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ

شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر یہاں رہا

ع ۳۴ / ۲ / [illegible]

ف۱ متعلقہ متفرع بر قانون ثانی ۱۲

ف۲ دوسرا قصہ متفرع بر قانون اول ۱۲

ف۵۰۸ یہاں دعویٰ توحید کا دوبارہ اعادہ کیا گیا ہے اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہاں اعادہ دعویٰ سے مقصد شفاعت قہری کی نفی ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد جو اللہ کے پیارے اور برگزیدہ پیغمبر تھے وہ ہمیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے اور ہمارے حق میں خدا کو ان کی سفارش ماننی پڑے گی تو مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اللہ کے سوا کوئی کارساز اور فریادرس نہیں۔جس کو پکارا جائے یا جس کی تعظیم اور رضا جوئی کے لئے نذریں نیازیں دی جائیں اسی طرح اس کے سامنے کوئی شفیع غالب بھی نہیں کہ دنیا وآخرت میں مصیبت کے وقت اس کی پناہ ڈھونڈھی جائے اور اسے سفارشی بنایا جائے۔ لہٰذا کسی کو شفیع غالب سمجھ کر نہ پکارا جائے۔ اس جگہ دعوائے توحید کا اعادہ ماقبل کی دلیل بھی ہے۔یعنی کافروں کے اصل ظالم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ شرک کرتے ہیں۔حالانکہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ دعوائے توحید پر یہاں چھ عقلی دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی دلیل الحیّ وہ زندہ ہے ایسا زندہ کہ زندگی اس کی صفت ذاتی ہے وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا۔ جس پر کبھی عدم نہیں آیا اور نہ ہی کبھی اس پر موت آئیگی جیسا کہ سورۂ فرقان میں ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ۔ دوسری دلیل القیوم وہ خود بھی قائم و دائم ہے۔ اور ہر چیز کو بھی اس نے سہارا دے رکھا اور قائم کر رکھا ہے وہ سب کا رازق اور نگہبان ہے۔ القائم الحافظ لکل شیٔ والمعطی لہ ما بہ قوامہ (روح ص۸ ج۳) تیسری دلیل لا تاخذہ سنۃ ولا نوم وہ ہر وقت خبردار اور بیدار رہتا ہے اور اپنی مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔
نوم انبیاء علیہم السلام کے بارے میں محدثین کرام

موضح قرآن ف۱ یعنی جہاد ہے کافروں کی ضد توڑنے کو ہدایت اللہ کرتا ہے جس کی قسمت میں رکھی ہے ۔ان کو شبہ آیا تو ساتھ ہی اس پر خبردار کر دیا ف۲ ایک بادشاہ تھا وہ اپنے تئیں سجدہ کرواتا تھا سلطنت کے غرور سے ۔حضرت ابراہیمؑ نے اسکو سجدہ نہ کیا۔ اس نے پوچھا انہوں نے کہا میں اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں ۔اس نے کہا رب تو میں ہوں ۔انہوں نے کہا میں رب حاکم کو نہیں کہتا ۔رب وہ ہے جو جلاوے اور مارے ۔اُسنے دو قیدی منگائے جسکو جلانا پہنچتا تھا مار ڈالا ۔جس کو مارنا پہنچتا تھا۔ چھوڑ دیا تب انہوں نے آفتاب کی دلیل سے اسکو لاجواب کیا۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی بستم مستحق کشتن را می گذارم وکسی را کہ مستحق کشتن نیست می کشم ۱۲ ف۲ آن شخص عزیر بود ۱۲

کا مسلک یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رات اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں بسر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا ادا کر کے حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لائے اور چار رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر سو گئے۔ رات کے آخری حصہ میں آپ بیدار ہوئے اور وضو فرما کر نماز تہجد، وتر اور فجر کی سنتیں ادا کیں۔ اس کے بعد پھر سو گئے۔ یہاں تک کہ مؤذن نے آپ کو اطلاع دی اور آپ نے جا کر نماز فجر ادا کی لیکن وضو نہیں فرمایا۔ اس موقع پر روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ فصلى في تلك الليلة ثلث عشرة ركعة ثم نام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نفخ وكان اذا نام نفخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلى ولم يتوضأ اور بعض روایتوں میں ہے ثم نام حتى سمعت غطيطه (صحیح مسلم ص۲۶۰ ج۱) اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عيني تنامان ولا ينام قلبي (جامع ترمذی وغیرہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا رہتا ہے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کا یہ واقعہ کئی راویوں نے بیان کیا ہے اور اس ایک ہی واقعہ کی تفصیلات بیان کرنے میں راویوں کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ حضرت شیخؒ نے اس واقعہ کے اکثر طرق نقل کر کے انکے باہمی اختلافات کی نشاندہی فرما دی ہے۔ ملاحظہ ہو آپ کی تصنیف تحریرات حدیث از ص۶۴ تا ص۶۶ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ نماز عشا کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت میمونہؓ کے گھر چار رکعت نماز ادا کی اور پھر آپ سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ ایک روایت میں سونے اور خراٹوں کا ذکر نماز تہجد اور صبح کی سنتوں کے درمیان کیا گیا ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ دونوں چیزیں صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان مذکور ہیں۔ اسی طرح بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس رات آپ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سوئے اور پھر اٹھ کر وضو فرمایا۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہر دو رکعتوں کے بعد نیند اور وضو کا ذکر

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ
بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا
مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا
يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً
سڑ نہیں گیا ف۱ اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا
لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا
لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑتے
ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ
ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت ف۱ پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
مجھ کو معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۱ اور جب کہا ابراہیم نے
رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن
اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ کیونکر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا
قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً
کہا کیوں نہیں لیکن اسواسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے ف۱ میرے دل کو۔ فرمایا تو پکڑ لے چار
مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ
جانور اڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ ف۱ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن
مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَ
کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے اور
اعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَّثَلُ الَّذِينَ
جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۲ مثال ان لوگوں کی جو

ع ۳۵ / ۳

ف۱ یعنی تصحیح مفرع برقالوں اول ۱۲

ف۲ ذکر مضمون انفاق یعنی بار (بیان تفصیل) ۱۲

موضح قرآن ف۱ یہ شخص حضرت عزیر تھے بخت نصر ایک بادشاہ تھا کافر بنی اسرائیل پر غالب ہوا۔ شہر بیت المقدس کو ویران کیا تمام لوگ بندی میں پکڑے گئے۔ تب حضرت عزیر اس شہر پر گذرے تعجب کیا کہ یہ شہر کیونکر آباد ہو۔ اسی جگہ انکی روح قبض ہوئی۔ سو برس کے بعد زندہ ہوئے۔ انکا کھانا اور پینا پاس دھرا تھا اسی طرح اور سواری کا گدھا مر کر ہڈیاں اسی شکل میں دھری تھیں وہ انکے روبرو زندہ ہوا۔ اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہوئے اور شہر پھر آباد ہو رہا۔ انہوں نے زندہ ہو کر آباد ہی دیکھا۔ ف۲ چار جانور لائے ایک مرغ ایک مور ایک کوا ایک کبوتر انکو اپنے ساتھ ہلایا۔ کہ پہچان رہے پھر ذبح کیا ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پر ایک پر دھڑ ایک پر پاؤں بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اسکا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں وہ دوڑتا چلا آیا اسی طرح چاروں آئے۔ فائدہ یہ تین قصے فرمائے اس پر کہ اللہ آپ ہدایت کرنیوالا ہے جس کو چاہے اگر شبہہ پڑے تو ساتھ ہی جواب بھیجے اب آگے پھر جہاد کا مذکور ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا۔

فتح الرحمن ف۱ یعنی عین الیقین می خواهم ۱۲

ندارد ہے۔ ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ بعض روایتوں میں فجر کی سنتوں کے بعد مطلق نیند اور خراٹوں کا ذکر ہے بعض میں اضطجاع (یعنی پہلو کے بل لیٹنا) اور بعض میں احتباء (یعنی گھٹنوں کو کھڑے کرکے دونوں ہاتھوں کا دائرہ بنا کر ان کے سہارے بیٹھنا) کا ذکر ہے۔

یہ واقعہ چوں کہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے اس لئے اس کی تفصیلات میں اس قدر متضاد اختلافات کا وجود ناممکن ہے۔ لیکن مختلف طرق میں غور و فکر سے تطبیق و ترجیح کی حسب ذیل صورت نظر آتی ہے۔ اصل روایت میں نیند اور خراٹوں کا ذکر صرف ان چار رکعتوں کے بعد ہے۔ جو نماز عشاء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر ادا کی تھیں لیکن بعض راویوں نے تہجد کے بعد یا فجر کی سنتوں کے بعد بھی اس کا ذکر کر دیا۔ اسی طرح اصل واقعہ میں یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتباء فرمایا۔ اور اسی حالت میں آپ کو خفیف سی نیند آگئی اور سانس نکلنے کی آواز سنائی دینے لگی جس کو راوی نے نفخ سے تعبیر کیا ہے اور نفخ ہی کو بعض راویوں نے غطیط یا خطیط (خراٹے) سے تعبیر کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ حافظ بدر الدین عینی فرماتے ہیں۔ نفخ بالخاء المعجمة ای من خیشومه وهو المعبر عنه بالغطیط (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ثانی صد ۲۵۵) اور اس طرح احتباء کی حالت میں نیند کسی کے حق میں بھی ناقض وضو نہیں۔ اصل بات تو یہ تھی۔ پھر اسی مفہوم کو بعض راویوں نے روایت بالمعنی کرکے ثم اضطجع فنام سے ادا کر دیا۔

باقی رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت تو اس کے الفاظ تو بظاہر قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بحالت خواب نیند سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بند ہو جاتی تھیں لیکن آپ کا دل ہمیشہ بیدار رہتا تھا لیکن درحقیقت یہ قاعدہ کلیہ نہیں تھا۔ بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اور قلب مبارک دونوں چیزیں نیند سے متاثر ہو جاتی تھیں اور بعض اوقات ایسا ہوتا کہ صرف آنکھیں نیند سے بند ہو جاتیں۔ لیکن دل بیدار رہتا۔ چنانچہ لیلۃ التعریس میں جس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ جب نیند کی وجہ آپ کی اور آپ کے ہم سفر صحابہ کی نماز فجر فوت ہو گئی۔ تو آپ نے از سر نو وضو کرکے نماز ادا فرمائی۔ اس واقعہ کی توجیہہ کرتے ہوئے بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ اس موقع پر آپ کی آنکھوں کے ساتھ دل پر بھی نیند طاری ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ وقت پر بیدار نہ ہو سکے اور اسی لئے آپ نے وضو کی تجدید فرمائی جیسا کہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک صد ۲۱۸۔ ج ۱ میں ہے۔ انه کان فی وقت ینام وفی وقت لا ینام فصادف الوادی نومه۔

سلطٰنه یہ چوتھی دلیل ہے زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کو اسی نے پیدا کیا اور سب کچھ اسی کے قبضہ اور اختیار و تصرف میں ہے۔ پھر کون ہے جو اس پر جبر کر سکے اور اس سے اپنی بات منوا سکے۔ من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه یہ پانچویں دلیل ہے۔ استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا اور نہ ہی اس کی مرضی کے خلاف کسی مجرم کو سفارش کرکے سزا سے بچا سکتا ہے۔ جیسا کہ عام مشرکوں کا خیال تھا کہ جن بزرگوں کو ہم پکارتے ہیں وہ ہمیں بخشوا لیں گے۔ اور خدا سے ہمارے تمام کام بھی کرا دیں گے۔ وفی ذالك تایيس للكفار حیث زعموا ان آلهتهم شفعاء لهم عندالله تعالیٰ (روح صد ۹ ج ۳)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شفاعت کا مسئلہ قرآن مجید میں مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ ع ۳۴) کہیں فرمایا لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا (طٰہٰ ع ۶) کہیں ارشاد ہے اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (انبیاء ع ۲) کہیں فرمایا اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ (زخرف ع ۷) کہیں ارشاد ہے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (نباء ع ۲) ان کے علاوہ اور بہت سی آیتوں میں مسئلہ شفاعت مذکور ہے۔ ان تمام آیتوں کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ ان میں شفاعت قہری کی نفی کی گئی ہے۔ جس کے مشرکین معتقد تھے اور اس کے سوا شفاعت کی ایک اور قسم کا اثبات کیا گیا ہے یعنی شفاعت بالاذن پھر اس جائز شفاعت کی دو قسمیں ہیں ایک شفاعت فی الدنیا اور دوم شفاعت فی الآخرت۔ شفاعت فی الدنیا یعنی دنیا میں شفاعت مومن اور کافر دونوں کے لئے جائز ہے۔ مومن کے لئے دنیا میں شفاعت یہ ہے کہ اس کے گناہوں کی بخشش اور حق پر اس کی استقامت کے لئے دعا کرے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امر ہوا۔ وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم واستغفر لهم الله (توبہ ع ۱۲) اور کافر کے لئے شفاعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے راہ راست پر آجانے کی دعا کرے۔ لیکن یہ صرف اسی وقت تک جائز ہے جب تک اس کے دل پر مہر جباریت نہ لگ جائے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے دل پر مہر جباریت لگ چکی ہے۔ اس وقت اس کے حق میں دنیا میں شفاعت نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے فلما تبین له انه عدو الله تبرأ منه۔ باقی رہی آخرت میں شفاعت تو وہ قبل العلم مومنوں اور کافروں دونوں کے لئے جائز ہے۔ لیکن بعد العلم صرف مومنوں کے لئے جائز ہے اور کافروں کے لئے جائز نہیں۔ اور علم سے مراد یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مشفوع لۂ مومن ہے یا کافر۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن قبل العلم کافروں کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو فرشتے جہنم کی طرف لے جائیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی اصحابی پکار کر ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس پر اللہ کی طرف سے آپ کو جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں۔ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو جائیں گے اور پھر ان کی شفاعت نہیں کریں گے۔

ان آیتوں کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں پہلے شفاعت کرنے والوں کو باقاعدہ اذن دیا جائے گا کہ فلاں فلاں کے لئے شفاعت کرو تو قبول ہوگی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے (صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخرت میں شفاعت کبریٰ کا اذن ملنا ثابت ہے) اس لئے من اذن له اور لمن اذن له وغیرہ سے اذن کا متبادر مفہوم یعنی اجازت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دوسری آیتوں کی روشنی میں اس آیت میں مشفوع لۂ سے مراد مومن ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے الا من شهد بالحق۔ جس نے حق کی شہادت دی یعنی مومن۔ اس کی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ الا لمن ارتضیٰ جس کو خدا پسند کرے اور وہ صرف مومن ہی ہو سکتا ہے جن آیتوں میں بلا اجازت کلام کی نفی ہے۔ وہاں آخرت کی شفاعت مراد ہے۔ اور مشفوع لۂ صرف ایمان والے ہیں اور جن آیتوں میں کلام کی نفی کی گئی ہے ان میں دنیا کی شفاعت سے متعلق ہیں اور بعض آخرت سے اور بعض دونوں کی محتمل ہیں مسئلہ شفاعت کی پوری تحقیق سورۂ یونس کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ

یہ چھٹی دلیل ہے اور یہ محاورہ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا بیان مقصود ہے۔ یعنی وہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کے تمام ظاہر و باطن اور گذشتہ و آئندہ حالات و واقعات کو خوب جانتا ہے دلیل علی احاطة علمه بجميع الكائنات ماضيها وحاضرها ومستقبلها (ابن کثیر صد ۳۰۹ ج ۱) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ

مابین ایدیھم وما خلفھم میں ضمیر غائب من ذا الذی کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کو مشرکین اپنے شفعاء غالب سمجھتے تھے ولا یحیطون بشئ من علمہ اور اس کی مخلوق میں سے کوئی جن دبشر، کوئی پیغمبر یا کوئی فرشتہ اللہ کے معلومات میں سے کسی ایک چیز کی حقیقت اور کنہ کو بھی نہیں جانتا۔ ہاں جو تھوڑا بہت علم اللہ نے ان کو دیدیا ہے۔ اس سے آگے ان کے علم کی حدود نہیں بڑھ سکتیں۔ وسع کرسیہ السموات والارض کرسی سے یا تو اس کا حقیقی معنی مراد ہے لیکن اس کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا اس سے مراد علم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے یا یہ قدرت اور سلطنت سے کنایہ ہے۔ کرسیہ ملکہ وسلطانہ (معالم صہ ۲۲۰ ج ۱) اصل ادمن الکرسی السلطان والقدرۃ والملک (کبیر صہ ۴۷۰ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ اس کی قدرت اور حکومت پوری کائنات پر حاوی ہے۔ سب اس کے محکوم ومملوک ہیں اور کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں۔ ولا یؤدہ حفظھما زمین وآسمان کی حفاظت اور نگہبانی سے وہ تھکتا اور اکتاتا نہیں۔ یہ ساتویں دلیل ہے۔ وھو العلی العظیم ٥ وہ ہر چیز سے بلند تر اور بزرگ تر، ہر چیز اس کے سامنے ہیچ اور حقیر ہے۔ یہ آیت کریمہ آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی تمام آیتوں سے افضل ہے اس لئے کہ اس میں اللہ کی توحید اور اس کی صفات کا کامل اور جامع بیان ہے۔ آیت الکرسی کی ابتدا میں بھی حصر ہے۔ یعنی ھو الحی القیوم میں اور آخر میں بھی یعنی ھو العلی العظیم میں۔ کیونکہ دونوں جگہوں میں خبریں معرفہ ہیں اسلئے آیت کے باقی تمام حصے بھی حصر پر ہی محمول ہوں گے۔ کیونکہ یہ قانون ہے کہ کلام کے کسی ایک حصہ میں جب حصر ہو تو اس کے باقی حصے بھی حصر پر ہی محمول ہوتے ہیں ؎ یہ آیت جہاد سے متعلق ہے اور اس میں جہاد سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے یعنی جہاد کا مقصد یہ نہیں کہ کافروں کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ ہے کہ دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کیا جائے۔ اور کفار کو مومنوں کو جبراً کافر بنانے سے روکا جائے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ الی حتی لا یفتن مومن (مدارک) ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل پر جبر نہیں ہوسکتا کیونکہ دل اسی بات کو مانتا ہے۔ جسے وہ اپنے اختیار سے پسند کرتا ہے اس لئے اسلام میں کسی کو جبراً مومن بنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس طرح انسان مجبور ہو جائے گا۔ اور اس سے اس کا اختیار چھن جائے گا اور ابتلاء وامتحان کی حکمت فوت ہو جائے گی۔ نیز جبر کا مطلب تو یہ ہوتا ہے۔ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف ایسے فعل پر مجبور کیا جائے۔ جس میں فی نفسہ کوئی بہتری نہ ہو یا اگر ہو تو اس کو نظر نہ آتی ہو۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام سرتاپا خیر ہی خیر ہے۔ نیز اسلام کی راہ اس قدر واضح ہو چکی ہے کہ کفر کی راہ سے اس کا امتیاز بالکل آسان ہے۔ ادنی تامل سے اسلام کی خوبیاں اور کفر کی برائیاں سمجھ میں آسکتی ہیں اور انسان رضا ورغبت سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس لئے جبر واکراہ کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں اگر کوئی مسلمان عیاذاً باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف چلا جائے تو وہ چونکہ اسلام کا باغی ہے۔ اس لئے اسے دوبارہ اسلامی آئین قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تو اسے مسلمانوں کی جماعت میں شامل کر لیا جائیگا۔ ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ قد تبین الرشد من الغی یہ ماقبل کی علت ہے تعلیل صدر بکلمۃ التحقیق لزیادۃ تقریر مضمونہ (روح صہ ۱۳ ج ۳)

؎ حضرت عمرؓ، حسین بن علی، مجاہد اور قتادہ سے منقول ہے کہ طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ امام مالک اور امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہر معبود طاغوت ہے۔ وعن مالک بن انس کل ما عبد من دون اللہ تعالیٰ (روح صہ ۱۳ ج ۳) والصواب من القول عندی فی الطاغوت انہ کل ذی طغیان علی اللہ فعبد من دونہ اما بقھر منہ لمن عبدہ واما بطاعۃ ممن عبدہ انسانا کان ذالک المعبود او شیطانا او وثنا او صنما او کائنا ما کان من شئ (ابن جریر صہ ۱۲ ج ۳) اور العروۃ الوثقی سے مراد ایمان اور خالص توحید ہے بالعروۃ الوثقی قال مجاھد العروۃ الایمان (قرطبی صہ ۲۸۲ ج ۳) یعنی جس نے شیطان کا اتباع ترک کر دیا اور ہر غیر اللہ کی عبادت چھوڑ دی اور کفر وشرک سے توبہ کر کے خدائے واحد پر دل وجان سے ایمان لے آیا اس نے ایک ایسی مضبوط اور محکم کڑی کو تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گی۔ یہ مضبوط کڑی ایمان اور اسلام ہے۔ جسے تھام لینے کے بعد دنیا اور آخرت میں خدا کی راہنمائی اور دستگیری حاصل ہو جاتی ہے دل مطمئن ہو جاتا ہے اور تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے دو تکوینی قانون بیان فرمائے ہیں۔ پہلا قانون یہ ہے کہ اگر کسی وقت مومنوں کے دلوں میں توحید کے بارے میں کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً شبہات کے اندھیروں کو نور ہدایت سے دور فرما کر ان کے دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور دوسرا قانون یہ ہے کہ اگر کبھی کسی مشرک کے دل میں دلائل توحید کو دیکھ کر توحید کی طرف میلان سا پیدا ہو جاتا ہے تو جھٹ شیاطین ان کو شبہات کی الجھنوں میں ڈال کر ان کے راہ راست پر آنے کے امکان کو ختم کر دیتے ہیں۔ ؎ یہ پہلے قانون کا بیان ہے۔ ولی کے معنی ناصر اور مددگار کے ہیں۔ ظلمات سے کفر وشرک اور شبہات کے اندھیرے مراد ہیں اور نور سے مراد یقین وایمان کی روشنی ہے اور الذین آمنوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے متلاشی اور ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ والمراد بھم من اراد الایمان (روح صہ ۱۴ ج ۳)۔ یعنی جو لوگ حق کے طالب ہوں اللہ کی طرف انابت کریں اور ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا اور ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں کفر وشرک اور شکوک وشبہات کی الجھنوں سے نکال کر ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور اور دولت یقین سے مالامال کر دیتا ہے ؎ یہ دوسرا قانون ہے۔ لیکن جو لوگ ضد وعناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اختیار سے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ایمان کی توفیق چھین کر شیطانوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے جو ان کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دل شبہات کی سیاہی سے بالکل ڈھک جاتے ہیں اور ان سے فطری نور چھین لیا جاتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے۔ ؎ اولئک کا اشارہ الذین کفروا کی طرف ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے عناداً اور اختیاراً کفر قبول کیا ہے۔ وہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ نے تین قصے بیان فرمائے ہیں۔ جو ان دونوں قاعدوں پر لف ونشر غیر مرتب کے طور پر متفرع ہیں۔ ؎ یہ پہلا واقعہ ہے جو دوسرے قاعدے پر متفرع ہے۔ اور اس پر بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ضدی اور معاند آدمی کو وضوح حق کے باوجود قبول حق کی توفیق نہیں ملتی۔ جیسا کہ نمرود کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ٹھوس اور اطمینان بخش دلائل سے خدا کی توحید واضح کر کے اس پر حجت خداوندی قائم کر دی۔ مگر اس کے باوجود اس نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ وہ ضد وعناد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد سے محروم ہو چکا تھا۔ جس شخص سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا یہاں ذکر ہے۔ مفسرین نے اس سے نمرود مراد لیا ہے۔ جو اس زمانے کا بڑا ظالم وجابر اور سرکش بادشاہ تھا اور اپنے کو خدا کا اوتار سمجھتا تھا۔ ھذا الذی حاج ابراھیم فی ربہ وھو ملک بابل نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح (ابن کثیر صہ ۳۱۳ ج ۱، قرطبی صہ ۲۸۳ ج ۳) اَنْ سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہے۔ یعنی خدا کے بارے میں اس کے جھگڑنے کا سبب یہ تھا کہ خدا نے اس کو حکومت دی، اقتدار بخشا اور وہ نشۂ اقتدار سے مغرور ہو کر غرور کرنے لگا اور خدا کا شریک بن بیٹھا۔ لان اٰتاہ اللہ یعنی لان اٰتاہ الملک البطر والانہ

الکبر محتاج لذالک (مدارک ص ۱۰۲ ج ۱) ۵۱۰ إذ ظرف حاج کے متعلق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نمرود کے سوال کا جواب ہے۔ نمرود نے
سوال کیا تھا۔ کہ وہ رب کونسا ہے۔ جس کی توحید کی تو دعوت دیتا ہے۔ قالہ انتوقول لنمرود من ربک الذی تدعو الیہ؟ (روح ص ۱۴ ج ۳)
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں اللہ کی دو ایسی صفتوں کا ذکر کیا جو بالکل واضح تھیں اور جن کا روزمرہ کی زندگی میں نمرود بھی مشاہدہ کرتا تھا۔ یعنی زندہ کرنا (پیدا
کرنا) اور مارنا۔ موت وحیات خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے زندگی سلب کرلیتا ہے قال انا احی و امیت۔ اس
ضدی ملعون نے ان کے قول کو غلط مفہوم میں لیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالےٰ جس کو زندگی دیتا یا جس سے زندگی چھینتا ہے۔ وہ ظاہری اسباب ہی کے ذریعے ایسا کرتا ہے اور اسطرح ظاہری
اسباب کے ذریعے تو میں بھی ایسا کرسکتا ہوں۔ مثلاً جسے چاہوں معاف کردوں اور جسے چاہوں قتل کرادوں۔ نمرود خوب جانتا تھا کہ موت وحیات اس کے قبضہ میں نہیں۔ مگر محض ضد وعناد
اور ڈھٹائی کی بنا پر اس نے یہ جواب دیا۔ و انما اراد ان یدعی لنفسہ ھذا المقام عناداً ومکابرۃ۔ (ابن کثیر ص ۳۱۳ ج ۱) ۵۱۱ حضرت ابراہیم علیہ
السلام سمجھ گئے کہ وہ ضد اور ڈھٹائی پر تلا ہوا ہے۔ اس لئے فوراً ایسی دلیل پیش کردی جس کے سامنے وہ بالکل بے بس ہوگیا۔ اور اس کی ضد اور ڈھٹائی کی بھی پیش نہ چل سکی۔ جب حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا ان کی پہلی دلیل اس سرکش پر کارگر نہیں ہوئی تو فوراً دوسری دلیل پیش فرمادی۔ جس طرح طبیب حاذق جب دیکھتا ہے کہ مریض کو ایک نسخہ سے فائدہ نہیں ہوا
تو اس کیلئے دوسرا نسخہ تجویز کردیتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو اسے مغرب کی طرف سے نکال کر دکھا۔ فبھت الذی کفر۔ اس پر وہ
کافر بھگڑا لو حیرت زدہ ہوگیا اور اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ واللہ لا یھدی القوم الظلمین۔ جو لوگ ضد وعناد کیوجہ سے حق قبول نہیں کرتے اور اپنے لئے عذاب جہنم کا سامان مہیا کرتے ہیں ایسے ظالموں کو خدا ہدایت قبول کرنیکی توفیق نہیں
دیتا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں یعنی جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے توحید کی مخالفت کرتے ہیں اور اللہ کی طرف انابت نہیں کرتے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے اور وہ کسی صورت میں راہ راست پر نہیں آسکتے
۵۱۱ یہ دوسرا واقعہ ہے جو پہلے قاعدہ پر متفرع ہے اور او تنویعیہ ہے۔ یعنی دوسری نوع کے بیان کے لئے ہے۔ یہ قصہ پہلے قاعدہ پر متفرع ہے اور اس کی تمثیل ہے کہ جو
لوگ اللہ کی طرف انابت کرتے ہیں۔ حق وصداقت اور اطمینان باطن کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کس طرح ان کی دستگیری کرتا اور ان کے اطمینان کا سامان مہیا کرتا ہے۔ استشھاد
علی ماذکر من ولایتہ تعالیٰ للمومنین وتقریر لہ (ابوالسعود ص ۳۸۴ ج ۲) کالذی میں کاف تمثیل کے لئے ہے یعنی اس کے منجملہ شواہد میں سے ایک یہ
ہے۔ اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہوچکے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ پارہ دوم میں الم ترالی الذین خرجوا میں مذکور ہوا ہے کہ بعض مومنوں کو قتال نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
نے مار کر پھر زندہ فرمایا۔ یا کاف زائدہ ہے۔ الذی ھو کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ والمار ھو عزیر بن شرخیا کما اخرجہ
الحاکم عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ و اسحق بن بشر عن ابن عباس و عبد اللہ بن سلام والیہ ذھب قتادۃ وعکرمۃ و الربیع
والضحاک والسدی وخلق کثیر (روح ص ۲۰ ج ۳) اور قریہ سے مراد بیت المقدس ہے جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کردیا تھا۔ وقال عکرمۃ
والربیع ووھب ھی بیت المقدس وکان قد خربھا بختنصر وھذا ھو الاشھر (روح ص ۲۱ ج ۳، بحر ص ۲۹۱ ج ۲) ۵۱۲ انہوں
نے جب اس کی تباہی کا منظر دیکھا تو اظہار تاسف کے طور پر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی والوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔ مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان کے دوبارہ جی اٹھنے کا
یقین نہیں تھا بلکہ وہ کیفیت احیار کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ فاماتہ اللہ۔ تو اللہ تعالےٰ نے انہیں کیفیت احیار کا مشاہدہ کرانے کے لئے ان پر موت وارد کردی اور وہ پورے
سو سال اسی حالت میں زمین کے اوپر ہی پڑے رہے اور سو سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ قال کم لبثت یہ سوال وجواب احاطۂ صفات سے انکے
عجز کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے حالت موت کی مدت صرف ایک دن یا اس سے بھی کم بتائی یہ محض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا۔ سو سال کا عرصہ انہیں یک روزہ
خواب کی طرح معلوم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل و نہار اور انقلابات زمانہ سے بالکل بے خبر تھا۔ اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا
تو مدت کا وہ یہ تخمینہ بیان نہ کرتے بلکہ ان کو پوری مدت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا۔ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات
سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی انہیں بیرونی آوازیں سنائی دیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی
ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارکہ میں موجود نہیں رہتیں اور ان کی حیات دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی ہوتی ہے۔ ۵۱۳ یعنی تم تو پورے سو سال حالت موت میں رہے ہو۔
مگر دیکھو اس کے باوجود تمہارا کھانا پینا خراب نہیں ہوا۔ اس میں کسی قسم کا تغیر اور بو پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے۔ جس طرح آج سے سو سال پہلے تھا۔ وانظر
الی حمارک۔ الخ۔ حضرت عزیر علیہ السلام جب یہاں سے گذرے تھے اس وقت گدھے پر سوار تھے۔ آرام کرنے کے لئے گدھے کو وہاں چھوڑ کر لیٹ گئے۔ اور حالت نوم ہی میں ان کی
روح قبض کرلی گئی۔ ادھر گدھا بھی مرگیا اور اس اثنا میں اس کا گوشت پوست تو مٹی نے کھالیا۔ مگر ہڈیوں کا ڈھانچہ صحیح سلامت پڑا رہا۔ تو اللہ نے فرمایا اپنے گدھے کی طرف بھی دیکھو ہم اسے کس
طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ ہم تمہیں بعث بعد الموت یعنی دوبارہ جی اٹھنے پر لوگوں کے لئے دلیل اور برہان بنادیں۔ ولنجعلک ایۃ للناس ودلالۃ علی البعث بعد
الموت (قرطبی ص ۲۹۴ ج ۳) ۵۱۴ انشاز کے معنی ہلانے اور جنبش دینے کے ہیں۔ ہماری قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کرلو اور مشاہدہ کرلو کہ ہم کس طرح
گدھے کی ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر اور اس میں روح پھونک کر اسے دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دیکھتے دیکھتے ہی گدھے کو زندہ کردیا۔ ۵۱۵ علم سے
یہاں علم مشاہدہ اور معاینہ مراد ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت کا علم و یقین تو انہیں پہلے بھی حاصل تھا۔ مگر وہ علم شہود نہیں تھا۔ قال مکی انہ اخبر عن نفسہ عندما عاین من قدرۃ
اللہ تعالیٰ فی احیائہ الموتی فتیقن ذالک بالمشاھدۃ (قرطبی ص ۲۹۶ ج ۳) ۵۱۶ یہ واقعہ بھی پہلے قاعدہ پر متفرع ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
اگرچہ اللہ کی قدرت علی الاحیار کا پورا پورا یقین تھا۔ وہ اس کی کیفیت کا مشاہدہ کرکے مزید اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا۔ کیونکہ جو علم مشاہدہ سے
حاصل ہوتا ہے وہ بدیہی اور ضروری ہوتا ہے اور علم استدلالی سے زیادہ محکم اور پائیدار ہوتا ہے۔ معناہ بلی امنت ولکن لازید سکوناً وطمانیۃ بمضامۃ علم
الضرورۃ علم الاستدلال وتظاھر الادلۃ اسکن للقلوب وازید للبصیرۃ (مدارک ص ۱۰۳ ج ۱) لم یکن ابراھیم علیہ السلام
شاکاً احیاء اللہ الموتی قط وانما طلب المعاینۃ (قرطبی ص ۲۹۰ ج ۳) اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کہ کیا تمہیں میری قدرت علی الاحیار پر ایمان نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب کہ ایمان تو ہے۔ لیکن آنکھوں سے مشاہدہ کرکے مزید اطمینان چاہتا ہوں۔ اس سوال و جواب سے اسی حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ تاکہ سامعین میں سے کسی کو حضرت خلیل علیہ السلام کے ایمان کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ ۵۱۸ے صُرھن صاد یصور صورا سے امر ہے جس کے معنی ہلانے اور مائل کرنے کے ہیں یعنی چار پرندے لو اور انہیں اپنے ساتھ خوب مانوس کرلو اور ہلالو تاکہ بعد میں پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ المعنی املهن الیك ای اضممهن و اجمعهن الیك (قرطبی صہ ۳۰۱ ج ۳) ثم اجعل علی كل جبل منهن جزء۔ پھر انہیں ذبح کرکے اور ان کے ٹکڑے کرکے ان کے اجزاء کو قرب وجوار کے پہاڑوں پر رکھ دو۔ فقوله " الیك " علی تاویل الامالة و الضم متعلق بصرهن و فی الکلام متروك فاملهن الیك ثم قطعهن (قرطبی صہ ۳۰۱ ج ۳) ثم ادعهن یأتینك سعیا پھر انہیں اپنی طرف بلاؤ۔ تو وہ زندہ ہوکر صحیح سلامت دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے ۵۱۸ے یہ کیفیت دیکھ کر تمہیں علم شہود حاصل ہوجائے گا۔ کہ اللہ تعالٰے بڑا زبردست ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ مگر وہ کرتا وہی کچھ ہے۔ جو حکمت کے عین مطابق ہو اب آگے پھر انفاق فی سبیل اللہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا پہلے بھی بیان ہوچکا ہے۔ مگر پہلے جہاد کا مضمون زیادہ تھا اور انفاق کا کم تھا۔ اب یہاں سے انفاق کا مضمون تفصیل سے بیان ہوتا ہے۔ یہ تفصیل مثل الذین ینفقون سے لے کر ھم لا یظلمون تک چلی گئی ہے۔ یعنی پورے تین رکوعات پر مشتمل ہے۔ پہلے رکوع میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب بیان فرما کر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ریاکاری سے بچنے اور اخلاص کو اپنا معمول بنانے کا حکم دیا ہے۔ اخلاص اور ریاکاری کی مثالیں دے کر اخلاص کا اجر اور ریا کا برا نتیجہ واضح فرمایا ہے۔ دوسرے رکوع میں حلال اور طیب مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور تیسرے رکوع میں انفاق بطور قرض کی ایک مذموم اور ناجائز صورت سے منع فرمایا ہے۔

يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ

أَنۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِى كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّا۟ئَةُ حَبَّةٍ ۗ

اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے ۵۱۹ے

وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنیوالا ہے سب کچھ جانتا ہے

ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ لَا

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر

يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا۟ مَنًّا وَلَآ أَذًى ۙ لَّهُمْ أَجْرُهُمْ

خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں ۵۲۰ے انہی کیلئے ثواب انکا

عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے۔

۞ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ

جواب دینا نرم اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس

يَتْبَعُهَآ أَذًى ۗ وَٱللَّهُ غَنِىٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا

کے پیچھے ہو ستانا ۵۲۱ے اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل والا ف اے

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَ

ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور

ٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ

ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں

بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ

رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ۵۲۲ے سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی

۱ ترغیب اخلاص فی الانفاق ۱۲

۲ انفاق میں من و ریا سے اجتناب کا حکم ۱۲

۵۱۹ے یہ اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے۔ جسے ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے یعنی جو لوگ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک آدمی زمین میں ایک دانہ بو دیتا ہے۔ اس ایک دانہ سے سات شاخوں والا پودا پھوٹ نکلتا ہے۔ اور ہر شاخ پر ایک ایک خوشہ ہوتا ہے اور ہر خوشہ میں ایک سو دانہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک دانہ سے سات سو دانہ حاصل ہوا۔ تو جس طرح ایک دانہ زمین میں کاشت کرنے سے سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح خدا کی راہ میں خرچ کی ہوئی دولت کی ایک اکائی (پیسہ۔ آنہ۔ روپیہ وغیرہ) خدا کے یہاں سات سو گنا بڑھ جاتی ہے مثلاً ایک روپیہ خرچ کرنے سے سات سو روپیہ خرچ کرنیکا ثواب ملیگا۔ و اللہ یضاعف لمن یشآء۔ جہاد میں اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرنے والوں کو سات سو گنا ثواب تو ہر حال میں ملے گا لیکن اگر خرچ کرنے والے کا تقویٰ، اخلاص نیت اور مال کی طہارت اور پاکیزگی عام سطح سے بلند ہوگی تو اسے سات سو گنا سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔ ای بحسب اخلاصه فی عمله (ابن کثیر صہ ۳۱۰ ج ۱) المتصدق اذا کان صالحا و المال طیبا و یضعه موضعه فیصیر الثواب اکثر (قرطبی صہ ۳۰۳ ج ۳) و اللہ واسع علیم ○ وہ بڑی وسعت والا ہے اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ جتنا چاہے دے سکتا ہے اور وہ خرچ کرنے والوں کی نیتوں سے بھی آگاہ ہے

موضح قرآن ف ۔ یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کی بدخوئی پر درگذر کرنی بہتر ہے۔ اس سے کہ دیوے پھر اس کو بار بار جتا دے۔ یہ سمجھے کہ میں نے اللہ کو دیا ہے۔ اس کو کیا پروا ہے۔ مگر اپنا بھلا کرتا ہوں۔

اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ کون کتنے ثواب کا مستحق ہے۔ ۲۲۵ خرچ کرنے کی ترغیب اور خرچ کا ثواب بیان کرنے کے بعد اب ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جو مذکورہ بالا ثواب کے استحقاق کے لئے ضروری ہیں۔ مَنّ کے معنی احسان جتلانے کے ہیں اور اذی کے معنی تکلیف دینے کے ہیں اور اس سے مراد ہر وہ قول وفعل ہے جس سے متصدق علیہ (جس کو خیرات دی جائے) کو تکلیف پہنچے مثلاً اسے یہ کہے کہ "یار بڑا جھگڑالو ہے، چمٹ ہی گیا ہے چھوڑتا ہی نہیں"۔ "کیسا ہٹا کٹا ہے کماتا کیوں نہیں"۔ صدقہ کرنے کے بعد لینے والے سے کام کرانا بھی اذی میں داخل ہے۔ اس لحاظ سے احسان جتلانا بھی اذی میں داخل ہے۔ مگر احسان جتلانے کی بیماری چونکہ عام تھی۔ اس لئے اسے علیحدہ ذکر کیا۔ لھم اجرھم عند ربھم۔ یعنی جو لوگ صدقہ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی کسی اور طریقے سے سائل کو تکلیف دیتے ہیں صدقہ وخیرات کا ثواب صرف انہیں لوگوں کو ملتا ہے۔ کیوں کہ من اور اذی دونوں ایسی برائیاں ہیں کہ ان کی وجہ سے صدقہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں رہتا۔ اس لئے صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور اللہ کے یہاں سے اس کا کوئی اجر وثواب نہیں ملتا ۲۲۶ قول معروف سے مراد ہے سائل کو نرمی سے ٹال دینا اور مغفرۃ سے مراد یہ ہے کہ اگر سائل درشتی سے پیش آئے تو اس سے درگذر کیا جائے اور ناشائستہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ ای کلام جمیل یرد بہ السائل مثلا یرحمک اللہ و یرزقک اللہ انشاء اللہ تعالیٰ اعطیک بعد ھذا ومغفرۃ ای ستر لما وقع من السائل من الالحاف فی المسئلۃ وغیرہ مما یثقل علی المسئول وصفح عنہ (روح ص۳۴ ج ۳) واللہ غنی حلیم ○ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے تمہاری ہی اصلاح مقصود ہے اور وہ بردبار ہے۔ گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔

۲۲۷ اب یہاں نہایت تاکید کے ساتھ من اور اذی سے منع فرمایا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ من اور اذی سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ الذی ینفق سے مراد منافق یا مشرک ہے۔ وغالب المفسرین علی ان المراد بہ المنافق (روح ص ۳۵۔ ج ۳) رئاء۔ ینفق کا مفعول لہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک منافق ریاکار کی مثال دے کر ایمان والوں کو سمجھایا کہ جس طرح وہ منافق محض لوگوں کے دکھلاوے کے لئے خیرات کرتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان ہے اور نہ محاسبہ آخرت پر تو ظاہر ہے کہ رضائے الٰہی اور ثواب آخرت کی طلب کا تو اس کے دل میں کھٹکا تک نہیں ہو گا تو جس طرح اس ریاکار منافق کی خیرات بالکل رائیگاں اور اکارت ہے اور اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ اے ایمان والو! اسی طرح تم بھی اپنے صدقات

تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا

ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف ۲۲۸ کچھ

یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا

ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں

یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ

دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو ف ف اور مثال ان کی جو

یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور

تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ

اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر

اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ

پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ

یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

پڑا اس پر مینہ تو پھواری کافی ہے ۲۲۹ اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے ف ف

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ

کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا باغ کھجور اور

اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا

انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ

اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آ گیا اس پر بڑھاپا اور اس کی

ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ

اولاد ہیں ضعیف تب آ پڑا اس باغ پر ایک بگولہ جس میں آگ

ف۱ مثال برائے اخلاص فی الانفاق ۱۲

موضح قرآن ۔ ف۱ اوپر مثال فرمائی خیرات کی جیسے ایک دانہ بویا اور سات بالیں نکلیں سات سو دانے ملے یہاں فرمایا کہ نیت شرط ہے اگر دکھاوے کی نیت سے خرچ کیا تو جیسے دانہ بویا پتھر میں جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ پڑا وہ صاف رہ گیا اس بیں سے کیا اُگے گا۔ ف۲ مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور اوس سے مراد تھوڑا مال سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کا بہت ثواب اور تھوڑا بھی کام آتا ہے۔ جیسے خالص زمین پر باغ ہے جتنا مینہ برسے اسکو فائدہ ہے بلکہ اوس بھی کافی ہے اور نیت درست نہیں تو جسقدر زیادہ خرچ کرے ضائع ہے کیونکہ زیادہ مال دینے میں دکھاوا بھی زیادہ ہے۔ جیسے پتھر پر دانہ جتنا زور کا مینہ برسے اور ضرر کرے کہ مٹی دھو ئی جاوے۔

فتح الرحمٰن ف۱ مترجم گوید حاصل این مثل آنست کہ عمل منان ومرائی در دنیا می نماید کہ عمل است ودر آخرت حبط می شود ہیچ فائدہ نمی دہد چنانکہ بر سنگی خاک افتادہ باشد بظاہر چنان می نماید کہ قابل زراعت است وچون باران بارد محو شود واللہ اعلم ۱۲ ف۲ مترجم گوید حاصل این مثل آنست کہ عمل اہل اخلاص فائدہ بامید بہر از سابقین باشد یا از اصحاب یمین ۱۲

کومن اور اذی کے ذریعے باطل نہ کرو جس طرح اس ریاکار نے ریاکاری سے اپنا عمل باطل کردیا۔ ۵۲۵ فمثلہ کی ضمیر سے ریاکار خرچ کنندہ مراد ہے۔ صفوان کے معنی ہموار اور صاف پتھر وابل۔ شدید بارش اور صلد۔ وہ صاف پتھر جس پر کوئی گرد و غبار نہ ہو۔ جو شخص ریاکاری سے مال خرچ کرتا ہے۔ اس کے عمل کے رائیگاں اور بے نتیجہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ جس طرح ایک بالکل صاف اور نرم پتھر ہو اور اس پر معمولی سی مٹی ہو پھر اس پر سخت زور کی بارش ہو جائے تو وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اس پر مٹی کا ایک ذرہ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ یہی حال ریاکاروں کے غیر مخلصانہ اور ریاکارانہ اعمال کا ہے کہ وہ ریاکاری کے سیلاب میں بہ کر ضائع ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ لایقدرون علی شیء مما کسبوا ط وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کیا ہے۔ مگر آخرت میں کوئی چیز ہاتھ نہیں آئے گی۔ واللہ لایھدی القوم الکفرین جن کو اللہ نے عقل و بصیرت کی دولت دی مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالے ایمان کی توفیق چھین لیتا ہے اور انہیں ہدایت نہیں دیتا۔ ۵۲۶ ریاکاروں اور منافقوں کی مثال بیان کرنے کے بعد ان مومنین کے صدقات کی مثال بیان فرمائی جو محض اللہ کی رضا جوئی اور تزکیہ نفوس حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ابتغاء مفعول لہ ہے۔ تثبیتا اس پر معطوف ہے۔ من انفسھم میں من ابتدائیہ ہے۔ یعنی وہ اللہ کی رضا جوئی اور دل کے کامل یقین اور ایمان کی وجہ سے خرچ کرتے ہیں۔ وقال الشعبی والسدی وقتادۃ ایضا وابن زید وابو صالح وغیرھم وتثبیتا معناہ وتیقنا ای ان نفوسھم لھا بصائر فھی تثبتھم علی الانفاق فی طاعۃ اللہ تعالیٰ تثبیتا (قرطبی ص ۳۱۴ - ج ۳)۔ ربوۃ کے معنی ہیں ٹیلہ یعنی وہ جگہ جو دوسری زمین کی نسبت کچھ اونچی ہو۔ اور طل سے یہاں شبنم مراد نہیں۔ بلکہ ہلکی اور خفیف بارش مراد ہے۔ والطل المطر الضعیف المستدق من القطر الخفیف قالہ ابن عباس وغیرہ (قرطبی ص ۳۱۰ ج ۳) تمثیل کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے اور پورے ایمان و اخلاص کے ساتھ مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کے صدقات اس طرح پھولتے پھلتے اور بار آور ہوتے ہیں جس طرح ٹیلے پر ایک باغ ہو اور اس پر موسلا دھار بارش برسے تو اس باغ کے درخت دگنا پھل دیتے ہیں۔ اور اگر موسلا دھار بارش نہ ہو بلکہ خفیف بارش ہی پڑ جائے تو بھی وہ باغ کافی پھل دیتا ہے۔ اسی طرح اخلاص نیت سے کئے ہوئے صدقات کا اجر خدا کے یہاں کئی گنا ملتا ہے اگر اخلاص اعلیٰ درجہ کا نہ بھی ہو تو مطلق ایمان اور نیت کی درستی بھی صدقات کا ثواب بڑھانے کے لئے کافی ہے۔ واللہ بما تعملون

فَاحْتَرَقَتْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

تھی جس سے وہ باغ ۵۲۷ جل گیا۔ یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تاکہ تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ع ﴿۲۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ

غور کرو ۳۶ ع ۴ رکوع ۱ اے ایمان والو خرچ کرو

طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے

الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ

زمین سے ۵۲۹ اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو

لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا

حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ ۵۳۰ اور جان رکھو

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ

کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا ف۲ شیطان ڈراتا ہے تم کو تنگ دستی سے

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

اور حکم کرتا ہے فحشاء (بخل) کا ۵۳۱ اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش

مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ

اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے ف۳ عنایت کرتا ہے سمجھ

مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ

جس کسی کو چاہے۔ اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی

خَيْرًا كَثِيْرًا ط وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

خوبی ملی ۵۳۲ اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ۵۳۳

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ

اور جو خرچ کروگے تم خیرات یا قبول کروگے کوئی منت

ر ۱ ترغیب انفاق مال طیب ۱۲

ر ۲ منع از انفاق مال خبیث ۱۲

موضح قرآن ف۱ اب مثال فرمائی احسان رکھنے والے کی جو اپنی اچھی خیرات کو ضائع کرے۔ جیسے جوانی کے وقت باغ حاصل کیا تو قع سے کہ بڑی عمر میں کام آوے۔ عین کام کے وقت جل گیا۔ ف۲ یعنی خیرات قبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمایا ہو۔ حرام کا نہ ہو اور بہتر چیز اللہ کی راہ میں دیوے۔ یہ نہیں کہ بری چیز خیرات میں لگادے کہ لینے دینے میں آپ ویسی چیز قبول نہ کرے مگر ناچار ہو کر کیونکہ اللہ بے پرواہ ہے محتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے خوب سے خوب پسند کرتا ہے۔ ف۳ یعنی جب دل میں خیال آوے کہ مال خیرات میں دے ڈالوں تو میں مفلس رہ جاؤں اور ہمت آوے بیحیائی پر کہ اللہ کی تاکید سنکر پھر بھی خرچ نہ کرے تو جان لیوے کہ یہ شیطان کیطرف سے آیا اور جب خیال آوے کہ خیرات سے گناہ بخشے جاویں گے اور اللہ کے ہاں کمی نہیں جاہے گا تو اور دے کا تو جان کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا۔

فتح الرحمٰن ف۱ حاصل این مثل آنست کہ عمل منان و مرائی در وقت شدت احتیاج حبط شود چنانکہ بوستان این شخص در وقت شدت احتیاج بسوخت ۱۲

بصیرہ اس لئے وہ مخلص اور ریا کار کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ ۵۲۵ یہ ریا کاروں کے اعمال کے ضائع اور بے نتیجہ ہونے کی دوسری تمثیل
ہے یعنی ایک آدمی جو بوڑھا ہو چکا ہو اور روزی کمانے کے لائق نہ رہا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں جو ابھی کمانے کے قابل نہ ہوں۔ اس کا ایک کھجوروں اور انگوروں کا سرسبز و شاداب باغ
ہو اور اس کو بگولا جلا دے یعنی عین اس وقت وہ باغ جل کر تباہ ہو جائے۔ جب کہ مالک اس کے پھل کا سخت محتاج ہو۔ یہی ریا کاروں کے اعمال کا حشر ہو گا۔ کہ میدان حشر میں جب ان کی سخت ضرورت
ہوگی۔ وہ کام نہیں آسکیں گے۔ کیونکہ وہ تو دنیا ہی میں ریا کاری کے بگولوں سے جل کر راکھ ہو چکے ہوں گے۔ کذالک یبین اللہ۔ اللہ تعالےٰ اس طرح تمثیلات کے ذریعے اپنے احکام کھول کر بیان
کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو اور انجام سوچ کر کوئی قدم اٹھاؤ۔ ۵۲۶ یہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں حلال و طیب اور عمدہ چیزیں خرچ کرو۔ مال حرام اور نکمی اور بیکار چیزیں خدا کی راہ میں نہ دو۔
یہاں امر وجوب کے لئے ہے اور اس سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبیدہ سلمانی اور ابن سیرین سے منقول ہے۔ عن عبیدۃ السلمانی قال سالت علیا
کرم اللہ تعالیٰ وجھہ عن ھذہ الآیۃ فقال نزلت فی الزکاۃ المفروضۃ (روح ص ۳۹ ۔ ج ۳) فقال علی بن ابی طالب
وعبیدۃ السلمانی وابن سیرین ھی الزکاۃ المفروضۃ (قرطبی ص ۳۲۰ ۔ ج ۳) ما کسبتم سے مال تجارت اور ما اخرجنا لکم
من الارض سے زمین کی پیداوار مثلاً غلہ اور معدنیات وغیرہ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ جس طرح مال تجارت میں فرض ہے۔ اسی طرح زمین کی پیداوار میں بھی فرض ہے۔ والتفصیل فی کتب الفقہ
۵۲۷ لا تیمموا۔ تیمم "سے ہے۔ جس کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں یہ اصل میں لا تتیمموا تھا۔ ایک تا بطور تخفیف حذف کر دی گئی ہے۔ منہ تنفقون کے متعلق ہے اور یہ
تیمموا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے۔ ای لا تقصدوا الخبیث قاصدین الانفاق منہ اور ولستم باخذیہ تنفقون کی ضمیر سے حال ہے اور الخبیث سے
بیکار اور ردی چیز مراد ہے۔ الخبیث ای الردیٔ (روح ص ۳۹ ۔ ج ۳) یعنی ردی اور گھٹیا چیزیں خدا کی راہ میں دینے کا ارادہ تک مت کرو۔ اپنا حال ہی دیکھ لو اگر تمہیں تمہارے حقوق
کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی ردی چیز دے دی جائے تو تم اسے لینے کے لئے تیار نہیں ہو اور بطیب خاطر اسے قبول نہیں کرتے ہو تو پھر خدا کی راہ میں ایسی ناپسندیدہ چیزیں کیوں دیتے ہو۔ واعلموا ان
اللہ غنی حمید ○ اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں وہ ان سے بے نیاز ہے یہ احکام محض تمہاری بھلائی اور بہبود کے لئے نازل کرتا ہے۔ اور وہ صفات
کمال سے متصف ہے۔ اس لئے اس کامل کے نام پر عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ تر چیزیں قربان کرو۔ نہ کہ گھٹیا اور بے کار چیزیں۔ ۵۲۸ یعد۔ وعد" سے مشتق ہے اور وعد اصل لغت کے اعتبار سے
خیر و شر دونوں میں مستعمل ہے۔ یہاں بقرینہ مابعد شر کے لئے ہے اور اس کے معنی تخویف یعنی ڈرانے کے ہیں اور الفحشاء ہر بری خصلت کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں اس سے بخل مراد ہے۔ ای الخصلۃ
الفحشاء وھی البخل وترک الصدقات (روح ص ۴۰ جلد ۳) المراد بھا فی ھذا الموضع البخل (جصاص) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فحشاء سے یہاں
بخل مراد ہے اور باقی اکثر جگہوں میں اس سے زنا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر مال خرچ کریں گے تو دولت کم ہو جائے گی اور مفلس ہو جاؤ گے۔ اس قسم کے وسوسے ڈال کر
بخل اور کنجوسی پر اکساتا ہے۔ واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا۔ لیکن اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مال خرچ کرنے پر گناہوں کی معافی اور دولت میں اضافہ کا وعدہ فرماتا ہے۔ واللہ واسع علیم ○ اللہ تعالیٰ وسعت
والا ہے وہ خرچ کرنے کی ہمت اور خرچ کرنے پر فراخی عطا کرتا ہے۔ اور وہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے اسے معلوم ہے کہ کون خرچ کرتا ہے اور کہاں اور کس نیت سے خرچ کرتا ہے۔ والمراد ھنا انہ سبحانہ وتعالیٰ
یعطی من سعۃ ویعلم حیث یضع ذالک ویعلم الغیب والشھادۃ (قرطبی ص ۳۲۹ ۔ج ۳) ۵۲۹ حکمت سے مراد دین و دنیا کی صحیح سمجھ ہے جو ہر قول اور عمل میں انسان کی صحیح راہنمائی کرے
قال مجاھد الاصابۃ فی القول والفعل (قرطبی ص ۳۳۰ ج ۳) وعن مجاھد انھا الاصابۃ فی القول والعمل (روح ص ۴۱ ج ۳) دولت کو صحیح مصارف میں خرچ کرنے اور دیگر اعمال و اقوال
میں ہر لحاظ سے صحیح اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی سمجھ اور ملکہ اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی نعمت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ ایک ایسی دولت ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان دینی اور دنیوی فوائد
حاصل کر سکتا اور دونوں قسم کے نقصانات سے بچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمت کو خیر کثیر فرمایا۔ ۵۳۰ پند و نصیحت سن تو ہر کوئی لیتا ہے مگر اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جنکو اللہ نے حکمت اور عقل دی۔ ۵۳۱ تم جو صدقہ کرتے
ہو خواہ فرضی ہو خواہ نفلی۔ اللہ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اسی طرح تم جو نذریں مانتے ہو۔ خواہ وہ اللہ کی تعظیم و رضا کے لئے ہوں خواہ غیر اللہ کی تعظیم اور خوشنودی کیلئے۔ اللہ ان سے بیخبر نہیں سب کو جانتا ہے اور
ہر ایک پر اسکے مطابق جزا دے گا۔ وما انفقتم من نفقۃ فی سبیل اللہ او فی سبیل الشیطن او نذرتم من نذر فی طاعۃ اللہ او فی معصیۃ فان اللہ یعلمہ لا یخفی علیہ وھو مجازیکم
علیہ (مدارک ص ۱۰۶ ۔ ج ۱) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نذر کے دو معنی آتے ہیں ایک معنی مشہور جس کا صلہ علیٰ آتا ہے۔ دوسرا معنی عہد و پیمان کرنا جس کا صلہ الیٰ ہوتا ہے یہاں معنی ثانی مراد ہے تاکہ حدیث کی مخالفت
لازم نہ آئے کہ نذر سے بخیل کا مال خرچ کرایا ہوتا ہے لہٰذا معنی یوں ہونگے کہ تم جو عہد و پیمان کرتے ہو کہ تم خدا کے واسطے دو گے لہٰذا عہد پورا کرو اور مال دو۔ ۵۳۲ خدا کے احکام کو ٹھکرا کر اپنے حق میں ناانصافی اور ظلم کرنیوالوں کا کوئی
مددگار نہیں جو انہیں اس ظلم کے بدانجام یعنی عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ بذریعہ طاقت نہ بذریعہ سفارش ای اعوان ینصرونہ من باس اللہ تعالیٰ لا شفاعۃ ولا مدافعۃ (روح ص ۴۳ ج ۳) ظالمین کا لفظ عام
ہے تمام ریا کار خیرات کر کے احسان جتلانے والے۔ اللہ کی راہ میں گھٹیا چیزیں دینے والے۔ ناجائز مصارف میں دولت خرچ کرنیوالے بخلاف شریعت نذریں منتیں ماننے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنیوالے وغیرہ سب ہی میں شامل
ہیں۔ فیشمل المنفقین بالریاء والمن والاذی والمتحرین للخبیث فی الانفاق والمنفقین فی باطل والناذرین فی معصیۃ والممتنعین عن اداء ما نذروا فی حق والباخلین بالصدقۃ
مما اتاھم اللہ تعالیٰ من فضلہ (روح ص ۴۳ ج ۳) ۵۳۳ صدقات سے یہاں جمہور کے نزدیک نفلی صدقات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اگر نفلی صدقات علانیہ غریبوں کو دیئے جائیں تو یہ بھی اچھا ہے کیونکہ اس سے
دوسروں کے دلوں میں بھی خیرات کا جذبہ بیدار ہوگا۔ اور اگر نفلی صدقات پوشیدہ طور پر مستحقین کو دے دیئے جائیں تو یہ علانیہ دینے سے بہتر ہے کیونکہ اس طرح عمل ریا کاری سے محفوظ رہتا ہے لیکن اعمال مفروضہ مثلاً زکوٰۃ۔ صوم
رمضان اور فرض نماز کا اظہار بہتر ہے۔ تاکہ ترک فرض کے الزام سے محفوظ رہے۔ والمراد من الصدقات علی ما ذھب الیہ جمھور المفسرین صدقات التطوع (روح ص ۴۴ ج ۳) ذھب جمھور المفسرین

الی ان هذه الاية فی صدقة التطوع لان الاخفاء فيها افضل من الاظهار وكذالك سائر العبادات الاخفاء افضل فی تطوعها لانتفاء الرياء عنها وليس كذالك
الواجبات قال الحسن اظهار الزكوة احسن واخفاء التطوع افضل (قرطبی ص ۳۳۲ ج ۳) القول الاول وهو قول الاكثرين ان المراد منه صدقة التطوع قالوا
لان الاخفاء فی صدقة التطوع افضل والاظهار فی الزكاة افضل (كبير ص ۵۱۹ ج ۲) ويكفر عنكم من سيأتكم ان نیکیوں کی برکت سے اللہ تمہاری خطائیں معاف کردے گا۔
واللہ بما تعملون خبير ○ اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب خبیر وبصیر اور حاضر وناظر ہونے کے نظریے کو بار بار دہرایا ہے کیونکہ گناہوں سے بچنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور اکسیری نسخہ یہی ہے ؎۵۳۴ بعض
مسلمان اس خیال سے اپنے کافر رشتہ داروں کو صدقہ نہیں دیتے تھے کہ شاید تنگدستی اور مفلسی کی وجہ سے ایمان لے آئیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ انکو صدقہ دیا کرو۔ باقی رہی انکی ہدایت تو تم اسکے ذمہ دار نہیں ہو۔ وہ اللہ کے اختیار میں ہے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰ اِنْ
تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے ؎۵۳۳ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ف ؎۵۳۴ اگر
تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا
ظاہر کرکے دو خیرات ؎۵۳۵ تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ
وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ
اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا
عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۷۱
کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ف۲
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو
يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا
چاہے ؎۵۳۴ اور جو کچھ خرچ کروگے تم مال سو اپنے ہی واسطے ؎۵۳۵ جب
تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
تک کہ خرچ کروگے اللہ ہی کی رضا جوئی میں اور جو کچھ خرچ کروگے
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۲ لِلْفُقَرَاۗءِ
خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا خیرات ان فقیروں
الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا
کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں ف۱ چل پھر نہیں سکتے
فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ
ملک میں ؎۵۳۶ سمجھے ان کو ناواقف مالدار انکے سوال نہ کرنے سے
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَ
تو پہچانتا ہے انکو ان کے چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور

جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ کان ناس من الانصار لهم قرابات من بنی قريظة والنضير وكانوا لا يتصدقون عليهم رغبة منهم فی ان يسلموا اذا احتاجوا فنزلت الاية بسبب اولئك (قرطبی ص ۳۳۳ ج ۳) ؎۵۳۵ تمہارے صدقات سے اگرچہ محتاجوں کو فائدہ پہنچتا ہے مگر یہ فائدہ دنیوی اور فانی ہے ان کا اصل فائدہ تو تم اٹھاؤ گے جب آخرت میں ان صدقات کا ثواب تمہیں ملیگا۔ وما تنفقون یہ لفظاً خبر ہے مگر معنیً نہی ہے یعنی تم اللہ کی رضا جوئی کے سوا کسی اور غرض مثلاً ریاکاری وغیرہ کے لئے خیرات مت کرو۔ الثانی ان هذا وان كان ظاهره خبرا الا ان معناه نهی ای ولا تنفقوا الا ابتغاء وجه الله (كبير ص ۵۲۲ ج ۲) وما تنفقوا۔ الخ۔ یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے اور اس میں اخلاص نیت کی ترغیب ہے مطلب یہ کہ اخلاص نیت سے تمہارا خرچ کیا ہوا مال رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ تمہیں اسکا پورا پورا اجر وثواب ملے گا اور تمہاری ذرہ بھر حق تلفی نہیں ہوگی۔

؎۵۳۶ للفقراء مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای هذه الصدقات للفقراء (مدارک ص ۱۰۷ ج ۱) یعنی ان صدقات کے اصل مستحق تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ مراد مجاہدین اور طالبان علوم دین ہیں جنہیں دین کے کاموں سے اتنی فراغت نہیں ملتی کہ وہ خود روزی کما سکیں۔ اصل میں یہ آیت اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ کم و بیش تین سو فقراء مہاجرین تھے جن کا کوئی کاروبار نہیں تھا یہ لوگ ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور علم دین حاصل کرتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے۔ يحسبهم الجاهل یہ فقیر اور محتاج مجاہد اور طالب علم چونکہ گداگری نہیں کرتے اور لوگوں سے بھیک نہیں مانگتے۔ اس لئے جو لوگ ان کے حال سے واقف نہیں ہیں وہ انہیں دولت مند سمجھتے ہیں۔ تعرفهم بسيمٰهم۔ سیما کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ اور الحاف کے معنی ہیں اصرار اور الحاح یعنی مانگنے میں ضد کرنا اور لئے بغیر نہ ٹلنا مطلب یہ ہے کہ ان کی مفلسی ان کے چہرے کی ظاہری حالت۔ ان کی عاجزی اور انکساری سے معلوم ہوسکتی ہے مگر وہ کسی سے ہرگز سوال نہیں کرتے۔ الحافا۔ سوالا محذوف کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے
کہ وہ الحاح واصرار سے سوال نہیں کرتے تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر بوقت ضرورت بغیر الحاح سوال کیا جائے تو جائز ہے جیسا کہ سورۃ توبہ کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ولا على الذين اذا ما اتوك لتحملهم قلت لا اجد ما

موضح قرآن ف۱ یعنی منت قبول کی تو واجب ہوگئی۔ اب ادا نہ کرے تو گنہگار رہے۔ نذر اللہ کے سوا کسی کی نہ چاہیئے۔ مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلاں شخص کو دوں تو مختار ہے۔ ف۲ اگر نیت دکھاوے کی نہ ہو تو خیرات کھلی بھی بہتر ہے کہ اوروں کو شوق آوے اور چھپی بھی بہتر ہے کہ لینے والا نہ شرماوے

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی بسبب اشتغال بجہاد کسب کردن نمی تواند ۱۲

أَجْلُكُمْ عَلَيْهِ (توبرع ۱۲) وما تنفقوا من خیر فان الله به علیم○ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے علم میں ہے وہ تمہیں اس کی پوری پوری جزا دے گا۔ ۳۵ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے ہر وقت اور ہر حال میں خیرات کرنے اور خدمت دین میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے لیل و نہار سے عموم اوقات اور سر و علانیہ سے عموم احوال مراد ہے لیل کو نہار پر اور سر کو علانیہ پر مقدم کرکے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ صدقہ میں اخفار اور چھپا کر دینا افضل و بہتر ہے۔ المراد باللیل والنہار جمیع الاوقات کما ان المراد بما بعدہ جمیع الاحوال وقدم اللیل علی النہار والسر علی العلانیۃ للایذان بمزیۃ الاخفاء علی الاظہار (روح ص ۴۸ ج ۳) ۳۶ یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے کسی کو قرض حسنہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں اگر کسی کو قرض دیتے ہیں تو وہ بھی سود پر۔ یہ ان لوگوں کیلئے زجر ہے جو دنیا میں سود لیتے ہیں قیامت کے دن ان کا حشر اس طرح ہوگا کہ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے حواس باختہ ہوں گے اور وہ اس شخص کی مانند دیوانہ وار لڑکھڑاتے ہوئے میدان حشر کی طرف چلیں گے جسے شیطان نے ہاتھ لگا کر دیوانہ کردیا ہو۔ قیامت کے دن میدان حشر میں سود خواروں کی یہ خصوصی علامت ہوگی جس سے ہر ایک انہیں پہچان لے گا اور یہ میدان حشر میں انہیں رسوا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ ولعل الله تعالى جعل ذالك علامة له يعرف بها يوم الجمع الاعظم عقوبة له كما جعل لبعض المطيعين امارة تليق به يعرف بها كرامة له (روح ص ۴۹ ج ۳) وقالوا كلهم يبعث كالمجنون عقوبة له وتمقيتا عند جميع اهل المحشر (قرطبی ص ۳۵۴ ج ۳) امام سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ شیطان کے مس سے جنون کا پیدا ہونا اطباء کی اس تحقیق کے خلاف نہیں ہے کہ جنون غلبہ سوداء سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ایک چیز کے کئی سبب ہوسکتے ہیں جنون کا سبب قریب تو غلبہ سوداء ہے مگر سبب بعید مس شیطان ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی کے اخلاط فاسدہ میں جنون پیدا کرنے کی استعداد اپنے کمال تک پہنچ جائے اور اسکے بعد مس شیطانی سے جنون بالفعل پیدا ہوجائے لیکن ضروری نہیں کہ ہر مس شیطانی موجب جنون ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہر جنون میں مس شیطانی کا دخل ہو (روح ص ۴۹ ج ۳) ۳۹ ذالک سے گذشتہ عذاب کی طرف اشارہ ہے ذالك العقاب (مدارک ص ۱۰۵ ج ۱) ذالك اشارة الى الاكل او الى مانزل بهم من العذاب (روح ص ۵۰ ج ۳) یہ انہیں اس جرم کی سزا دی جائے گی کہ انہوں نے تجارتی کاروبار اور سودی کاروبار کو یکساں قرار دیا۔ احل الله البيع وحرم الربوا۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں برابر نہیں ہیں۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے چنانچہ تجارت کو تو اللہ نے جائز اور حلال کیا ہے مگر ربا اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے جب ربا کی حرمت نازل ہوئی تو کافر سود خواروں نے اسکے جواب میں الزامی طور پر کہا کہ بیع بھی تو ربا ہی کی طرح نفع کمانے کا ایک طریقہ ہے لہٰذا اگر ربا حرام ہے پھر بیع و شراء کے ذریعے نفع کمانا بھی حرام ہونا چاہیئے۔ یہ انہوں نے الزاماً کہا حالانکہ انہیں کہنا یوں چاہیئے تھا کہ ربا بھی بیع ہی کی طرح ہے لہٰذا جس طرح بیع جائز ہے اسی طرح ربا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ ۴۰ حرمت سود نازل ہونے کے بعد جس نے سود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے توبہ کرلی اب گذشتہ گناہ پر اسکو مواخذہ نہیں ہوگا اور جو سود وہ لے چکا ہے اسے واپس کرنا ضروری نہیں جو لے چکا سو لے چکا ای مانقدم اخذہ قبل التحریم لایسترد منه (روح ص ۵۱ ج ۳) وامرہ الی اللہ۔ اور آخرت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے تو اسے معاف فرمادے۔

ع ۳۷ ۵

۱ زجر ان لوگوں کیلئے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے سود دیتے ہیں ۱۲۔

۲ تخویف اخروی ۱۲۔

۳ دوسرا کا مل ازالہ ہے ۱۲۔

۴ بشارت اخروی ان کے لئے جو سود نہیں لیتے بلکہ زکوٰۃ دیتے ہیں ۱۲

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾ الَّذِينَ

جو کچھ خرچ کروگے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے۔ ف جو لوگ

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

تو انکے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۳۸ جو لوگ کھاتے ہیں سود

لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن

مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ

نے لپٹ کر ۳۹ یہ حالت ان کی اس واسطے ہوئی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے

الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ

سود لینا ۴۰ حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو پھر جس کو

جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ

پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اسکے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا ۴۰

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ

اور معاملہ اسکا اللہ کے ف۱ حوالے ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے ف۲ تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے۔

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ف مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے

الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾ إِنَّ

خیرات کو ۴۱ اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے ف۳ جو

وقف منزل

وقف لازم

موضح قرآن ف۱ یعنی بڑا ثواب ہے ان کا دینا جو اللہ کی راہ میں اٹک گئے ہیں کما نہیں سکے اور اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت کے اصحاب تھے اہل صفہ گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت پکڑی تھی علم سیکھنے کو اور جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی حفظ قرآن کو یا علم دین میں مشغول ہو لوگوں کو لازم ہے کہ انکی مدد کریں۔ ف۲ یہاں تک خیرات کا بیان تھا آگے سود کو حرام فرمایا۔ جب خیرات کا نقید ہوا تو قرض دینا اولی ہے۔ قرض پر سود کا ہے کو لیا جائے یعنی منع سے پہلے جو لیا دنیا میں پھروانا نہیں پہنچتا اور آخرت میں اللہ کا اختیار ہے چاہے تو بخشے۔ باقی بعد منع کے جو کوئی لیوے وہ دوزخی ہے اور خدا کے حکم کے سامنے عقل لانی اسکی یہی سزا ہے جو فرمائی۔ ف۳ یعنی مال دار ہو کر محتاج کو قرض بھی مفت نہ دے جب تک سود نہ رکھ لے یہ نعمت کی ناشکری ہے۔

فتح الرحمٰن ف۱ یعنی سودے کہ قبل آیت تحریم گرفتہ باز گردانیدنش لازم نیست ۱۲ ف۲ یعنی بعد از تحریم ۱۲

ومن عاد فاولئك الخ. حرمتِ سود کے نزول کے بعد جو شخص پھر سود لینے لگے اور اسے جائز سمجھنے لگے تو اسکی سزا جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ نافرمانی کا کامل درجہ ہے. قرآن ہمیشہ کفر وایمان کے کامل درجے بیان کرتا ہے. جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون مسند احمد میں ہے کہ من لم یحکم کے معنی ہیں من لم یحققہ تو اس سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں عدم حکم کا کامل درجہ مراد ہے یعنی انکار اسی لئے اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا. ۵۴۱ محق کے معنی باطل کرنے اور گھٹانے کے ہیں والمحق النقص والذھاب (قرطبی صہ ۳۶۲ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ ربا سے کمائی ہوئی دولت میں برکت نہیں ہوتی اگرچہ مقدار میں وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو اور جس مال میں سود کی ملاوٹ ہو جائے گی اس کا انجام ضیاع ہو گا اور وہ مال کبھی نہ کبھی ضائع اور برباد ہو کر رہے گا یذھب ببرکتہ ویھلک المال الذی یدخل فیہ (مدارک صہ ۱۰۸ ج ۱) اسکے برعکس اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور خیرات دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور مال بڑھتا ہے. ینمیھا یزیدھا ای یزید المال الذی اخرجت منہ الصدقۃ ویبارک فیہ (مدارک صہ ۱۰۸ ج ۱) واللہ لا یحب کل کفار اثیم ○ کفار کا ذکر مبالغہ ہے یعنی جو لوگ سود کو حلال سمجھنے کے کفر عظیم کے مرتکب ہیں اور ساتھ ہی سودی کاروبار کے گناہ میں ملوث ہیں. اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا. عظیم الکفر باستحلال الربا متمادی الاثم باکلہ (مدارک صہ ۱۰۸ ج ۱) سود خوروں اور سود کو حلال سمجھنے والوں کو عذاب کی خوشخبری سنانے کے بعد آگے ان لوگوں کیلئے اجر آخرت کی خوشخبری کا بیان ہے. جو ایمان لانے کے بعد تمام بدنی اور مالی عبادتیں ادا کرتے ہیں اور سود لینا تو درکنار وہ اللہ کی راہ میں دل کھول کر مال خرچ کرتے ہیں. ۵۴۲ اس آیت کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے. ۵۴۳ قبیلہ ثقیف کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے بنو مغیرہ کو سود پر قرض دیا ہوا تھا. سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد ثقیف کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ نزول حرمت سے پہلے جو سودی معاہدے ہو چکے ہیں ان پر اس حرمت کا اطلاق نہیں ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کوئی سودی کاروبار کا معاہدہ نہ کیا جائے. اسی غلط فہمی کی بنا پر انہوں نے بنو مغیرہ سے سود کی رقوں کا مطالبہ کیا لیکن بنو مغیرہ نے یہ کہہ کر سود دینے سے انکار کر دیا کہ اسلام میں سود حرام ہو چکا ہے اور اسکی ادائیگی ساقط ہو چکی ہے. جب یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا. تو یہ آیت نازل ہوئی جب قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے یہ آیت سنی تو وہ فوراً اس مطالبہ سے دستکش ہو گئے. رضی اللہ عنہم وارضاہم (قرطبی صہ ۳۶۳ ج ۱، روح صہ ۵۳ ج ۳، کبیر صہ ۵۴۰ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ جو ربا تم پہلے لے چکے ہو اسکی واپسی کا تم سے اسلام مطالبہ نہیں کرتا لیکن جو ربا قرضداروں کے ذمہ باقی ہے اسے لینے کی اجازت نہیں. ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ خدا کے حکم کے سامنے گردنیں جھکا دو اور اسکی نافرمانی سے باز آجاؤ. ۵۴۴ سود خوروں کیلئے یہ وعید شدید اور زبردست زجر ہے یعنی اے سود خوارو! اگر تم سود لینے سے باز نہیں آتے تو تمہیں خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اب ان سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ. چونکہ اسلامی حکومت کا سربراہ احکام شریعت اور آئین اسلام نافذ کرنے میں خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے اسلئے سود خوروں سے جنگ کو عملی جامہ پہنانا اس کا فرض ہے اگر سود خور سود کو حلال سمجھتے ہیں تو وہ مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے خدا کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھ لیا اسلئے بوجہ ارتداد ان سے جنگ کی جائے اور اگر انہوں نے سود کو حلال تو نہیں سمجھا لیکن سود لینا ترک نہیں کیا تو وہ اسلامی حکومت کے آئین کے باغی ہیں اسلئے بوجہ بغاوت ان سے جنگ لازم ہے. فان لم تفعلوا ای ما امرتم بہ من الاتقاء وترک البقایا اما مع انکار حرمتہ واما مع الاعتراف فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وھو حرب المرتدین علی الاول وحرب البغاۃ علی الثانی (روح صہ ۵۳ ج ۳، قرطبی صہ ۳۶۴ ج ۳، خازن صہ ۲۵۴ ج ۱) ۵۴۵ اگر تم نے آئندہ کیلئے سود لینے سے توبہ کر لی ہے تو تم اپنا راس المال لے سکتے ہو مگر اس سے زائد لینے کی اجازت نہیں تاکہ نہ مقروض پر ظلم ہو اور نہ تم پر آجکل بعض لوگ جنکے ماتھوں پر چپک کا سود حلال کرنے کا جنون

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
اور دیتے رہے زکوٰۃ ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۵۴۲ اے ایمان

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ
والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا ۵۴۳ ف ۱ پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ

بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ
لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے ۵۴۴ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے

رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ
ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ۵۴۵ ف ۲ اور اگر

كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا
ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہیئے کشائش ہونے تک ۲ اور بخش دو تو

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا
بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو ۵۴۶ ف ۳ اور ڈرتے رہو اس دن سے

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو جو کچھ

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا ۵۴۷ اے ایمان والو

ع ۳۸ / ۶

ر ۱ سود خوروں کے لئے تخویف دنیوی ۱۲

ر ۲ تخویف اخروی ۱۲

ر ۳ مضمون جہاد و انفاق (مختص) کے بعد تیسری بار امور انتظامیہ کا بیان ۱۲

ب کرلے تو تم پر ظلم ہے اور منع کے بعد اگلا چڑھا ہوا سود تم مانگو تو تمہارا ظلم ہے ف ۳ یعنی جب دنیا

سوار ہے وہ کہتے ہیں کہ سود صرف وہی حرام ہے جس میں کسی فریق پر ظلم ہو اور بینک کے سود میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے لہٰذا یہ جائز ہے خدا جانے ان لوگوں کے ذہنوں میں ظلم کا کونسا تصور جاگزیں ہے۔ قرآن مجید نے تو اصل رقم سے زائد رقم وصول کرنے ہی کو ایک فریق کے حق میں ظلم قرار دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرضخواہ کو حکم دیا کہ تم اپنا اصل مال لے سکتے ہو مگر اس سے زائد لینے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اصل رقم چھوڑنے کا مطالبہ ہے تاکہ تم دونوں فریق ظلم سے بچ جاؤ کیونکہ مقروض سے مقدار قرض سے زائد رقم وصول کرنا اسکے حق میں ظلم ہے اور قرضخواہ کے راس المال میں کمی کرنا اسکے حق میں ظلم ہے۔ لاتظلمون غرماءکم باخذ الزیادۃ و لاتظلمون انتم من قبلھم بالنقص من راس المال (روح صہ ۵۳ ج ۳) یہاں کان تامہ ہے اور ذوعسرۃ اسکا فاعل ہے فنظرۃ میں فاجزائیہ ہے اور نظرۃ مصدر ہے اور اسکے معنی مہلت دینے کے ہیں اور یہ مبتدا ہے اور اسکی خبر محذوف ہے یعنی فعلیکم نظرۃ (روح صہ ۵۴ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ اگر مقروض تنگدست ہو اور فوری طور پر تمہارا راس المال واپس نہ کرسکتا ہو تو اسے مہلت دیدو اور جب وہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوجائے اسوقت اس سے اپنا حق وصول کرلو ۵۴۶ ان مصدریہ ہے اور جملہ بتاویل مفرد مبتدا ہے اور خیرلکم اسکی خبر ہے۔ پہلے قرض کا مطالبہ کرنے میں نرمی برتنے کی تلقین فرمائی اب یہاں سرے سے اصل مطالبہ سے ہی دستبردار ہوجانے کی ترغیب دی یعنی اگر مقروض اتنا غریب ہو کہ قرض ادا نہ کرسکتا ہو تو تم اسے معاف کردو اسطرح تمہیں اور زیادہ ثواب ملیگا یعنی مہلت دینے کی نسبت اس میں زیادہ ثواب ہے ای اکثر ثوابا من الانظار (روح صہ ۵۴ ج ۳) یعنی ان التصدق خیرلکم وافضل لان فیہ الثناء الجمیل فی الدنیا والثواب الجزیل فی العقبیٰ (خازن صہ ۲۵۴ ج ۱) یہ تبشیر اخروی تھی اب آگے تخویف اخروی ہے ۵۴۷ اس آیت کے پہلے حصے میں برے اعمال سے بچنے اور دوسرے حصے میں نیک اعمال بجالانے کی ترغیب ہے۔ یوماً سے مراد قیامت کا دن ہے یوم قیامت کی دہشتناکی کے پیش نظر گناہوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ سنکر کہ وہاں بے انصافی نہیں ہوگی بلکہ اعمال کی پوری پوری جزا دی جائیگی۔ دل میں نیک اعمال کا مزید شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک جہاد اور انفاق کا مضمون مع متعلقات ختم ہوا۔ اب آگے تیسری بار امور انتظامیہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اگلے رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر ادھار پر لین دین کیا جائے تو اسے لکھ لینا چاہیئے۔ اس ضمن میں تحریر لکھنے شہادت اور رہن کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں یہ سب امور انتظامیہ ہیں یہ احکام اسلئے ذکر کئے گئے ہیں تاکہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کا انتظام حسن وخوبی سے چلتا رہے اور باہمی نزاع اور جھگڑا پیدا نہ ہو ۵۴۸ یہاں لفظ اِنْ جو شک کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے کے بجائے لفظ اِذَا استعمال کیا گیا ہے جو وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ لین دین کا معاملہ جب بالفعل واقع ہو اسوقت وثیقہ لکھنے کی ضرورت ہے اس سے پہلے نہیں۔ یہاں لفظ دین عام ہے۔ ثمن اور مبیع دونوں کو شامل ہے تمام تجارتی معاملات چار قسموں میں منحصر ہیں (۱) بیع العین بالعین یعنی سودا دست بدست ہو اسکا حکم آگے الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ میں آرہا ہے (۲) بیع الدین بالدین یعنی سودے کی مجلس میں نہ خریدار قیمت ادا کرے اور نہ فروخت کنندہ مال حوالے

إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَ
جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو ۵۴۸ اور
لْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ
چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے ۵۴۹ اور انکار نہ کرے لکھنے والا
أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ
اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اسکو چاہیئے کہ لکھ دے۔ اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ
جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے۔ اور کم نہ کرے
مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا
اس میں سے کچھ ۵۵۰ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے۔ بے عقل ہے
أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا۔ تو بتلا دے
وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
کارگذار اسکا انصاف سے ۵۵۱ اور گواہ کرو دو شاہد اپنے
رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ
مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
لوگوں میں سے کہ جنکو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا
یاد دلا دے اس کو وہ دوسری ۵۵۲ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت
مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
وہ بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا

کرے دونوں چیزیں ادھار ہوں یہ بیع ناجائز ہے (۳) بیع العین بالدین یعنی خریدار مال وصول کرلے لیکن رقم بعد کو ادا کرنے کا وعدہ کرے (۴) بیع الدین بالعین یعنی خریدار رقم پہلے ادا کردے لیکن مال بعد میں وصول کرے اسے اصطلاح شریعت میں بیع سلم کہتے ہیں ان دونوں قسموں کا حکم اس آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی ایسا سودا کرو جسمیں قیمت یا مبیع (فروخت شدہ چیز) ادھار ہو اسکو لکھ لیا کرو۔ القول الثالث وھو قول اکثر المفسرین ..... بقی ھنا قسمان بیع العین بالدین وھو ما اذا باع شیئا بثمن مؤجل وبیع الدین بالعین وھو المسمی بالسلم وکلاھما داخلان تحت ھذہ الآیۃ (کبیر صہ ۴۸ ج ۲) ۵۴۹ یہ معاملہ لکھنے کا حکم اسلئے دیا ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا نزاع اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ تحریر مستحب ہے۔ بقرینہ مابعد فان امن بعضکم بعضا یعنی اگر کسی نے کسی پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے تحریر نہ لکھوائی ہو تو مرتکب الذکر ادا حق میں کوتاہی نہ کرے۔ والجمھور علی استحبابہ (ابو السعود صہ ۲۴۶ ج ۲، روح صہ ۵۵ ج ۳) ۵۴۹ یہ لکھنے کے شرعی طریقے کا بیان ہے بالعدل یکتب سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ تحریر لکھے وہ عدل وانصاف سے کام لے اور فریقین میں سے کسی ایک کی طرفداری کرکے دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے ولایاب کاتب ان یکتب

یہ کاتب کیلئے دوسری ہدایت ہے یعنی اگر کاتب سے ایسی تحریر لکھنے کو کہا جائے تو اسے انکار نہیں کرنا چاہیئے ۵۵۰ یہاں یہ ہدایت فرمائی کہ تحریر لکھوانے کی ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوتی ہے جس نے دوسرے کا حق دینا ہو کیونکہ یہ تحریر بمنزلہ اقرار ہے اور اقرار اسی کی طرف سے ہوتا ہے جسکے ذمہ کچھ واجب الادا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی تلقین فرمادی کہ جسکے ذمہ حق ہو. دستاویز لکھواتے وقت اسے خدا خوفی سے کام لینا چاہیئے اور جتنا اس نے دوسرے کا دینا ہے وہ بیچ صحیح لکھانا چاہیئے اور اس میں ذرہ برابر کمی نہیں کرنی چاہیئے ۵۵۱ جسکے ذمہ حق ہو اگر وہ کم فہم ہو یا بہت بوڑھا ہو یا کسی اور وجہ سے دستاویز نہ لکھوا سکتا ہو مثلاً گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو وغیرہ تو پھر اسکی طرف سے اسکا ولی عدل و انصاف سے دستاویز لکھوا کر صاحب حق کے حوالے کرے ۵۵۲ یہاں شہادت کے احکام بیان فرمائے ہیں یعنی مذکورہ بالا معاملہ میں تحریر پر دو گواہ بھی بنالو آیت میں خطاب مومنوں کو ہے اور ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے مردوں میں سے دو گواہ منتخب کریں اس سے اسطرف اشارہ ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا. بالغ مرد اور آزاد ہونا شرط ہے وفی ذکر الرجال مضافا الی ضمیر المخاطبین دلالة علی اشتراط الاسلام والبلوغ والذکورة فی الشاھدین والحریة لان المتبادر من الرجال الکاملون (روح صفحہ ۵۵ ج ۳) ای من رجال المومنین والحریة والبلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک صفحہ ۱۰۹ ج ۱) اگر گواہی کیلئے دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد کیساتھ ایسی دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے جو قابل اعتماد ہوں. عورتوں پر چونکہ نسیان غالب ہوتا ہے اسلئے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے شہداء کا لفظ یہاں عام ہے اور جو لوگ کسی معاملہ میں گواہ بن چکے ہوں یا انہیں گواہ بننے کیلئے کہا جائے دونوں کو شامل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے. اذ ما دعوا لاداء الشھادة او لتحملھا (روح صفحہ ۵۶ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ اگر گواہوں کو گواہی دینے کیلئے یا کسی معاملہ میں گواہ بننے کیلئے بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیئے ۵۵۳ تکتبوہ میں ضمیر مفعول دین یا حق کیطرف راجع ہے اور صغیرًا او کبیرًا دونوں اس سے حال ہیں یعنی دین، ادھار کا معاملہ ہر حال میں لکھ لیا کرو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا محض سستی کی وجہ سے اس میں کوتاہی نہ کرو الی اجلہ میں الی بمعنی مع ہے یعنی تحریر میں ادائے حق کی آخری مدت بھی لکھو ۵۵۴ ذالکم سے لکھنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے معاملہ کو لکھ لینا زیادہ سے زیادہ قرین انصاف ہے اور اسطرح گواہی بھی ہر قسم کے ردوبدل سے محفوظ رہے گی اور معاملہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر رہیگا الا ان تکون تجارة حاضرة یہ ماقبل سے استثناء ہے، پہلے بیان فرمایا کہ اگر کسی لین دین کے معاملہ میں قیمت یا مبیع ادھار ہو تو اسکے متعلق ایک دستاویز لکھ لو یہاں فرمایا کہ اگر سودا دست بدست ہو اور کوئی چیز ادھار نہ ہو تو پھر لکھنا ضروری نہیں. امام عاصم کے علاوہ باقی قراء نے تجارة کو مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور تجارة اسکا فاعل ہوگا. امام عاصم کی قرات میں تجارة منصوب ہے اور تکون کی خبر ہے اسکا اسم اسمیں ضمیر مستتر ہے جسکا مرجع قراء کے نزدیک تجارة موخر ہے بعض کے نزدیک اسکا مرجع معاملہ ہے جو سیاق کلام سے مفہوم ہے (روح صفحہ ۵۶ ج ۳) وقال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ الضمیر یعود الی المبیع والثمن جمیعا وحمل التجارة علیھا بتقدیر ذات ای الا ان تکون ذات المبیع تجارة حاضرة. ۵۵۵ بعض مفسرین نے اس حکم کو معاملہ بالدین سے مخصوص کیا ہے اور بعض نے اسے عموم پر محمول کیا ہے بہرحال یہ حکم جمہور کے نزدیک استحبابی ہے ولا یضار کاتب ولا شھید یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے. دستاویز لکھنے والے اور گواہ کو اس سلسلہ میں تکلیف نہ دی جائے مثلاً اگر کوئی کاتب یا گواہ کسی مجبوری کی بنا پر یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہو تو اسے اس پر مجبور نہ کیا جائے یا کاتب اور گواہ کو بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ تم نے یہ معاملہ کیوں لکھا یا تم نے اس بارے میں کیوں گواہی دی ۵۵۶ اگر تم ایسا کرو گے اور دوسروں کو ضرر پہنچانے سے باز نہیں رہو گے تو یہ تمہاری طرف سے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی اسلئے تم اللہ کے احکام کے بارے میں اس سے ڈرتے رہو اور یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ تمہیں احکام دین سکھاتا ہے اور اسکا اسے حق پہنچتا ہے کیونکہ

اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ

اس کی میعاد تک ۵۵۴ اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو

اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو ۵۵۵ مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا

اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو ۵۵۶ اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ

شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا

گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ

اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے. اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے ۵۵۷ ف ۱ اور اگر

كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ

تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو

مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ

ہاتھ میں رکھنی چاہیئے ۵۵۸ پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہیئے کہ پورا ادا

الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا

کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اسکا ۵۵۸ اور

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ

مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بیشک گنہگار ہے

قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِي

دل اسکا ۵۵۹ اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے اللہ ہی کا ہے جو

ع ۳۹ / ۷

ع۱ توحید پر چوتھی دلیل عقلی ۱۲۰

موضح قرآن ف ۱ اس آیت میں دو چیز کا تقید فرمایا ایک تو وعدے کے معاملے کو لکھ رکھنا کہ اسمیں پھر قضیہ نہ ہو اور اپنے تئیں شبہہ نہ پڑے اور شاہد کو دیکھ کر یاد آوے. دوسرے یہ کہ شاہد کر لینا ہر معاملہ پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جنکو ہر کوئی پسند رکھے اور تقید فرمایا کہ نویسندہ اور شاہد نقصان کسی کا نہ کریں جو حق واجبی ہے سو ہی ادا کریں اور لکھنے میں جو دینو الا اپنی زبان سے کہے سو لکھیں یا اس کا کوئی بزرگ کہے اگر اس کو عقل نہ ہو.

وہ دین و دنیا کی تمام مصلحتیں بخوبی جانتا ہے۔ ۵۵۵ یعنی اگر حالتِ سفر میں تم کسی سے معاملہ بالدین کرو (ادھار خرید و فروخت کرو) اور دستاویز لکھنے والا نہ مل سکے تو پھر جسکے ذمہ حق ہے اس سے کوئی چیز مثلاً زیور وغیرہ رہن رکھ لو تاکہ تمہیں اطمینان ہوجائے، اور حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے دھنی کے بعد تمنا سبب ذالک محذوف ہے یہاں سفر کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ کیونکہ سفر میں یہ احتمال قوی ہے کہ کاتب میسر نہ آسکے اسلئے رہن رکھنا حالت سفر سے مخصوص نہیں بلکہ حالت حضر میں بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر لکھنے والا بھی مل جائے تو بھی رہن رکھنا اور لینا جائز ہے اتفقت الفقھاء الیوم علی ان الرھن فی السفر والحضر سواء وفی حال وجود الکاتب وعدمہ (کبیر ص۵۵۸ ج ۲) ۵۵۵ امانت سے یہاں وہ حق مراد ہے جو مدیون کے ذمہ واجب الادا ہے یعنی اگر ایک شخص دوسرے کو امین سمجھ کر اس سے ادھار خرید و فروخت کرتا ہے اور اس سے کسی قسم کی دستاویز نہیں لیتا۔ نہ کسی کو گواہ بناتا ہے اور نہ ہی کوئی چیز بطور رہن اس سے لیتا ہے اپنے پاس بلکہ اسکی امانت و دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے معاملہ کرے تو دوسرے شخص پر لازم ہے کہ وہ اسکا حق ادا کرے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۵۵۹ اور اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات ف۱

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

یا چھپاؤگے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ ۵۶۰ پھر بخشے گا جس کو چاہے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ

مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

مسلمانوں نے بھی ۵۶۲ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو

وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا

اور اسکے رسولوں کو کہتے ہیں ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اسکے پیغمبروں میں سے ف۲ اور کہہ اٹھے

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۟ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ۵۶۳

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جسقدر اسکی گنجائش ہے ۵۶۴ اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا

مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

ہے جو اس نے کیا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں ۵۶۵

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے

مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

لوگوں پر ۵۶۶ اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جسکی ہم کو طاقت نہیں ۵۶۷

ر ۱ اعتقاد مراد ہیں بقرینۂ ماقبل و ما بعد ۱۲

ر ۲ یعنی اس مسئلہ توحید پر پیغمبر اور مومنین بھی ایمان رکھتے ہیں ۱۲

ر ۳ مسئلہ توحید ماننے کے بعد اللہ سے دعا مانگنے کے طریقے کی تعلیم ۱۲

اور خدا سے ڈرے نہ اسکے حق میں کمی کرے اور نہ ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے الذی اؤتمن۔ فلیؤد کا فاعل اور امانتہ اسکا مفعول ہے۔

۵۵۸ یہ گواہوں کیلئے ہدایت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں گواہ بن جائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ صحیح صحیح گواہی دیں اور اسکا کوئی حصہ چھپا کر یا اس میں ترمیم کرکے کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کوئی معمولی گناہ نہیں کرتا بلکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کا دل مجرم ہے کیونکہ جبتک دل میں کسی فعل کا ارادہ پیدا نہ ہو اسوقت تک اعضا سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوسکتا اور دل چونکہ تمام بدن کا مدبر اور بادشاہ ہے اسلئے اسکا جرم بھی بہت بڑا ہوگا۔ لانہ اشرف الاجزاء ورئیسھا وفعلہ اعظم من افعال سائر الجوارح فیکون فی الکلام تنبیہ علی ان الکتمان من اعظم الذنوب (روح ص۶۳ ج ۳) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر فعل سے باخبر اور واقف ہے وہ تمہارے ارادے کو بھی جانتا ہے اسلئے وہ ضرور تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دیگا یہاں پر امور انتظامیہ کا بیان ختم ہوگیا اب آگے توحید پر چوتھی دلیلِ عقلی پیش کی گئی ہے۔

توحید پر چوتھی عقلی دلیل،

اس سے پہلے سورت کے مختلف حصوں میں تین دفعہ دعویٰ توحید مذکور ہوچکا ہے اور ہر جگہ اسے عقلی دلائل سے مدلل کیا گیا ہے دعویٰ توحید کو بار بار دہرانے کی وجہ بھی مذکور ہوچکی ہے یہاں سورت کے آخری رکوع کی ابتدا میں دعویٰ توحید عقلی دلیل پیش کی گئی ہے ۵۵۹ یہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ یہ ساری کائنات کو شامل ہے اور کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہتی اور للہ خبر ہے جسے افادۂ حصر کیلئے مبتدا پر مقدم کیا گیا ہے یعنی ساری کائنات پر تنہا اللہ ہی کا قبضہ ہے اور ہر چیز اسی ہی کے تصرف و اختیار میں ہے اور انمیں کوئی اسکا شریک نہیں لہٰذا عبادت بھی اسی کی کرو اور حاجات و مشکلات میں صرف اسی ہی کو پکارو ۵۶۰ یہاں ما سے مراد اعتقادات اختیاریہ ہیں کہ وساوس کیونکہ ابداء اور اخفاء دونوں میں اختیار فاعل کو دخل ہے۔ اور وساوس خود بخود دل میں آتے ہیں ان میں فاعل کو کوئی دخل نہیں ہوتا اسلئے وساوس پر کوئی مؤاخذہ نہیں کیونکہ وہ اس آیت کے تحت داخل ہی نہیں ہیں فیغفر لمن یشاء الخ۔ محاسبہ کے بعد جسے وہ چاہے گا محض اپنے فضل و احسان سے معاف کردیگا اور جسے چاہے گا قانون عدل و حکمت کے تحت

سزا دیگا ۵۶۲ اس سورۃ جلیلہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت۔ نماز، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، جہاد، انفاق اور حرمت ربا وغیرہ احکام بیان فرمائے ہیں اب سورت کے اختتام پر ارشاد فرمایا کہ خدا کا پیغمبر اور تمام مومنین ان احکام

موضح قرآن ف ۱ یہاں سے معلوم ہوا کہ دل کے خیال پر بھی حساب ہوگا یہ سنکر اصحاب نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ حکم سخت مشکل ہے۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو۔ بلکہ قبول رکھو اور اللہ سے مدد چاہو۔ پھر لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے اور قبول کیا۔ اللہ کے ہاں یہ بات پسند ہوئی تب اگلی دو آیتیں اتریں۔ ان میں حکم آیا کہ مقدور سے باہر چیز کی تکلیف نہیں اب جو کوئی دل میں خیال کرے گناہ کا اور عمل میں نہ لاوے بس کو گناہ نہیں لکھتے

فتح الرحمٰن ف ۱ یعنی از قسم نفاق و اخلاص و حسد و نصیحت و مثل آن از قسم حدیث نفس ۱۲ ف ۲ یعنی بعض را معتقد و بعض را منکر نمی باشیم ۱۲

کو دل و جان سے تسلیم کر چکے ہیں۔ اور عملی زندگی میں ان پر عمل پیرا ہیں آگے اسکی قدرے تفصیل ہے۔ کل امن باللہ وملئکتہ وکتبہ الخ۔ خدا کا پیغمبر اور سارے کے سارے مومن خدا کی توحید پر ایمان لا چکے ہیں۔ خدا کے فرشتوں، اسکی کتابوں اور اسکے تمام رسولوں کے برحق ہونے پر بھی ایمان لا چکے ہیں۔ رسولوں کے درمیان تفریق کی نفی سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام رسولوں کو مانتے ہیں ایسا نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں جس طرح عیسائیوں نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اور یہودیوں نے آپ کے ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا ۵۶۳ قالوا کا عطف امن پر ہے پہلے انکے ایمان کا ذکر فرمایا۔ یہاں ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا تذکرہ کیا۔ وھو حکایۃ لامتثالھم الاوامر والنواھی اثر حکایۃ ایمانھم (روح ص ۶۸ ج ۳) سمعنا کے معنی اجبنا کے ہیں اور غفرانک سے پہلے طلبنا فعل محذوف ہے قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ بعض مفسرین نے اغفر محذوف مانا ہے یعنی وہ سب زبان سے اعلان کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم نے تیرے تمام احکام قبول کئے اور تیری مکمل اطاعت کا عہد کیا اور ہم تجھ سے عفو و درگذر کی درخواست کرتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر ہم نے تیرے سامنے حاضر ہونا ہے ۵۶۴ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک عام قانون ہے کہ وہ کسی انسان کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور اس سے ایسے احکام کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کرتا جو اسکی طاقت سے باہر ہوں۔ اس سورت کے تمام احکام انسان کے دائرۂ قدرت میں داخل ہیں اور اسمیں کوئی ایسا حکم نہیں جس کی تعمیل انسان کیلئے ناممکن ہو کیونکہ تمام مومنین ان احکام کو دل و جان سے قبول کر کے انہیں عملی زندگی میں اپنا معمول بنا چکے ہیں لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت یہ ایک دوسرا قانون ہے کہ ہر آدمی کو اسکے اپنے ہی نیک اعمال کا نفع پہنچے گا اور ہر شخص اپنے ہی بداعمال کی سزا پائے گا ۵۶۵ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بھی قالوا کے تحت داخل ہے اور مومنین کی بقیہ دعاؤں کی حکایت ہے اور بعض کا خیال ہے کہ دعائی تعلیم ہے اور اس سے پہلے قولوا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ اسطرح دعا مانگا کرو۔ اور نسیان سے یہاں ترک اور خطأ سے عصیان مراد ہے۔ المراد من الاول الترک ..... والمراد من الثانی العصیان (روح ص۶۹ ج ۳) والقول الثانی فی تفسیر النسیان ان یحمل علی الترک (کبیر ص۵۷ ج ۲) کذا فی مشکل ... یعنی اے اللہ اگر ہم سے عمداً یا خطأً تیری نافرمانی ہو جائے تو اس پر مؤاخذہ نہ فرمانا مومنین کی پہلی دعا ہے جسمیں گناہوں کی مغفرت کی درخواست ہے ۵۶۶ اصر سے مراد وہ احکام ہیں جو مشکل ہوں اور جنہیں انسان مشقت سے برداشت کر سکے والمراد بہ التکالیف الشاقۃ (روح ص۷۰ ج ۳، ابوالسعود ص۲۰۸، ۵ ج ۲) جس طرح یہودیوں پر تھے مثلاً مال سے چوتھا حصہ زکوٰۃ دینا اور ناپاک کپڑے کا پانی سے پاک نہ ہونا وغیرہ قال المفسرون ان اللہ تعالیٰ امرھم باداء ربع اموالھم فی الزکوٰۃ ومن اصاب ثوبہ نجاسۃ امر بقطعھا الخ (کبیر ص۵۷ ج ۲) ۵۶۷ یہ مومنوں کی تیسری دعا ہے اور اس میں درخواست کی گئی ہے کہ انہیں ایسی مصائب اور آزمائشوں میں نہ ڈالا جائے جو انکی طاقت اور بساط سے بڑھ کر ہوں۔ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا الخ۔ یہ آخری دعا ہے مومنین ایک طرف اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اللہ سے عفو و درگذر کی التجا کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ سے اسکی رحمت مانگتے ہیں مشرکوں اور کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اسباب مہیا کرنے کے بعد محض اللہ کی رحمت اور اسکی مدد پر اعتماد کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر ختم ہوئی و الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی جمیع عبادہ الصالحین۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا
اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾
مدد کر ہماری کافروں پر
ع ٤٠ / ٨
سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا
سورۃ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اس میں دو سو آیتیں ہیں اور بیس رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ
۲ اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا اتاری
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
تجھ پر کتاب سچی ۳ تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور
اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى
اتارا توریت اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کی
لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ہدایت کے لئے اور اتارے فیصلے ۴ بے شک جو منکر ہوئے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
اللہ کی آیتوں سے انکے واسطے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست ہے
ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ
بدلہ لینے والا ۵ اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں
وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ
اور نہ آسمان میں ۶ وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس

سورۂ بقرہ میں آیات توحید

۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (ع ۳) دعوی توحید مع دلیل عقلی۔

۲- كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (ع ۳) متعلق بدلیل عقلی

۳- اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (ع ۱۳) متعلق بدعوی توحید

۴- وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (ع ۱۴)

۵- اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (ع ۱۶)

۶- صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ (ع ۱۶)

۷- وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (ع ۱۹) نفی شرک فعلی

۸- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (ع ۳۴) نفی شفاعت قہری

۹- لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (ع ۴۰) توحید پر چوتھی عقلی دلیل

سورۃ آل عمران

نام | اس سورت کے چوتھے رکوع میں آل عمران کا ذکر ہے۔ اس لئے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ آل عمران رکھا گیا ہے۔

شان نزول | مفسرین نے لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو انکے ساٹھ چیدہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وفد میں تین آدمی سرکردہ تھے یعنی عاقب، سید اور ابوحارثہ۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے لگے اور کہا کہ وہ اللہ کے ولد اور نائب ہیں اور حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہمارے معبود ہیں اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب تو زندۂ جاوید اور سارے جہان کا نگہبان اور رازق ہے زمین و آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ ماں کے رحم میں اپنی مرضی کے مطابق بچے کی شکل بناتا ہے، وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ اب تم بتاؤ کیا ان صفات میں سے کوئی ایک صفت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پائی جاتی ہے۔ جب ان صفات میں سے کوئی صفت بھی ان میں نہیں تو پھر وہ معبود کس طرح بن سکتے ہیں اس پر سورۃ آل عمران کی ابتدائی اسی آیتیں نازل ہوئیں (خازن۔ ج ۱ ص ۲۶۶ و حاشیہ شاہ عبدالقادرؒ)

ربط | سورۃ آل عمران کو سورہ بقرہ سے تین طرح کا ربط ہے۔
ربط اولؔ (نامی) سورۂ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے اقرار لیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، صرف اسی کو پکاریں اور صرف اسی ہی سے حاجات و مشکلات میں مافوق الاسباب مدد مانگیں سورۂ بقرہ میں گائے کی عبادت اور تعظیم سے نفرت دلائی اور سورۂ آل عمران میں تلقین فرمائی کہ اللہ کی عبادت اور پکار میں اللہ کے نیک بندوں کو شریک نہ کریں جس طرح نصاریٰ نے آل عمران کی عبادت کی حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کو الٰہ بنایا۔ ربط دومؔ۔ سورہ بقرہ کے آخر میں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ سے مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں اللہ سے مدد اور نصرت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی۔ سورۂ آل عمران میں بتایا وہ کونسے کفار ہیں جنکے خلاف اللہ سے مدد مانگنے کا حکم ہوا ہے یعنی اس سے مراد مشرکین ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں اللہ کے بندوں کو مالک و مختار سمجھ کر مصیبتوں میں پکارتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ جو حضرت عیسےٰ اور مریم علیہما السلام کو معبود سمجھتے اور انکو مافوق الاسباب پکارتے ہیں۔ ربط ثالثؔ۔ سورۂ بقرہ میں قرآن مجید کے تمام مضامین کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے اور سورۂ آل عمران میں ان میں سے چار زیادہ اہم مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ اولؔ۔ توحید جسکے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کا رد بھی کیا گیا ہے اور زیادہ زور شرک اعتقادی کی نفی پر دیا گیا ہے۔ دومؔ۔ رسالت یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت۔ سومؔ جہاد فی سبیل اللہ اور چہارمؔ انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا

خلاصۂ مضامین | اس سورت کے خلاصۂ مضامین کی دو تقریریں ہیں۔
تقریر اولؔ۔ اس سورت میں مشرکین نصاریٰ کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ انہیں کچھ شبہات توحید کے بارے میں تھے اور کچھ رسالت کے بارے میں۔ توحید کے متعلق انکے دلوں میں پانچ شبہات تھے

شبہات متعلقہ توحید

پہلا شبہ۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں روح اللہ، کلمۃ اللہ اور ابن اللہ (کمافی الانجیل قالہ الخازن ص) وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق ہے اور وہ اللہ کے نائب ہیں۔ اللہ نے ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ اس لئے ان کو پکارنا چاہیئے۔

دوسرا شبہ۔ حضرت مسیح علیہ السلام مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست اور چنگا بھلا کردیتے تھے مردوں کو زندہ کردیتے مٹی کے بے جان پتلے میں پھونک مار کر اسے جاندار بنا دیتے اور گھر میں رکھی ہوئی چیزیں بتا دیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ متصرف و مختار، کارساز اور غیب دان تھے۔

تیسرا شبہ ہمیں اپنے بڑوں کی کچھ ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عبادت اور پکار کا حکم دیا تھا اور اسی وجہ سے ہمارے اکابر ان کو پکارتے تھے۔
چوتھا شبہ۔ حضرت مریمؑ کے پاس ہر وقت بے موسم کے پھل موجود رہتے تھے حالانکہ انکو کوئی لاکر نہیں دیتا تھا تو اس سے معلوم ہوا وہ خود صاحب اختیار و تصرف تھیں اور جب چاہتیں بے موسم کے میوے حاصل کر لیتی تھیں اس لئے حاجتوں اور مشکلوں میں انہیں مدد کے لئے پکارنا چاہیئے۔
پانچواں شبہ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں انکے انتہائی بڑھاپے کے زمانے میں بیٹا پیدا ہوا جب کہ انکی بیوی صاحبہ بھی ولادت کے قابل نہ تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اختیار اور تصرف حاصل تھا اور وہ کارساز تھے جبھی تو بے موسم بیٹا پیدا کر لیا۔

شبہات کے جوابات

پہلے شبہ کا جواب۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ الایۃ میں اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ یہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں اور انکا حکم یہ ہے کہ ان کی تاویل محکمات کے مطابق کی جائے گی۔ اگر انکی تاویل سمجھ میں نہ آئے تو ان میں زیادہ بحث وکرید کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان پر اسقدر اجمالی ایمان کافی ہے کہ ان سے اللہ کی جو مراد ہے وہ برحق ہے۔ لہٰذا ایسے موہم شرک الفاظ سے استدلال کرنا جائز نہیں۔ جس طرح بنی اسرائیل سامری کے بچھڑے کی آواز سے دھوکہ کھا کر اسے الٰہ سمجھنے لگے تھے مگر اللہ نے انکو انہیں معذور قرار نہیں دیا تھا چنانچہ ارشاد فرمایا اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (طٰہٰ ع ۴)

دوسرے شبہ کا جواب۔ رکوع ۵ میں اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ الخ سے اس شبہ کا جواب دیا کہ مٹی سے پرندہ پیدا کرنا، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا۔ مردوں کو زندہ کرنا اور بعض غائب چیزوں کی اطلاع دے دینا یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے معجزہ کے طور پر تھا۔ اسمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی قدرت اور طاقت کو کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ معجزات محض اللہ کے حکم سے اور اسکی قدرت سے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں انکا ظاہر کرنا انکے اختیار میں نہیں ہوتا یہاں پہلے چار کاموں کے ساتھ باذن اللہ کی قید لگائی اور پانچویں کے بعد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ مطلب یہ کہ سارے کام محض اللہ کے حکم سے بطور معجزہ ظہور پذیر ہوئے ان میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قدرت کو دخل نہیں تھا۔

نیز حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خود اپنی قوم سے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (ع ۵) یعنی میرا اور تمہارا رب اور کارساز اللہ ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی ہی کو پکارو۔ اس کے بجائے انہوں نے اپنی قوم سے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ میں تمہارا رب اور کارساز ہوں لہٰذا جو شخص خود اللہ کو اپنا کارساز مانتا ہو وہ اوروں کا کارساز کس طرح بن سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ یہود ان کا دین قبول نہیں کرینگے۔ بلکہ وہ شرارت اور دشمنی پر آمادہ ہو چکے ہیں تو اعلان فرمایا کہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے اگر وہ خود کارساز اور مالک و مختار ہوتے تو اس طرح اپنے عجز کا اظہار نہ فرماتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے شر سے بچانے کے لئے فرمایا اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (ع ۶) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان کے شر سے محفوظ رہنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے اختیار اور قبضہ میں نہ تھا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ مالک و مختار اور متصرف و کارساز نہیں تھے اور نہ ہی ان کو پکارنا جائز ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ تا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (ع ۸) اس میں تیسرے شبہ کا جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان اور بشر کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر اسے کتاب و حکمت عطا کرتا اور اسے دعوت توحید کو عام کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ پیغمبر اپنی رسالت و نبوت کے تقاضوں اور اللہ کے احکام کے خلاف توحید کی اشاعت و تدریس کی بجائے شرک کی تلقین و تبلیغ فرمانے لگے اور اللہ کی عبادت اور پکار کی بجائے اپنی عبادت اور پکار کی تعلیم دینے لگے اسلئے جو شرکیہ کلمات اللہ کے سچے رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ سب غلط ہیں اور عیسائیوں کے گذشتہ علماء اور ان کے بڑے بڑوں کا افتراء ہیں حضرت مسیح علیہ السلام ان سے بری ہیں۔

چوتھے شبہ کا جواب۔ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (ع ۴) حضرت مریم صدیقہ کے پاس بے موسم کے میووں کا موجود ہونا ان کے قبضہ و اختیار میں نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت مریم کے لئے اظہار کرامت کے طور پر بھیج دیتا تھا۔

پانچویں شبہ کا جواب۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ تا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (ع ۴) حضرت زکریا علیہ السلام نے تو بیٹے کیلئے اللہ سے دعا اور التجا کی تھی اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بیٹا عطا کیا اس میں ان کو کوئی اختیار اور تصرف حاصل نہیں تھا۔

ان پانچوں شبہات کے دو مشترک جواب بھی دیئے ہیں۔ اوّل۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي تا ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ (ع ۴) یہ تمام حضرات بلاشبہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن معبود بننے کے لائق نہیں تھے کیونکہ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور مخلوق تھے لہٰذا جو خود اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج ہو دوسرے کا حاجت روا اور کارساز کس طرح بن سکتا ہے۔ دوّم۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (ع ۴) سمیع لکل شئی (سب کچھ سننے والا) اور علیم بکل شئی (سب کچھ جاننے والا) صرف اللہ ہی ہے یہ حضرات ان صفات سے متصف نہیں ہیں لہٰذا وہ الٰہ اور معبود بننے کے لائق بھی نہیں ہیں کیونکہ معبود کے لئے ان دونوں صفتوں سے متصف ہونا ضروری ہے۔

بیان بالا سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ زیادہ زور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر دیتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی الوہیت کی نفی پر زیادہ دلائل قائم فرمائے ہیں۔

شبہات متعلقہ رسالت

مشرکین عرب کی طرح مشرکین نصاریٰ کو اصل ضد تو مسئلہ توحید سے تھی اسلئے اسکے انکار کیلئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر طعن کرتے اور اس میں شبہات پیدا کرتے تھے چنانچہ نصاریٰ اور مشرکین نے آپ کی رسالت میں تین شبہات کا اظہار کیا۔ پہلا شبہ:۔ پہلے انبیاء علیہم السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا مگر اس نبی نے اسے حلال کر دیا ہے یہ تو پہلے نبیوں کی مخالفت کرتا ہے اس لئے سچا نبی نہیں ہے۔
دوسرا شبہ:۔ قدیم سے بیت المقدس تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ چلا آرہا ہے مگر اس نبی نے تمام انبیاء کا قبلہ چھوڑ کر ایک نیا قبلہ بنا لیا ہے۔
تیسرا شبہ:۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں شکست ہوئی اور انہیں شدید جانی اور مالی نقصان ہوا اگر یہ پیغمبر ہوتا اور یہ مسلمان سچے دین پر ہوتے تو کیوں شکست کھاتے اور مارے جاتے

شبہات کے جوابات

پہلے شبہ کا جواب۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ تا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (ع ۱۰) نصاریٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ پہلے انبیاء پر اونٹ کا گوشت حرام تھا بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی

سب چیزیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل ہے حلال تھیں۔ البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اطباء کے مشورے کی بنا پر اونٹ کے گوشت سے پرہیز کر رکھی تھی۔

دوسرے شبہ کا جواب۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ تا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (ع ۱۰) دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ (ع ۱۳) تا وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (جنگ احد میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حسب وعدہ فتح دی جیسا کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ الآیہ (ع ۱۶) لیکن ان سے ایک غلطی سرزد ہو گئی جس کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل کر دی گئی۔ اس لئے یہ وقتی شکست محض ابتلاء اور امتحان کے لئے تھی ورنہ جنگ بدر میں باوجود اس کے کہ مسلمان کافروں کی نسبت تعداد میں بہت تھوڑے تھے اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کو کافروں پر فتح دی۔

خلاصہ مضامین کی دوسری تقریر

سورۂ آل عمران میں چار مضامین بیان کئے گئے ہیں (۱) توحید (۲) رسالت (۳) جہاد اور (۴) انفاق۔ ابتداء سورت سے اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (ع ۸) تک توحید کا بیان ہے اور وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (ع ۹) سے فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ع ۱۰) تک رسالت کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (ع ۱۱) سے وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ع ۱۹) تک جہاد فی سبیل اللہ کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ شروع میں ترغیب الی الجہاد ہے اور جہاد کے ساتھ ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کا بھی ذکر ہے۔

چاروں مضامین کا اعادہ

پھر وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مضمون توحید کا بالاجمال اعادہ کیا گیا ہے اور رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ (ع ۲۰) میں مضمون رسالت اور فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا الخ میں جہاد اور انفاق کا اجمالی ذکر دہرایا گیا ہے۔

مضامین اربعہ کا اجمالی اعادہ

پھر آخری آیت میں چاروں مضمونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں توحید کیطرف صراحۃً اور رسالت کیطرف تبعاً اور اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا میں جہاد کیطرف صراحۃً اور انفاق کیطرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔

توحید

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سورت میں نصاریٰ کے شرکیہ عقائد کی تردید کے ساتھ ساتھ چھ بار توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

پہلی بار پہلے سورت کی ابتداء میں اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے دعویٰ توحید پیش کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ یعنی پکارے جانے کے لائق نہیں پھر اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سے ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (ع ۱) تک جو آیات توحید ہیں۔ ان میں توحید کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں ۱ دلیل وحی نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ سے ۲ دلیل نقلی وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ سے اور ۳ دلیل عقلی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ الخ میں بیان کی گئی ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ میں تینوں دلیلوں کا نتیجہ اور ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔

دوسری بار پھر شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ تا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (ع ۲) میں مضمون توحید بیان کیا گیا ہے اس جگہ توحید پر تین دلائل نقلیہ پیش کئے گئے ہیں۔ دلیل نقلی کتب سابقہ سے شَھِدَ اللّٰہُ سے اسی طرف اشارہ ہے ای شھد اللہ فی الکتب السابقۃ انہ لا الٰہ الا ھو یعنی اللہ نے پہلی کتابوں میں گواہی دی ہے (بیان کیا ہے) کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں۔ ۲ دلیل نقلی فرشتوں سے اور دلیل ۳ نقلی انبیاء سابقین اور علماء ربانیین سے وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ میں اسی کا بیان ہے۔

تیسری بار تیسری بار قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ سے تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (ع ۳) میں توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے یہ توحید کی پہلی تمام دلیلوں کا ثمرہ ہے یعنی جب دلیل وحی۔ دلیل نقل اور دلیل عقل سے ثابت ہو گیا کہ اللہ کے سوا عبادت اور پکار کے لائق اور کوئی نہیں تو پھر اللہ سے اسطرح دعا کیا کرو کہ اے اللہ ہماری حاجتیں پوری فرما یہاں مقصود بالنداء محذوف ہے ای اقض حاجتی

چوتھی بار اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ سے وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (ع ۴) تک میں چوتھی بار توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے یعنی اگرچہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین اللہ کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندے ہیں لیکن معبود یا حاجت روا بننے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وہ مخلوق ہیں اور ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ اس لئے وہ خود محتاج ہیں اور عبادت اور پکار کے لائق نہیں نیز سمیع لکل شیٔ (سب کچھ سننے والا) اور علیم بکل شیٔ (سب کچھ جاننے والا) بھی اللہ ہی ہے وہ نہیں ہیں۔

پانچویں بار وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (ع ۱۱) میں پانچویں بار توحید کا ذکر آیا ہے یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور تمام اختیارات اور تصرفات اللہ کے قبضہ میں ہیں نہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور مائی مریم علیہا السلام کے قبضہ میں۔ لہٰذا نہ ان کی عبادت کرو اور نہ ان کو پکارو۔

چھٹی بار پھر آخر میں وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (ع ۱۹) میں مضمون توحید کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی دفعہ مضمون توحید کا ذکر کر کے دو شبہوں کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلا شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں کلمۃ اللہ، روح اللہ اور ابن اللہ جیسے موہم شرک کلمات ملتے ہیں۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ الخ سے اسکا جواب دیا گیا کہ یہ متشابہات میں سے ہیں ان پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے ان کا علم خدا کے حوالے کرنا ضروری ہے اور انکے معانی کے درپے ہونا جائز نہیں۔ اسکے ضمن میں دینوی اور اخروی تخویف بھی ہے۔

دوسرا شبہ یہ تھا کہ کافروں کے پاس مال بہت ہے اگر کافر اللہ کو ناپسند ہوتے تو ان کو اس قدر دولت کیوں دیتا۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ الخ (ع ۲) سے اسکا جواب دیا کہ یہ محض چند روزہ ٹھاٹھ اور عارضی زیب و زینت ہے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں تو اللہ کے یہاں ہیں اور صرف انہیں لوگوں کو ملیں گی جنہوں نے ایمان کے بعد شرک نہ کیا اور اعمال صالحہ بجالائے۔ اس کے ضمن میں دنیادار عالموں اور پیروں کے مسئلہ توحید کو نہ ماننے کی وجہ بھی فرما دی کہ وہ چند روزہ دولت سے فریب خوردہ ہو گئے ہیں اور توحید کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دوسری بار ذکر توحید کے بعد فرمایا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ الخ یعنی جب دلائل نقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ مسئلہ توحید تمام پہلی کتابوں میں موجود تھا۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور سچے عالموں نے بھی مسئلہ توحید بیان کیا اور اللہ کو بھی یہی توحید والا دین (اس کو پسند ہے پھر اس سے اہل کتاب کے عالموں نے محض ضد اور عناد کی وجہ سے اختلاف کیا اور اسکے خلاف لکھ گئے اور اب پچھلے ان کی عبارتیں دیکھ دیکھ کر دھوکے میں مبتلا ہو رہے ہیں تیسری بار ذکر توحید کے بعد فرمایا کہ جب مسئلہ توحید کی مخالفت صرف ضدی اور خدا کے باغی عالموں ہی نے کی ہے تو ان سے پورا پورا بائیکاٹ کیا جائے اور مسلمان ایسے باغیوں اور گمراہوں سے دوستی نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ (ع ۳) چوتھی بار ذکر توحید کے بعد چند شبہات متعلقہ توحید کا ازالہ فرما کر واضح کیا کہ عمران کی بیوی حضرت مریم صدیقہ، حضرت عیسٰے اور حضرت زکریا علیہم السلام عبادت اور پکار کے لائق نہیں شبہات کا ازالہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے تو انہیں مباہلہ کا چیلنج دیجئے۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ الآیہ (ع ۶) اگر وہ مباہلہ کے لئے بھی میدان میں نہ آئیں تو آپ ایک بار پھر توحید کا اعلان فرمادیں وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ۔

اسکے بعد قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ الخ (ع ۷) سے اہل کتاب کو توحید کی دعوت دی۔ پھر اہل کتاب کے پانچ شکوے ہیں۔

پہلا شکوہ، قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ تا وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ (ع ۷) دوسرا شکوہ، یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ تا وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (ع ۷) تیسرا شکوہ۔ وَ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ تا وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (ع ۸) چوتھا شکوہ:۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ تا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ع ۸) پانچواں شکوہ:۔ وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ تا وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ (ع ۸)

اس کے بعد مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ تا اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (ع ۸) میں توحید سے متعلق تیسرے شبہ کا جواب دیا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کچھ ایسے کلمات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پکارنا چاہیئے۔ جواب دیا کہ یہ ان پر بہتان ہے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا پیغمبر شرک کی تعلیم دے۔

رسالت

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ (ع ۹) سے رسالت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ وہ رسول آگیا جو پہلے انبیاء کی دعوت توحید کی تصدیق کرتا ہے اور جس پر ایمان لانے کی تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو تلقین کی تھی۔ لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کی دعوت یعنی توحید کو مانو۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ع ۱۰) ایمان کے درجہ کمال کو تم اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک تم مسئلہ توحید کو نہ مان لو اور اس کی خاطر اپنی محبوب ترین دنیوی ریاست، شان وشوکت اور گدیاں نہ چھوڑ دو۔ اس کے بعد كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ سے وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ تک میں رسالت سے متعلق پہلے شبہ کا جواب ہے۔ اور اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ سے دوسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

جہادِ فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (ع ۱۱) سے آخر تک جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے ساتھ ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون مذکور ہے ابتدا میں جہاد کی ترغیب ہے اس کے بعد چار دفعہ جہاد کا اور چار دفعہ انفاق کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۱ کی مذکورہ بالا آیت سے وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ع ۱۳) تک مضمون جہاد ہے اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا (ع ۱۴ کی ابتدا) سے وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (ع ۱۴) تک مضمون انفاق کا ذکر ہے کہ اپنا روپیہ سود میں نہ لگاؤ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ پھر وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (ع ۱۴) سے وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (ع ۱۸) تک جہاد کا ذکر ہے اور اسکے بعد وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ سے جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (ع ۱۸) تک انفاق کا مضمون مذکور ہے اسکے بعد كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ الآیہ اور لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ الآیہ (ع ۱۸) میں جہاد اور انفاق کی طرف اشارہ ہے مضمون جہاد کے سلسلے میں مشرکین اور نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ اگر یہ پیغمبر سچا ہوتا اور مسلمانوں کا دین خدا کا پسندیدہ دین ہوتا تو جنگ احد میں ان کو شکست نہ ہوتی اس شبہ کا جواب اللہ تعالیٰ نے تدریجاً دیا ہے۔ وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ الخ (ع ۱۳) میں فرمایا کہ اللہ نے کب مسلمانوں کو چھوڑا ہے۔ جنگ احد میں دو قبیلے ہمت ہارنے کا ارادہ کر رہے تھے تو اللہ نے ان کی امداد فرمائی اور انکے دلوں سے وہ غلط ارادہ محو ہوگیا اور انکے دلوں میں اخلاص اور ہمت پیدا ہوگئی اور پھر جنگ بدر کا واقعہ دیکھ لو اسمیں قلت عدد اور قلت سامان کے باوجود اللہ نے مسلمانوں کی مدد کی اور انکو فتح دی۔

پھر فرمایا اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (ع ۱۴) جنگ احد میں اگر مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان ہوا ہے۔ تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔ کافر بھی تو جنگ بدر میں اتنا بڑا نقصان اٹھا چکے ہیں۔ اسکے بعد اصل جواب دیا کہ وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (ع ۱۶) یعنی اللہ نے تو مسلمانوں کو فتحیاب کرنیکا وعدہ پورا فرمادیا تھا چنانچہ مسلمان کافروں کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ یہاں تک کہ مسلمانوں سے ایک غلطی ہوگئی کہ انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مورچہ چھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح شکست میں بدل گئی ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ اور یہ محض مسلمانوں کے امتحان اور ابتلاء کے لئے تھا نہ اسلئے کہ ان کا دین سچا نہیں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ غلطی معاف کرکے وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کا سرٹیفکیٹ فرمادیا۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الخ (ع ۱۷) ان لوگوں کے فضائل اور درجات بیان فرمائے جو اس جہاد میں شہید ہوئے اور اس سے پہلے اور اسکے بعد ان منافقین کو زجر کیا گیا ہے جو مجاہدین کو طعن دیتے تھے۔ آخر میں لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ الخ اور وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ (ع ۱۹) میں مشرکین اہل کتاب پر زجر ہے جو اللہ پر افترا کرتے تھے اور جن سے مسئلہ توحید بیان کرنے کا عہد لیا گیا تھا مگر انہوں نے دولت دنیا کی خاطر اللہ کے عہد کو پس پشت ڈال دیا اور حق کو چھپایا مضمون جہاد کی ابتداء میں لَیْسُوْا سَوَآءً الخ (ع ۱۲) اور سورت کے اختتام پر وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ (ع ۲۰) میں فرمایا کہ اہل کتاب سب یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں جو اپنی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاچکے ہیں۔ انکو آخرت میں نجات کی خوشخبری بھی دی ہے

سورۃ آل عمران کا مختصر خلاصہ

آخری پیغمبر آچکا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا لایا ہوا پیغام توحید مان لو اور حضرت عیسٰی اور حضرت مریم علیہما السلام کی عبادت اور پکار چھوڑ دو۔ آخری پیغمبر کے ساتھ مل کر اشاعت توحید کی خاطر مشرکین سے جہاد کرو۔

پہلا حصہ - توحید

ذکر مضمون توحید بار اوّل

؎ اس پر کلام سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ دعوٰے توحید ہے۔ الحی القیوم مبتدا محذوف کی خبر ہے (مدارک ج ۱ ص ۱۳)، یہاں سے لے کر العزیز الحکیم تک یہ توحید کی پہلی دلیل ہے۔ جو تین ضمنی دلیلوں پر مشتمل ہے۔ (۱) دلیل وحی (۲) دلیل نقلی اور (۳) دلیل عقلی۔ پہلی دونوں دلیلوں کا ذکر اشارۃً ہے اور تیسری کا صراحۃً۔ ؎ یہ دلیل وحی کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ کا یہ دعویٰ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ وحی ربانی کے تابع ہے۔ اللہ نے آپ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں آپکو یہ دعویٰ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے ؎ مصدقا

الکتاب سے حال مؤکدہ ہے (روح ج ۳ ص۸۰ ، بحر ج ۲ ص۳۷۰) ما بین یدیہ سے کتب سابقہ مراد ہیں۔ قرآن مجید کے کتب سابقہ کی تصدیق کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ کتب سابقہ میں توحید و رسالت ، نفی شرک اور عدل و احسان کے جو احکام بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن ان سے اختلاف نہیں کرتا بلکہ انکی تصدیق کرتا ہے المراد منہ انہ لم یبعث نبیا قط الا بالدعاء الی التوحید والایمان وتنزیھہ عما لا یلیق بہ والعدل و الاحسان والشرائع التی ھی صلاح اھل کل زمان فالقرآن مصدق لتلک الکتب فی کل ذالک (بحر ج ۲ ص ۳۷۰) اور الفرقان سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ اس سے حق و باطل اور حلال و حرام میں امتیاز ہوتا ہے (روح ج ۳ ص۸۰ ، خازن ج ۱ ص۲۶۹) اس آیت میں دلیل نقلی من الکتب السابقہ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ دعوےٰ صرف قرآن ہی میں نہیں بلکہ تمام کتب سابقہ جو اپنے اپنے زمانہ میں لوگوں کیلئے ذریعہ ہدایت تھیں انہیں بھی یہ دعویٰ توحید موجود تھا۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل ۱۴ میں ہے۔ وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ توحید کیلئے اپنی آخری کتاب حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ۵ یہ دعویٰ توحید کو مدلل بیان فرمانے کے بعد نہ ماننے والوں کیلئے تخویف اخروی ہے ۶ یہ عقلی دلیل ہے معبود اور مستعان صرف وہی ہو سکتا ہے۔ جو عالم الغیب ہو ہر چیز کو جانتا ہو اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ ہو اور وہ قادر مطلق ہو اور ہر کام اسکی قدرت کے تحت داخل ہو اس آیت میں پہلی شق بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی چیز اسکے علم محیط سے باہر نہیں اسکے برعکس حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام میں یہ صفت موجود نہیں تھی۔ اسلئے وہ معبود و مستعان نہیں بن سکتے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ۔ یہ عقلی دلیل کا دوسرا حصہ ہے۔ جسمیں دوسری شق کیطرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے کہ ماں کے پیٹ میں اپنے اختیار سے بچے کی صورتگری کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ علیہما السلام تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ انکی صورتیں بھی اللہ ہی نے انکی ماؤں کے رحموں میں بنائی تھیں۔ اسلئے وہ معبود و مستعان نہیں بن سکتے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ یہ دلیل عقلی کا نتیجہ ہے۔ نتیجہ کا بیان صراحت سے فرما کر اسطرف اشارہ کیا ہے کہ تقریب تام ہے اور دلیل دعوے کے عین مطابق ہے

رابطہ و دلائل گذشتہ ۱۲ — ربط ۲ جواب شبہ ۱۲

یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِیْٓ
طرح چاہے۔ کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا زبردست ہے حکمت والا۔ وہی ہے جس نے
اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ
اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی انکے معنی واضح ہیں وہ اصل
اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ
ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ یعنی جنکے معنی معلوم یا معین نہیں ۸ سو جن کے دلوں میں
زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ
کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے
وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔم وَ
اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے ۹ اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے ۱۰ اور
الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ
مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے۔ سب ہمارے رب کی
عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا
طرف سے اتری ہیں ۱۱ اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ ف اے رب
لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس
لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ
سے رحمت تو ہی سب کچھ دینے والا ہے ۱۱ اے رب تو
جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
جمع کرنیوالا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کچھ شبہ نہیں بیشک اللہ خلاف نہیں
یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾ ع اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ
کرتا وعدہ ۱۲ بیشک جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے

ع ۱/۸ ۹

نصاری کے شبہ کا جواب

ربط ۳ یہ بھی یقولون کے تحت داخل ہے ۱۲ — ربط ۴ یقولون کے تحت ۱۲ — ربط ۵ تخویف اخروی

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عیسائیوں کے دلوں میں توحید و رسالت سے متعلق بعض شبہات تھے جنہیں ایک ایک کر کے اس سورت میں دور کیا گیا ہے۔ انکا پہلا شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روح اللہ ، کلمۃ اللہ ابن اللہ جیسا کہ انجیل میں ہے اور اس قسم کے اور کئی الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے جسکی بنا پر وہ اللہ کے نائب ہیں اور اللہ نے انکو غیب دانی اور حاجت روائی کے خصوصی اختیارات دے رکھے ہیں چنانچہ اگلی آیت میں انکے اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ ۷ اسمیں شک نہیں کہ یہ کتاب تو خدا ہی نے نازل کی ہے جسمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ موجود ہیں مگر اسکی آیتیں اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں ایک محکم دوم متشابہ۔ محکم تو وہ ہیں جنکا معنی متفق علیہ اور مفہوم معقول اور قابل فہم ہو اور متشابہ وہ ہیں جنکی تاویل مختلف فیہ ہو اور انکا ظاہر فہم سے بالا ہو۔ مثلاً حروف مقطعات اور ید اللہ ، روح اللہ اور کلمۃ اللہ وغیرہ المحکمات ھی المتفق علی تاویلھا والمعقول معناھا والمتشابھات ھی المختلف فی تاویلھا (المعتصر من مختصر مشکل الآثار طحاوی ج ۲ ص ۱۶۴) ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ یعنی کتاب کی اصل اور مرکزی حصہ اور احکام کا محور یہی محکمات ہیں احکام انہیں سے ثابت ہونگے نہ کہ متشابہات سے بلکہ متشابہات کا مفہوم محکمات کی روشنی میں متعین کیا جائے گا۔ ای اصلہ والعمدۃ فیہ یرد الیھا غیرھا (روح ج ۲ ص ۸۰) ۸ زیغ سے دل کی کجی ، حق سے روگردانی اور ہوائے نفس کی طرف میلان

موضح قرآن ف۔ اس سورت میں نصاریٰ کو سمجھانا منظور ہے۔ کہ حضرت مریم کو خدا کی عورت کہتے اور حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا اور وہ بیگے تھے۔ اس پر کہ اللہ کی مہربانی کے الفاظ انکے حق میں سنے تھے ایسے کہ بندگی سے زیادہ مرتبہ چاہیں اس واسطے اللہ صاحب فرماتا ہے کہ ہر کلام میں اللہ نے بعضی باتیں رکھی ہیں جنکے معنی صاف نہیں کھلتے تو جو گمراہ ہو انکے معنی عقل سے لگے پکڑنے اور جو مضبوط علم رکھے وہ ان کے معنی اور آیتوں سے ملا کر سمجھے۔ جو کتاب کی جڑ ہے۔ اس کے موافق سمجھ پاوے تو سمجھے اور جو نہ پاوے تو اللہ پر چھوڑے کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے۔

مراد ہے۔ ای میل عن الحق الی الاھواء (ابوالسعود ج ۲۔ صہ ۱۰۶) فتنہ سے مراد شروفساد ہے یعنی جن لوگوں کے دل حق سے متنفر اور باطل کی طرف مائل ہیں وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑجاتے ہیں جس سے
انکا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کریں۔ وہ متشابہات کے اصل مفہوم کی کرید میں لگ جاتے ہیں۔ جب انکا اصل مفہوم حاصل نہیں کرپاتے تو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو گمراہ کرتے
ہیں ؎۹ یہ جملہ یتبعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی یہ بدباطن لوگ متشابہات کا اصل مفہوم معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ متشابہات کا صحیح علم تو صرف خدا کو ہے انکو اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ انکا علم اللہ تعالیٰ
نے اپنے ساتھ مخصوص کررکھا ہے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر وقف لازم ہے۔ اور اسکے بعد جملہ مستانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں جیسا کہ ابن عباس، عائشہ، ابن عمر، ابن مسعود، ابی بن کعب، عمر بن عبدالعزیز
عروۃ بن الزبیر، امام مالک، ابوعبید، کسائی، فراء اور اخفش وغیرہم سے منقول ہے۔ وعلی ھذا القول لا یعلم المتشابہ الا اللہ وھذا قول ابن عباس وعائشۃ والحسن ومالک بن انس والکسائی والفراء ومن

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ
ان کو ان کے مال اور نہ انکی اولاد اللہ کے سامنے کچھ ؎۱۳ اور
اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ
وہی ہیں ایندھن دوزخ کے ؎۱۴ جیسے دستور فرعون والوں کا اور
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ
جو ان سے پہلے تھے ؎۱۵ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو
اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ
اللہ نے ان کے گناہوں پر اور اللہ کا عذاب سخت ہے ؎۱۶ کہہ دے
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ
کافروں کو اب تم مغلوب ہوگے اور ہانکے جاؤگے دوزخ کی طرف
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ
اور کیا برا ٹھکانا ہے ؎۱۷ ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں
الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ
مقابلہ ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں
يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دوچند صریح آنکھوں سے ؎۱۸ اور اللہ زور دیتا ہے
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ
۳ اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں ہے عبرت دیکھنے والوں کو ف۱
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے کے اور چاندی کے

ر۱ تخویف دنیوی ۱۲

ر۲ تخویف دنیوی کا ایک نمونہ ۱۲

ر۳ نصاریٰ کے علماء کے مسئلہ توحید کو نہ ماننے کی وجہ ۱۲

المعتزلۃ قول ابی علی الجبائی وھو المختار عندنا (کبیر ج ۲ ص ۱۷۶)
ھذا اقول ابن عمر وابن عباس وعائشۃ وعروۃ بن الزبیر و
عمر بن عبدالعزیز وغیرہ وھو مذھب الکسائی والاخفش
والفراء وابی عبید وغیرھم ۔۔۔۔۔ وروی ذالک عن
ابن مسعود وابی بن کعب (قرطبی ج ۴ ص ۱۶) یہی حنفیہ کا مسلک ہے
اور یہی راجح ہے۔ وھو الذی ذھب الیہ الحنفیۃ ۔۔۔۔۔ و
رجح الثانی (ای الوقف علی الا اللہ) بانہ مذھب الاکثرین
من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والتابعین
واتباعھم خصوصاً اھل السنۃ وھو اصح الروایات عن
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (روح ج ۳ ص ۸۴) ؎۱۰
وہ تو زائغین کا حال تھا اب راسخین کا حال بھی سن لیجئے۔ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں
جو علم دین میں پختہ کار اور فہم سلیم اور طبع مستقیم کے مالک ہیں وہ متشابہات کے
پیچھے نہیں پڑتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ یہ متشابہات اللہ
کی طرف سے ہیں اور ان سے اللہ کی مراد برحق ہے راسخ فی العلم زیادہ تر یہ
یہ کرتے ہیں کہ متشابہات کو محکمات کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر محکمات
کی روشنی میں انکا کوئی مفہوم انکی سمجھ میں آجائے تو محکمات کی طرح اس پر بھی
عمل کرلیتے ہیں لیکن اگر کوئی مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو پھر خاموش ہوجاتے ہیں اور
صرف ایمان بالمتشابہات پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ظن وتخمین سے انکا کوئی مفہوم
متعین کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ فاھل الحق یردون المتشابہ الی عالمہ
ثم یلتمسون تأویلہ من المحکم الذی ھو ام الکتب فان وجدوہ
فیہ عملوا بہ کما عملوا بالمحکم فان لم یجدوا لقصورھم لم
یتجاوزوا فی ذالک الایمان بہ ولا استعملوا فیہ الظنون
المحرم استعمالھا فی غیرہ فکیف بہ (المعتصر من مختصر مشکل الآثار
للطحاوی ج ۲ ص ۱۶۵) اور لفظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ بھی چونکہ متشابہات
میں سے ہیں اسلئے انکا صحیح مفہوم خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ظن وتخمین سے
عیسائیوں نے جو ان الفاظ کا مفہوم سمجھ رکھا ہے اور جسکی بناء پر حضرت عیسےٰ
علیہ السلام کو معبود اور الہ ٹھہرالیا ہے۔ یہ سب انکی کجروی اور کور باطنی کا نتیجہ
ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ نصیحت صرف وہی لوگ
حاصل کرتے ہیں۔ جن کی عقلیں سلیم اور جنکے ذہن صاف ہوں۔ اس سے

راسخین فی العلم کی مدح وثناء کی طرف اشارہ ہے ؎۱۱ یہ راسخین فی العلم کی دعا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم متشابہات پر ایمان لائے اور انکے صحیح علم کو تیرے حوالے کیا اور ظن وتخمین سے ان پر رائے زنی
سے اجتناب کیا اے اللہ ہمیں ہدایت کی اسی راہ پر قائم رکھنا اور ہمارے دلوں کو باطل کی طرف مائل نہ کرنا اور اپنی رحمت سے دستگیری فرمانا۔ ؎۱۲ یہ بھی راسخین کی دعا ہی کا حصہ ہے۔ اس میں اعتراف ہے کہ قیامت ضرور
آئے گی اور اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کو حشر میں جمع کرے گا۔ اور سب سے حساب لیگا۔ اللہ کے نیک بندے ہروقت فکر آخرت میں لگے رہتے ہیں اور خدا کے سامنے حساب وکتاب کے تصور سے ہروقت ترساں اور لرزاں رہتے ہیں۔ ؎۱۳
عیسائیوں کو انکے شبہ کا معقول جواب دینے کے بعد دنیوی اور اخروی تخویف سنائی کہ ان معقول اور واضح دلائل کے بعد بھی اگر تم اپنی ضد پر قائم رہوگے اور اللہ کی توحید کی واضح آیات کا انکار کرتے رہوگے تو قوم فرعون کے سے بدانجام

موضح قرآن ف۱ یعنی جنگ بدر میں جسکا قصہ سورۃ انفال میں ہے مسلمانوں سے کافر تین برابر تھے۔ پر اللہ دو ہی برابر دکھاتا تھا کہ خوف نہ کھاویں۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس سے چاہیئے کہ سب کافر عبرت پکڑیں۔

کے لئے تیار ہو جاؤ جنہیں دنیا میں عذاب غرق سے ہلاک کیا گیا اور آخرت میں بھی سخت عذاب دیا جائے گا۔ اور جب اللہ کا عذاب آپہنچے گا۔ اسوقت مال و دولت اور اولاد و انصار کام نہیں آئینگے ۱۴ۃ جو لوگ توحید کے دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود آیات الٰہی کا انکار کریں، توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کریں، غیر اللہ کی عبادت کریں اور حاجات و مشکلات میں غیر اللہ کو پکاریں۔ انکی سزا اسکے سوا کیا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہونگے اور ہمیشہ اسمیں رہیں گے ۱۵ۃ کدأب آل فرعون مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای دأبھم کدأب آل فرعون اور دأبٌ کے معنی حال کے ہیں یعنی تکذیب و انکار میں ان کافروں کا حال اور رویہ بالکل وہی ہے، جو فرعونیوں اور ان سے پہلے کافروں کا تھا۔ اسیطرح عذاب میں بھی انکا وہی حال ہوگا جو انکا ہوا۔ دأب ھؤلاء الکفرۃ فی تکذیب الحق کدأب من قبلھم من آل فرعون وغیرھم (مدارک ج ۱ ص ۱۱۵) ای حال ھؤلاء فی الکفر و استحقاق العذاب کحال آل فرعون (روح۔ ج ۳ ص ۹۳) ۱۶ۃ یہ انکے داب اور حال کی تفسیر ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے جرائم کی وجہ سے مبتلائے عذاب کر دیا اور ایسے لوگوں کیلئے خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ آیات سے مراد یہاں کتب الٰہی کی آیتیں ہیں یا مراد اللہ کی توحید اور انبیا علیہم السلام کی صداقت کے دلائل ہیں۔ والمراد بالآیات اما المتلو فی کتب اللہ تعالیٰ او العلامات الدالۃ علی توحید اللہ تعالیٰ وصدق الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (روح۔ ج ۳ ص ۹۳ بحر ج ۲ ص ۳۹۰) یحتمل ان یرید الآیات المتلوۃ ویحتمل ان یرید الآیات المنصوبۃ للدلالۃ علی الوحدانیۃ (قرطبی ج ۴ ص ۲۳) ۱۷ۃ یہ تخویف دنیوی کا ایک نمونہ ہے۔ اس میں کفار کی مغلوبیت اور انکا مستحق عذاب ہونا بیان کیا گیا ہے ۱۸ۃ یہ ماقبل کا تتمہ ہے اور قل کے تحت داخل ہے اور اسمیں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ اسمیں مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت کم تھی مگر مسلمانوں کے رعب اور انکی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کا کافروں کو دوگنا نظر آنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت بٹھانے کے لئے اسکا اظہار فرمایا۔ اس آیت سے جنگ بدر میں شریک ہونیوالے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انکے متعلق ارشاد فرمایا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ یعنی وہ ایک ایسی جماعت تھی جو محض اللہ کے دین کی خاطر لڑ رہی تھی۔ اللہ کی طرف سے یہ انکے اخلاص اور ایمان کامل کی زبردست شہادت ہے ۱۹ۃ اللہ تعالیٰ جبکی چاہے ظاہری اسباب کے بغیر بھی مدد کر سکتا ہے۔ جس طرح بدر میں مسلمانوں کی مدد کی اور انہیں کفار پر غلبہ عطا کیا حالانکہ تعداد اور ظاہری اسباب میں وہ مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ اس واقعہ میں عقل و بصیرت رکھنے والوں کے لئے کافی عبرت ہے اسلئے اے یہود یو! تم اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو اور اب بھی موقع ہے تکذیب و انکار سے باز آجاؤ اور اسلام قبول کر لو۔ ۲۰ۃ یہ عیسائیوں کے علما اور گدی نشینوں کے مسئلہ توحید کو نہ ماننے کی وجہ ہے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے مسئلہ توحید کو مان لیا تو یہ ساری شان و شوکت جاتی رہتی ہے اور سونے چاندی کے لبریز خزانوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل کے بہت سے مولوی اور گدی نشین بھی حق بیان نہیں کرتے کیونکہ اسطرح دنیوی ٹھاٹھ اور اندھی آمدنی ہاتھ سے جاتی ہے۔ نیز اس میں ایک شبہ کا جواب بھی ہے۔ شبہ یہ ہے کہ اگر مشرکین مبغوض اور مستحق عذاب ہیں تو انکے پاس اس قدر دولت کیوں ہے۔ تو اسکا جواب دیا کہ یہ دنیا کی دولت چند روزہ اور بالکل حقیر چیز ہے۔ اسکی وجہ سے تمہیں دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ جیسے دوسری جگہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے لا یغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد متاع قلیل (آل عمران ع ۲۰) نیز ارشاد ہے۔ واعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد (حدید ع ۳) ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ یہ مذکورہ چیزیں تو دنیوی زندگی کا ایک حقیر سا سامان ہے۔ دائمی راحت اور حسن انجام صرف اللہ کی رضا جوئی میں ہے۔ ومعنی الآیۃ تقلیل الدنیا وتحقیرھا والترغیب فی حسن المرجع الی اللہ تعالیٰ فی الآخرۃ (قرطبی ج ۴ ص ۳۰) ۲۱ۃ یہ ماقبل ہی کی تقریر و تاکید ہے۔ دنیوی سامان اور فانی منافع بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے منافع کمیت و کیفیت کے اعتبار سے نیز دوام و بقار کے اعتبار سے دنیوی ساز و سامان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ انہ تعالیٰ لما عدد نعم الدنیا بین ان منافع الآخرۃ خیر منھا (کبیر ج ۲ ص ۴۲۰) ذالکم کا اشارہ مذکورہ ساز و سامان

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ

اور گھوڑے نشان لگائے ہوتے اور مویشی اور کھیتی ۲۰ۃ یہ فائدہ

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا

کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر ۲۱ۃ پرہیزگاروں کے لئے

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ

ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۚ اَلَّذِيْنَ

اللہ کی ۲۲ۃ اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے وہ جو

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ

اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ۲۳ۃ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے

وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

اور حکم بجالانے والے ہیں اور خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں ف۱ ۲۴ۃ

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم

الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

والوں نے بھی وہی حاکم انصاف کا ۲۵ۃ کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے

ف۱ مشرکین کے دولت مند ہونے سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے سو وہ قلیل بھی ہے اور حقیر بھی ہے ۱۲

ف۲ بشارت ۱۲

ف۳ ذکر مضمون توحید بار دوم ۱۲

ف۴ مژدۂ دیگر ۱۲

فتح الرحمٰن ف۱۔ ازینجا خدا تعالیٰ شروع میفرماید در مناظرہ اہل کتابین و رد شبہات ایشان و تعداد تحریفات ایشان و این قصہ ممتد است تا قولہ و اذ غدوت من اہلک ۱۲

کی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تبشیر بنعم الجنۃ وترغیب فی الآخرۃ بعد التزہید فی الدنیا یعنی دنیوی ساز وسامان سے نفرت دلانے کے بعد یہاں اخروی نعمتوں کی بشارت اور ترغیب دی ہے۔ کذافی المدارک ج ۱ ص ۱۱۶) ۲۲ للذین اتقوا خبر مقدم ہے اور جنات تجری الخ مع معطوفات مبتدا موخر ہے اور یہ ماقبل کی تفصیل ہے۔ کلام مستأنف فیہ دلالۃ علی بیان ما ھو خیر من ذالکم فجنات مبتدأ وللذین اتقوا خبرہ (مدارک ج ۱ ص ۱۱۶) یعنی دنیوی منافع سے جو چیزیں بہتر ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ سے ڈرنے والوں کو آخرت میں نہروں اور چشموں والے دائمی اور غیر فانی باغات اور پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور انہیں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی اس سے معلوم ہوگیا کہ خیر سے مراد جنات ہیں۔ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھتا ہے کسی بندے کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اسلئے ہر شخص کو اسکے ہر عمل کی جزا ملے گی۔ ۲۳ الذین یقولون محل جر میں ہے اور العباد یا الذین اتقوا کی نعت یا اس سے بدل ہے۔ وان یکون فی حیز الجر علی انہ تابع للذین اتقوا نعتا او بدلا (روح ج ۳ ص ۱۰۲) یعنی جن لوگوں کے لئے مذکورہ اخروی نعمتیں ہیں وہ اپنے ایمان اور اعمال پر نازاں وشاداں نہیں رہتے بلکہ ہر وقت

الْحَكِيْمُ ⑱ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا
حکمت والا ۲۶ بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری ۲۷ اور مخالف
اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
آپس کی ضد ف ۱ اور حسد سے ۲۸ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ
جلدی حساب لینے والا ہے پھر بھی اگر تم سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا
وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اپنا منہ اللہ کے حکم پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں ۲۹ اور کہہ دے کتاب والوں کو
وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ
اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی ۳۰ اور اگر
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ع
منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے ف ۱
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ
جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں
بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ
کو بغیر حق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں
النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ㉑ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
میں سے سو خوشخبری سنا دے انکو عذاب دردناک کی ۳۱ یہی ہیں جن کی
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ
محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں

النصف

ع ۲/۱۰

ب ۱ مراد مسئلہ توحید ۱۲

ب ۲ ان دلائل توحید کی موجودگی میں صرف ضدی لوگ مخالفت کرینگے ۱۲

ب ۳ تخویف اخروی ۱۲

ب ۴ تخویف اخروی ۱۲

اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے اور اسکی رحمت کی پناہ ڈھونڈتے رہتے ہیں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس آیت میں نفس ایمان پر طلب مغفرت کو متفرع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس ایمان ہی سے بندہ اللہ کی رحمت ومغفرت اور جہنم سے رستگاری کا مستحق ہوجاتا ہے اور باقی طاعات اس کیلئے موقوف علیہ نہیں ہیں۔ دل ھذا علی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمۃ والمغفرۃ من اللہ تعالیٰ (کبیر ج ۲ ص ۶۲۲، کذافی الروح۔ ج ۳ ص ۱۰۲، البحر ج ۲ ص ۳۹۹) ۲۴ الصبرین محل جر میں ہے اور مع معطوفات الذین اتقوا ہی کا تابع ہے اَلصّٰبِرِیْنَ مسئلہ توحید بیان کرنے میں ہر تکلیف اور مصیبت میں صبر واستقلال سے کام لینے والے۔ الصّٰدِقِیْنَ ظاہر وباطن میں سچے باتوں میں بھی اور دل کے ارادوں میں بھی۔ اَلْقٰنِتِیْنَ اللہ کی اطاعت اور عبادت پر ہمیشہ قائم رہنے والے۔ اَلْمُنْفِقِیْنَ اللہ کی دی ہوئی دولت سے توحید اور دین اسلام کی اشاعت میں خرچ کرنے والے اَلْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ بوقت سحر نماز پڑھنے والے اور مسئلہ توحید کے بیان میں کوتاہی اور دوسرے گناہوں کیلئے اللہ سے بخشش مانگنے والے۔ الکل من المدارک

ذکر مضمون توحید بار دوم

۲۵ یہ دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ کی شہادت کتب سابقہ میں اور فرشتوں کی شہادت انبیاء علیہم السلام کے پاس اور علماء ربانیین بھی لکھ گئے ہیں۔ اور قائما بالقسط تینوں سے حال ہے۔ اس میں توحید پر دلیل نقلی کی تین قسموں سے استدلال کیا گیا ہے (۱) دلیل نقلی کتب سابقہ سے (۲) دلیل نقلی فرشتوں سے اور (۳) دلیل نقلی انبیاء علیہم السلام اور علماء ربانیین سے شہد اللہ سے مراد ہے اللہ کی شہادت کتب سابقہ میں اس سے قسم اول کی طرف اشارہ ہے اور شہادت ملائکہ سے قسم دوم اور شہادت اولی العلم سے قسم سوم مراد ہے ۲۶ یہ دلائل ثلثہ کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور یہ دونوں صفتیں ذکر کرکے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ قوت کے اعتبار سے وہ سب پر غالب اور تدبیر وحکمت کے لحاظ سے ہر چیز پر حاوی ہے اسلئے اسے کسی شریک اور معاون کی ضرورت بھی نہیں ۲۷ یہ ماقبل ہی کی تاکید وتائید ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے پہلے انبیاء علیہم السلام کا دین بھی اسلام ہی تھا اور کتب سابقہ میں بھی یہی دین پیش کیا گیا ہر قسم کی عبادت اور اطاعت کو خالصاً اللہ کے لئے کرنے اور صرف اللہ ہی کو عبادت وطاعت کا مستحق سمجھنے کا نام اسلام ہے۔ قال ابن الانباری المسلم معناہ المخلص للہ عبادتہ - - - - - فالاسلام معناہ اخلاص الدین والعقیدۃ للہ تعالیٰ (کبیر ج ۲ ص ۶۲۸) سورۂ انعام ع ۲۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین ۝ لا شریک لہ ج وبذالک امرت وانا اول المسلمین ۝ ۲۸ الذین اوتوا الکتاب سے یہود ونصاریٰ کے علماء مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو کتب سابقہ میں دین اسلام اور مسئلہ توحید کو کھول کر بیان کر دیا تھا چنانچہ

موضح قرآن ف ۱۔ ان پڑھے کہتے تھے عرب کے لوگوں کو کہ ان کے پاس اگلے پیغمبروں کا علم نہ تھا۔
فتح الرحمٰن۔ ف ۱ یعنی حقیقت حال دانستند ۱۲۔

علماء اہل کتاب بھی اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں۔ باقی توحید کے بارے میں انکے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے یا تورات و انجیل میں توحید کے خلاف جو مواد ملتا ہے۔ یہ علماء یہود و نصاریٰ کی ضد اور بغض و حسد کا نتیجہ ہے اور تورات و انجیل میں تحریف بھی انہی کے ہاتھوں کی کارروائی ہے۔ یہاں تک دلیل عقل و نقل اور دلیل وحی سے ثابت کیا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں۔ اور یہ بات کتب سابقہ میں اللہ کی شہادت سے اور فرشتوں، انبیاء سابقین اور علماء ربانیین کی شہادت سے بھی ثابت ہو چکی ہے اسکے بعد اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ سے مضمون بالا کی تاکید اور تائید فرمائی کہ اللہ کی خالص عبادت اور اسکی خالص پکار والا دین ہی اللہ کے یہاں پسندیدہ ہے اسکے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اس مسئلہ توحید میں اختلاف کیا۔ مسئلہ توحید میں اختلاف کرنیوالوں کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ اس اجماعی اور اتفاقی مسئلہ میں اختلاف کرنے والے صرف اہل کتاب کے علماء ہی ہیں۔ سب سے پہلے اختلاف ان علماء ہی نے کیا ہے۔ اسکے بعد انکے پیروکار انکے پیچھے لگ گئے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ ع ۲۶ میں اختلاف کو الذین اوتوا الکتاب (یعنی اہل کتاب کے علماء) میں منحصر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

ان کا مددگار ۔ ۲۳ کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ

الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر منہ

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے تغافل کرکے ۲۳ یہ اس واسطے کہ

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمْ

کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے ۲۳ اور بہکے ہیں

فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ

اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ف پھر کیا ہوگا حال جب ہم انکو جمع کرینگے

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ قف وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

ایک دن کہ اسکے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کیا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي

اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی ۳۵ تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے

الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ

جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت

مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي

دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے تیرے ہاتھ ہے سب خوبی ۳۶ بیشک تو

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

ہر چیز پر قادر ہے تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن

فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

کو رات میں ۳۷ اور نکالے زندہ مردے سے اور نکالے مردہ

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ الآیہ۔ دوم یہ کہ مسئلہ توحید میں انکا اختلاف جہالت و نادانی یا کسی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ مسئلہ توحید کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور انہیں اس کا پورا پورا علم ہے اسلئے انہوں نے یہ اختلاف جاننے اور سمجھنے کے بعد کیا ہے جیسا کہ آیت زیر تفسیر میں ہے اسمیں اللہ تعالےٰ نے انکے اختلاف کو اس وقت سے مخصوص کیا ہے جب کہ اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کے ذریعے توحید کا صحیح علم انکے پاس آچکا تھا۔ سوم یہ کہ مسئلہ توحید میں ان کا اختلاف دیانت اور تحقیق پر مبنی نہ تھا بلکہ محض بغض و حسد اور ضد و عناد کی وجہ سے تھا چنانچہ سورہ شوریٰ (ع ۲) میں ہے۔ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۔ یہاں بَغْيًا۔ تَفَرَّقُوْٓا کا مفعول لہ ہے اور تفرق و اختلاف کی علت بیان کر رہا ہے اور آیت زیر تفسیر میں بھی بَغْيًا اخْتَلَفَ کی علت بیان کر رہا ہے مطلب یہ کہ اہل کتاب کا تفرق و اختلاف محض بغض و حسد کی وجہ سے تھا نہ کسی اور وجہ سے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ توحید کو مذکورہ بالا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے واضح کردینے کے بعد اب کسی کا انکار مسموع نہیں ہوگا اور ان دلائل قطعیہ کے مقابلہ میں گمراہ مولویوں اور پیروں کے اقوال اور مجونین کی تحریفات حجت نہیں ہوں گی اور جو لوگ ان کی تقلید کرینگے وہ معذور نہیں ہوں گے جیسا کہ سورۂ شوریٰ (ع ۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الذین یحاجون فی اللہ من بعد ما استجیب لہ حجتھم داحضۃ عند ربھم۔ اسلئے اب اللہ کی توحید اور اسکی آیات کا انکار کرنیوالوں کو حساب و کتاب کے انجام سے خبردار رہنا چاہیئے یہ تخویف اخروی ہے ۲۹ اگر عوام اہل کتاب اپنے گمراہ اور ضدی مولویوں اور پیروں کے شرکیہ اقوال اور عبارتیں پیش کریں تو آپ اسکا صاف صاف جواب دیدیں کہ توحید کے عقلی اور نقلی قطعی دلائل کے مقابلے میں یہ شرکیہ عبارتیں ناقابل تسلیم ہیں اسلئے میں اور میرے تمام متبعین صرف اللہ ہی کو اپنا حاکم اور معبود سمجھتے ہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرتے اور صرف اسے ہی پکارتے ہیں ۳۰ اسلمتم صورۃً استفہام ہے لیکن معنیً امر ہے۔ ھو استفہام فی معرض التقریر والمقصود منہ الامر (کبیر ج ۲ ص ۶۳۱) اور امیین سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے فرمائیں کہ وہ اسلام قبول کریں اور اللہ کی عبادت و اطاعت اور دعا و پکار میں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں اور ضدی لوگوں کی شرکیہ عبارتیں چھوڑ کر مسئلہ توحید کو مان لیں تو وہ بھی آپ اور آپ کے متبعین کی طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسلام ہی حق اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۔ اور اگر وہ اعراض کریں اور اسلام قبول نہ کریں اور ضدی لوگوں کی عبارتیں چھوڑ کر مسئلہ توحید نہ مانیں تو اسمیں آپ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپ کے ذمہ حکم پہنچانا تھا وہ آپ نے کماحقہٗ پہنچا دیا۔ ای لا یضرک شیئا اذ ما علیک الا البلاغ وقد ادیتہ علی اکمل وجہ وابلغہ (روح۔ ج ۳ ص ۱۰۹)۔ اور اللہ اپنے بندوں کے حالات بخوبی جانتا ہے اسلئے وہ انہیں انکے اعمال پر پوری پوری جزا دیگا۔ ۳۱ یعنی منکرین اور توحید کے مبلغین کے قاتلوں کیلئے زجر اور اخروی تخویف ہے الذین یکفرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضد اور عناد کیوجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور مسئلہ توحید کو نہیں مانتے

۱ زجر ۱۲

۲ من گھڑت قصے بے سند باتیں ۱۲

۳ ذکر توحید بار سوم در ضمن اولہ سابقہ ۱۲

موضح قرآن ف۔ یہ ذکر یہود کا ہے کہ فیصلے میں اپنی کتاب پر بھی عمل نہیں کرتے اور گناہ پر دلیر ہیں اس غرے پر کہ اسکے اگلے جھوٹ بنا کر کہہ گئے ہیں کہ ہم میں اگر کوئی بہت بڑا گنہگار بھی ہوگا تو سات دن سے زیادہ عذاب نہ پاوے گا

۳۲ے اولٰئک کا اشارہ مذکورہ صفات شنیعہ (کفر بآیات اللہ، قتل انبیاء علیہم السلام وقتل آمرین بالقسط) کے حاملین کی طرف ہے۔ اور دنیا میں اعمال کے بے نتیجہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں وہ ان تمام حقوق سے محروم رہیں جنکا ایک مسلمان مستحق ہوتا ہے مثلاً مال وجان کی حفاظت اور استحقاق مدح وغیرہ اور آخرت میں اعمال کے ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں انکے اعمال بے اثر ثابت ہونگے۔ اور دفع عذاب اور جلب ثواب کا سبب نہیں بن سکیں گے۔ ای اولٰئک المتصفون بتلک الصفات الشنیعۃ الذین بطلت اعمالھم وسقطت عن حیز الاعتبار وخلت عن الثمرۃ فی الدنیا حیث لم تحقن دماءھم واموالھم ولم یستحقوا بھا مدحا وثناء وفی الآخرۃ حیث لم تدفع عنھم العذاب ولم ینالوا بیھا الثواب (روح ج ۳ ص ۱۰۹) ۳۳ے اس آیت میں اہل کتاب کے غایت تمرد اور انکی انتہائی سرکشی کا شکوہ کیا گیا ہے یعنی اللہ کی کتاب سے اعراض کرکے گمراہ اور ضدی مولویوں کی عبارتوں سے تمسک کرتے ہیں الذین اوتوا نصیبا من الکتب سے اہل کتاب کے عالم مراد ہیں۔ اور کتاب اللہ سے مراد تورات وانجیل ہے دعاوا یدعون الی حکم التوراۃ والانجیل وکانوا یابون (کبیر ج ۲ ص ۶۳۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو دین اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ تمہارا دین کونسا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں دین ابراہیم علیہ السلام پر ہوں جو شرک وباطل سے بیزار اور توحید کے داعی اور پرستار تھے اس پر وہ کہنے لگے کہ وہ تو یہودی تھے تو آپ نے فرمایا کہ تورات لاؤ اور اسی سے اس کا فیصلہ کر لو مگر وہ اس پر تیار نہ ہوتے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے (قرطبی ج ۴ ص ۵۰) ۳۴ے ذالک کا اشارہ تولی اور اعراض کی طرف ہے جو یتولی کے ضمن میں مذکور ہے یعنی کتاب اللہ کے فیصلے سے اعراض اور روگردانی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں صرف چند دنوں کے لئے عذاب دیا جائے گا۔ اسلئے خدا کی نافرمانی اور کتاب اللہ سے روگردانی کا جرم ان کی نگاہوں میں بالکل معمولی چیز ہے۔ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ نیز ان یہودیوں کے ضدی اور معاند مولویوں اور پیروں نے جو من گھڑت باتیں اور اپنی شرکیہ عبارتیں دین کا جزو بنا رکھی تھیں۔ انکی وجہ سے وہ دھوکے اور فریب میں مبتلا تھے کہ چونکہ ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں اسلئے ہمیں ہمارے گناہوں پر معمولی سی گرفت ہوگی۔ ای غرھم افتراءھم علی اللہ وھو قولھم نحن ابناء اللہ واحباؤہ فلا یعذبنا بذنوبنا الامدۃ یسیرۃ (مدارک ج ۱ ص ۱۱۸) ۳۵ے یہ ان فریب خوردہ یہودیوں کے لئے اخروی تخویف ہے۔ لیوم میں لام بمعنی فی ہے (قرطبی ج ۴ ص ۵۱ روح ج ۳ ص ۱۱۲) یعنی دنیا میں تو وہ کتاب اللہ کی طرف آنے سے انکار کر رہے ہیں اور جھوٹی آرزوؤں سے دل بہلا رہے ہیں مگر اسوقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان سب کو ایک ایسے دن میں جمع کریں گے۔ جس کی آمد میں کوئی شک نہیں اور انکی آرزوؤں کے علی الرغم ہر شخص کو اسکے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائیگی اور اپنے ذاتی اعمال صالحہ کے بغیر بزرگوں سے انتساب کسی کام نہیں آئے گا۔ اور وہاں کسی پر ظلم بھی نہیں ہوگا۔ نہ کسی کے اعمال صالحہ کی جزا میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کے گناہوں کی واجبی سزا میں اضافہ کیا جائیگا اور نہ کسی کو ناکردہ گناہ کی سزا دی جائے گی۔

ذکر توحید بار سوم

۳۶ے قل اللھم جب دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہوگیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں تو اب اسکا ثمرہ بیان فرمایا کہ غائبانہ حاجات میں صرف اللہ ہی کو پکارو اور پکارتے وقت یوں کہا کرو اے اللہ ان صفات کے مالک میری فلاں حاجت پوری کر۔ اللھم۔ خلیل اور سیبویہ اور بصرہ کے نحویوں کی رائے میں اصل میں یا اللہُ تھا۔ حرف ندا کو حذف کرکے اسکے عوض میں میم مشددہ مفتوحہ کا آخر میں اضافہ کر دیا گیا۔ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ امام مبرد اور زجاج کے نزدیک یہ اللھم کی صفت ہے اور اسی لئے منصوب ہے کیونکہ منادی مفرد مبنی علی الضم کی صفت جب مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتی ہے وانتصاب مالک علی الوصفیۃ عند المبرد والزجاج (روح ج ۳ ص ۱۱۳، کبیر ج ۲ ص ۶۳۸) اور ملک بضم میم سے کامل قدرت واختیار اور مکمل غلبہ واقتدار مراد ہے تو مالک الملک کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی متصرف اور

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ

زندہ سے اور تو رزق دے جسکو چاہے بے شمار ف ۱ ۔ نہ بناویں

الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر ۳۸ے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ

اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے تعلق مگر اس حالت

تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ

میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ ۳۹ے اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۴۰ے تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات

اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ ۴۱ے اور اسکو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو

فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ

کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن موجود

كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ

پاوے گا ہر شخص جو کچھ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کی

مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ

ہے اس نے برائی ۴۲ے آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جاوے دور کا

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ع

اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ ۳ بہت مہربان ہے بندوں پر ۴۳ے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ

۱ یہاں مقصود بالنداء محذوف ہے یعنی اقض حاجتی ۱۲ ۲ نزول کے بعد مشرکین سے قطع تعلق کا حکم ۱۲

۱۱ع ۳ وقف غفران النبی ۱۲

۳ میری طرح اپنے مشرک رشتہ داروں سے قطع تعلق کرو ۱۲

موضح قرآن ف ۱۔ یعنی یہود جانتے ہیں کہ جو اول ہم میں بزرگی تھی وہی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں وہ جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لیوے اور ذلیل کرے اور جاہلوں میں سے کامل پیدا کرے اور کاملوں میں سے جاہل اور جس کو دینا چاہے بے حساب دیوے۔

فتح الرحمٰن۔ ف ۱ مترجم گوید در امراین دعا بشارت است بمغلوب شدن کافران واللہ اعلم ۱۲

ہر قسم کے اختیار واقتدار کا واحد مالک ہے۔ تمام تصرفات اور اختیارات اسی کے قبضہ میں ہیں اور ان میں کوئی اسکا شریک نہیں۔ فمالک الملک ھو الملک الحقیقی المتصرف بما شاء کیف شاء ایجادا و اعداما واحیاء و اماتۃ و تعذیبا و اثابۃ من غیر مشارک ولا ممانع (روح ج ۳ ص ۱۱۳) جب یہ فرمایا کہ اللہ تعالٰے ہی مالک الملک علی الاطلاق ہے تو اس کے بعد کچھ تصرفات کا ذکر کیا۔ جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ۔ یہ جملہ مع معطوفات منادی سے حال ہے۔ کیونکہ منادی معنیً مفعول ہوتا ہے۔ یا یہ جملہ مع معطوفات منادی کی صفت ہے اور جملہ (جو اگرچہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے) جب کسی مفرد معرفہ کے ساتھ مخصوص ہو تو وہ معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے اور معرفہ کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔ کما فی الرضی قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالٰی اور یہاں ملک سے مراد حکومت وسلطنت ہے مطلب یہ ہے کہ تو جسے چاہتا ہے۔ دنیا کی حکومت دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جیسا کہ آئے دن حکومتوں میں ردوبدل اور انقلاب رونما ہوتا رہتا ہے

الْخَیْرُ۔ مبتدا موخر ہے اور اس میں الف لام استغراق کے لئے ہے بیدک خبر مقدم ہے تاکہ حصر اور تخصیص کا فائدہ دے اور ید سے یہاں قدرت اور قبضہ مراد ہے یعنی ہر قسم کی خیر اور بھلائی صرف تیری ہی قدرت اور صرف تیرے ہی قبضہ واختیار میں ہے اور متصرف علی الاطلاق تو ہی ہے تیرے سوا کوئی مالک ومختار، قادر وکارساز، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ تعریف الخیر للتعمیم وتقدیم الخبر للتخصیص ای بقدرتک الخیر کلہ لا بقدرۃ احد من غیرک تتصرف فیہ قبضا وبسطا حسبما تقتضیہ مشیئتک (ابو السعود ج ۲ ص ۱۶۴) ۳۷ یہ بھی مع معطوفات منادی سے حال یا اس کی صفت ہے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے سے دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا مراد ہے۔ مثلاً اگر رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہو جائے جیسا کہ موسم گرما میں ہوتا ہے تو دن بڑا ہو جاتا ہے اور اگر دن کا کچھ حصہ رات میں شامل ہو جائے تو رات بڑی ہو جاتی ہے یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور حسن وغیرہم سے منقول ہے ای تدخل ما نقص من احدھما فی الآخر الخ (قرطبی ج ۴ ص ۵۴) اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے لیل ونہار کا اختلاف اور رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا مراد ہے۔ وتخرج الحی من المیت حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا کرتا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان اور آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ یخرج المومن من الکافر کابراھیم من آزر والکافر من المومن مثل کنعان من نوح علیہ السلام (کبیر ج ۲ ص ۴۴۳ ۶، قرطبی ج ۴ ص ۵۶) اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ مردہ سے مراد نطفہ اور انڈا ہے جو جاندار سے نکلتے ہیں اور زندہ سے مراد جاندار ہیں جو نطفہ اور انڈے سے پیدا ہوتے ہیں (کبیر، قرطبی وغیرہ)، وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ یہاں تک صفتیں تمام ہوئیں اور مقصود بالندا محذوف ہے ای اقض حاجتی یعنی ای مالک الملک الخ میری ہر حاجت پوری کر ۳۸ اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے قطع تعلق کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پہلے بیان فرمایا کہ مالک الملک، معز ومذل اور قادر مطلق صرف اللہ ہی ہے اس لئے اسی پر بھروسہ رکھو اور ان کافروں کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ جو محض ضد وعناد کی وجہ سے توحید کو نہیں مانتے اور اسلام قبول نہیں کرتے چنانچہ وفد نجران باوجود بے دلیل ہونے کے شرک پر اڑا رہا اور یہودیوں کو کتاب اللہ (تورات) کے فیصلہ کی طرف بلایا گیا مگر وہ محض ضد کی وجہ سے تورات کا فیصلہ ماننے سے بھی انکاری ہو گئے اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے ہر قسم کے دوستانہ تعلقات منقطع کریں۔ ۳۹ یہ مومنوں کے لئے زجر ہے یعنی جو مسلمان ان کافروں سے دوستی رکھے گا۔ خدا کی دوستی کا رشتہ اس سے منقطع ہو جائے گا اور خدا کی جماعت میں اس کا شمار نہیں ہوگا ای فلیس من حزب اللہ ولا من اولیائہ فی شئ (قرطبی ج ۴ ص ۵۷)، کافروں سے معاملات اور دلی دوستی تو کسی صورت میں جائز نہیں البتہ اگر ان سے جان کا خطرہ ہو یا اس کے علاوہ کسی بھاری نقصان کا اندیشہ ہو تو ظاہری طور پر میل ملاقات اور خاطر مدارت میں کوئی حرج نہیں ۴۰ اس لئے ظاہر وباطن میں اللہ تعالٰے کی نافرمانی سے باز رہو۔ ۴۱ یہ تخویف دنیوی ہے یعنی اللہ تمہارے ظاہر وباطن کو جانتا ہے اگر تم خفیہ طور پر ان کافروں سے تعلقات رکھو گے تو بھی اس کے علم میں ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہی تمہیں اسکی سزا دے دے۔ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ یہ ماقبل کی علت ہے یعنی اللہ تعالٰی زمین وآسمان کے تمام معلومات اور حقائق پر حاوی اور ہر چیز پر قادر بھی ہے اس لئے وہ کافروں سے تمہاری پوشیدہ دوستی کو جانتا اور اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ ۴۲ یوم کا عامل تَوَدُّ ہے جو بعد میں آرہا ہے اور یہ تخویف اخروی ہے۔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗٓ اَمَدًۢا بَعِیْدًا۔ قیامت کے دن جب ہر آدمی کے نیک اور برے اعمال اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور اعمال کا حساب کتاب ہوگا تو ہر آدمی تمنا کرے گا کہ کاش! اس کے اور اس کے بد اعمال کے درمیان بہت فاصلہ ہوتا اور وہ ان کو نہ دیکھ پاتا۔ فیکون الضمیر فی بینہ عائد الی ما عملت من سوء (بحر ج ۲ ص ۴۲۷) ۴۳ اور یہ بھی اللہ تعالٰے کی عین رحمت اور مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تاکہ وہ اس کی نافرمانیوں سے باز رہیں اور اس کی اطاعت کریں اور اسی میں ان کی دینی اور دنیوی بھلائی ہے ۴۴ یہ فان اللہ لا یحب الکفرین تک تخویف علی سبیل الترقی ہے۔ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ مسلمانوں سے کہہ دیں کہ کافروں سے دوستی مت کرو بلکہ صرف اللہ تعالٰی ہی کی ذات کو اپنی محبت کا مرکز بناؤ اور اللہ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو اگر پیغمبر کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اسلام سے خارج ہو کر کافروں میں شامل ہو جاؤ گے اور کافروں کا انجام سب سے بدتر ہوگا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یہ امر کا جواب ہے۔ یعنی جب تم میری اطاعت کرو گے تو اللہ تعالٰی تم سے راضی ہو جائے گا اور تم سے محبت کرے گا۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ یہ یُحْبِبْکُمْ پر معطوف ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ○ لیکن اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے اعراض کریں تو اللہ تعالٰی ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا اور انہیں اپنے انعام واکرام سے نہیں نوازتا۔

ذکر توحید بار چہارم

۴۵ ذریۃ الین سے بدل یا حال واقع ہے۔ نصب علی البدلیۃ من الآلین او الحالیۃ منہا (روح ج ۳ ص ۱۳۲) یہود ونصاریٰ اس شبہ میں گرفتار تھے کہ اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام کو باقی مخلوق سے منتخب کر کے سب سے اونچا مقام اور مرتبہ عطا فرمایا ہے اور انہیں خاص خاص اختیارات بھی عطا کئے ہیں چنانچہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو کارساز اور معبود سمجھ کر پکارنا اور پوجنا شروع کر دیا اس پر اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام باوجود علو مرتبت اور رفعت شان کے انسان اور بشر تھے اور باہم ایک دوسرے کی اولاد اور نسل تھے اور اپنی پیدائش اور بقا میں محتاج تھے۔ اس لئے وہ معبود اور کارساز نہیں ہو سکتے۔ ان نصاری نجران لما غلوا فی عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام وجعلوہ ابن اللہ سبحانہ واتخذوہ الھا نزلت ردا علیھم واعلاما لھم بانہ من ذریۃ البشر المتنقلین فی الاطوار المستحیلۃ علی الالہ (روح ج ۳ ص ۱۳۰، بحر ج ۲ ص ۴۳۴) وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جن بزرگوں سے متعلق معبود ہونے کا شبہ تھا اسے دو طرح سے رفع کیا گیا۔ اوّل اس طرح کہ یہ حضرات باہم والد ومولود ہیں۔ دوم۔ یہ حضرات ہر چیز کو جاننے اور سننے والے نہیں ہیں۔ سمیع بکل شئ اور علیم بکل شئ صرف اللہ کی صفت ہے۔ اس لئے وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں۔ ۴۶ عیسائی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے علاوہ حضرت مریم صدیقہ کو بھی معبود مانتے تھے۔ انہیں شبہ اسلئے ہوا کہ بچپن ہی میں بے موسم کے پھل ان کے پاس موجود ہوتے تھے۔ تو اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کو کچھ مافوق الاسباب اختیار حاصل تھا۔ تو اللہ تعالٰی نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ دیکھو تو سہی حضرت مریم کتنی دعاؤں کے بعد پیدا ہوئیں اور کس طرح ان کی پرورش کی گئی بھلا جو اپنی پیدائش اور پرورش میں دوسروں کی محتاج ہو وہ کس طرح معبود بن سکتی ہے۔